بی ایس علوم اسلامیہ

کورس کوڈ: 3900

# سیرتِ طیّبہ

شعبہ سیرت سٹڈیز، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

# سیرتِ طیبہ

(کوڈ نمبر3900)

بی ایس

یونٹ1۔9

شعبہ سیرت سٹڈیز

کلیہ عربی و علوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

ایڈیشن اول ---------- 2020

اشاعت اول ---------- 2020

تعداد ---------- 3000

قیمت ----------

طابع ---------- علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

ناشر ---------- علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

# کورس ٹیم

چیئرمین: ----------------- ڈاکٹر شاہ معین الدین ہاشمی

تالیف و ترتیب: ------------- ڈاکٹر شاہ معین الدین ہاشمی

محمد رفیق صادق

پروفیسر ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی

مسز نصرت ضیاء

مسز شمیم چیمہ

مس قدسیہ فاطمہ

عاشق مصطفیٰ

نظر ثانی: ----------------- ڈاکٹر شاہ معین الدین ہاشمی

محمد رفیق صادق

حافظ سعید الرحمٰن

کورس رابطہ کار --------------- ڈاکٹر شاہ معین الدین ہاشمی

# فہرست مضامین


| | | | |
|---|---|---|---|
| 1. | پیش لفظ | | V |
| 2. | کورس کا تعارف | | VI |
| 3. | یونٹ نمبر 1 | سیرتِ طیبہ کا معنی و مفہوم اور آغاز و ارتقاء | 01 |
| 4. | یونٹ نمبر 2 | حیاتِ طیبہ مکی دور قبل بعثت تا ہجرت مدینہ | 35 |
| 5. | یونٹ نمبر 3 | حیاتِ طیبہ مدنی دور ہجرت مدینہ تا صلح حدیبیہ | 95 |
| 6. | یونٹ نمبر 4 | حیاتِ طیبہ مدنی دَور شاہان عالم کو خطوط تا وصالِ نبوی ﷺ | 151 |
| 7. | یونٹ نمبر 5 | اطاعتِ رسول ﷺ | 195 |
| 8. | یونٹ نمبر 6 | رسول اللہ ﷺ بحیثیت سربراہ خاندان | 235 |
| 9. | یونٹ نمبر 7 | رسول اکرم ﷺ بحیثیت معلم اور داعی و مبلّغ | 273 |
| 10. | یونٹ نمبر 8 | رسولِ اکرم ﷺ کی معاشی زندگی اور تعلیمات | 329 |
| 11. | یونٹ نمبر 9 | رسول اللہ ﷺ بحیثیت رَحمةً لِلعٰلَمِیْن وَمُعَلِّم اَخلاق | 375 |

# پیش لفظ

حضور اکرم ﷺ نہ صرف امت مسلمہ بلکہ پوری انسانیت کے لیے فلاح دارین بن کر تشریف لائے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا

ترجمہ: ''اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے''

یہی وہ عالمگیریت ہے جس کی بنا پر غیر مسلموں نے بھی آپ ﷺ کی مبارک زندگی کا مطالعہ کر کے بہت کچھ سیکھا اور اپنے ممالک واقوام میں اس سے بہت فائدہ اٹھایا اور دنیا میں ترقی اور امن واستحکام حاصل کیا۔

حضور رسرور عالم ﷺ کی اتباع میں امت مسلمہ کی حیات وبقا ہے اور سیرت رسول کریم ﷺ کا مطالعہ اس کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس مضمون کی اہمیت کے پیش نظر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی نے مطالعہ سیرت کو درجہ بدرجہ عام کرنے کی کوشش کی ہے اور بی ایس علوم اسلامیہ میں بھی اس بابرکت موضوع کو ضروری مضمون کے طور پر پڑھانے کا فیصلہ کیا ہے۔

اس کتاب کے مؤلفین پاکستان کے فاضل اور معروف سیرت نگار ہیں مجھے امید ہے کہ ان کی یہ کاوش ہمارے طلبہ اور دیگر قارئین کے لیے نہایت نفع بخش ثابت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سیرت پاک کا علم حاصل کرنے اور اس کے ذریعے اپنی زندگیاں سنوارنے کی ہمت وتوفیق عطا فرمائے۔

پروفیسر ڈاکٹر محی الدین ہاشمی
(ڈین کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ)

# کورس کا تعارف

رسول اکرم ﷺ عالم انسانیت کے لیے دنیا و آخرت کی فلاح، سعادت اور نجات کا ذریعہ / وسیلہ بن کر تشریف لائے۔ آپ ﷺ ہی کی شخصیت وہ رول ماڈل ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ "لقد کان لکم فی رسول اللہ أسوۃ حسنہ (الاحزاب: 21)" "تمھارے لیے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے"۔ ہمارے معاشرے کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ نوجوانوں کو حضور سرور کائنات ﷺ کے اسوہ حسنہ سے روشناس کروایا جائے۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کا یہ اعزاز ہے کہ اس نے اس اہم کار خیر میں پہل کی اور تقریباً تیس برس قبل بی اے کی سطح پر سیرت طیبہ کا کورس متعارف کروایا۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ کورس بہت مقبول ہوا اور اب تک ڈیڑھ ملین سے زائد طلبہ اس سے استفادہ کر چکے ہیں۔

ہائر ایجوکشن کمیشن کے حالیہ فیصلے کے مطابق پورے ملک میں بی اے کی بجائے بی ایس کے پروگرام آفر کیے گئے ہیں۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تعلیمی کمیٹی نے بی ایس علوم اسلامیہ کے تمام تخصصات (Specialization) کے لیے سیرت طیبہ کے کورس کو لازمی قرار دیا ہے۔

اس کورس کی تیاری میں جن اساتذہ (خواتین و حضرات) نے حصہ لیا، میں ان کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ اس کورس میں بعض اساتذہ کے لکھے گئے سابقہ کورس برائے بی اے سیرت طیبہ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے ان اساتذہ میں بعض تو دنیا سے گزر بھی گئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کاملہ فرمائے اور جو سینئر اساتذہ حیات ہیں انھیں سلامت رکھے۔ کورس کی تالیف و ترتیب اور تدوین میں محمد رفیق صادق لیکچرار شعبہ حدیث شروع سے آخر تک تمام مراحل میں پیش پیش رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس مساعی کو قبول فرمائے۔

امید ہے کہ سیرت طیبہ کا یہ کورس نہ صرف طلبہ کے لیے بلکہ دیگر اردو دان حضرات کی اصلاح و تربیت کے لیے بھی مفید ثابت ہوگا اور قومی و ملی اصلاح و فلاح کا باعث بنے گا۔

ڈاکٹر شاہ معین الدین ہاشمی

چیئرمین شعبہ سیرت سٹڈیز

یونٹ نمبر...... 1

# سیرتِ طیبہ کا معنی ومفہوم

## اور آغاز وارتقاء

تالیف وترتیب: ڈاکٹر شاہ معین الدین ہاشمی

نظر ثانی: محمد رفیق صادق

حافظ سعید الرحمان

# فہرستِ مضامین


| | |
|---|---|
| یونٹ کا تعارف | 4 |
| یونٹ کے مقاصد | 5 |
| 1- سیرت کا معنی و مفہوم اور آغاز و ارتقاء | 6 |
| 1.1 سیرت کا لغوی مفہوم | 6 |
| 1.2 سیرت کی اصطلاحی تعریف | 6 |
| 1.3 سیر کا مفہوم | 7 |
| 1.4 المغازی کا مفہوم | 7 |
| 2- مطالعۂ سیرت کی ضرورت و اہمیت | 8 |
| 3- تالیفاتِ سیرت کی کثرت | 8 |
| 4- سیرتِ طیبہ کے مآخذ و مصادر | 9 |
| 4.1 قرآنِ کریم اور سیرت نگاری | 10 |
| 4.2 کتبِ حدیث | 12 |
| 4.3 تواریخ حرمین | 13 |
| 4.4 تاریخ اسلام اور تاریخ عالم پر کتابیں | 13 |
| 4.5 طبقات مشاہیر | 14 |

| | |
|---|---|
| 4.6 کتب سیرت | 14 |
| خود آزمائی نمبر 1 | 17 |
| 5- کتب سیرت کے موضوعات و مشمولات | 19 |
| 6- جمع و تدوین سیرت کی مختصر تاریخ | 20 |
| 7- فارسی اور اردو میں کتب سیرت ﷺ | 23 |
| 8- مستشرقین | 24 |
| 8.1- مستشرقین کی تحریک اور اس کا پس منظر | 25 |
| 8.2- مستشرقین کے اعتراضات | 28 |
| 8.3 - مستشرقین کے اعترافات | 29 |
| خود آزمائی نمبر 2 | 32 |
| 9- جوابات | 33 |

# یونٹ کا تعارف

رسول اللہﷺ کی حیات طیبہ سیرت النبی کہلاتی ہے۔ سیرت النبیﷺ کے کئی پہلو اور گوشے ہیں جن سے متعلق معلومات حاصل کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے مثلاً آپﷺ کے خاندان اور قبیلہ کی معلومات، آپﷺ کی ولادت، بچپن اور جوانی کے واقعات، نبی اکرمﷺ کی معاشرتی زندگی، وحی کی ابتدا، وحی کی تعلیمات پر عمل کر کے دکھانا اور انھیں آگے پہنچانے کے مراحل یعنی دعوت وتبلیغ۔ دیگر مذاہب کے پیروکاروں کی طرف سے مخالفت اور ان کے ساتھ جنگ اور صلح کے احوال، آپﷺ کے کمالات، فضائل ومحاسن اور أسوہ حسنہ، غرض سیرت کے بہت سے گوشے ہیں جن کے متعلق آپ اس کتاب کے ذریعے معلومات حاصل کر سکیں گے۔

آپ کے زیر مطالعہ پہلا یونٹ سیرت النبیﷺ کے ابتدائی اور تمہیدی مباحث پر مشتمل ہے۔ مثلاً سیرت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم، مطالعہ سیرت کی ضرورت و اہمیت، سیرت کے بنیادی مصادر اور اہم کتب سیرت کا تعارف سیرت کے مشمولات ومباحث، سیرت پر غیر مسلموں کی اہم کتب کا تعارف وغیرہ۔

اس یونٹ کی تالیف وترتیب میں سیرت کے بنیادی مصادر اور بی اے کی کتاب سیرت طیبہ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ سے آپ سیرت کی ابتدائی اور تمہیدی معلومات کو اچھے طریقے سے جان سکیں گے۔

# یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1- لفظ ''سیرت'' اور لفظ ''المغازی'' کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم کی وضاحت کر سکیں۔

2- مطالعۂ سیرت کی ضرورت واہمیت واضح کر سکیں۔

3- سیرت طیبہ کے بنیادی مآخذ ومصادر کی فہرست بنا سکیں۔

4- کتبِ سیرت کے مشمولات سے بحث کر سکیں۔

5- سیرت نگاری کے ارتقائی مراحل بیان کر سکیں۔

6- مستشرقین کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم واضح کر سکیں۔

7- مستشرقین کی تحریک اور اس کا پس منظر بیان کر سکیں۔

8- مستشرقین کے اعتراضات واعترافات جان کر سیرت طیبہ سے بہتر طور پر آگاہی حاصل کر سکیں۔

# 1۔سیرت کا معنی ومفہوم

# اور آغاز وارتقاء

## 1.1 سیرت کا لغوی معنی ومفہوم

عربی میں لفظ ''سیرۃ'' گول ''ۃ'' اور اردو میں اسے لمبی ''ت'' کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

لفظ ''سیرۃ'' سیر کا واحد ہے جس کے معنی ہیں طریقہ اختیار کرنا، رویہ اور انداز اختیار کرنا، عمل پیرا ہونا وغیرہ۔

گویا سیرت کے معنی روانہ ہونا، روش، طریقہ، کردار اور عادت کے ہیں۔

قرآن مجید میں یہ لفظ (سیرۃ) ذکر ہوا ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے (سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ) (سورۃ طہ 21)

ترجمہ: ''ہم جلد اسے اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے''۔آپ نے دیکھا کہ اس آیت میں لفظ سیرت کیفیت اور حالت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

## 1.2 سیرت کی اصطلاحی تعریف

اصطلاح میں لفظ ''سیرت'' سے مراد محمد رسول اللہ ﷺ کے حالات زندگی اور اس سے متعلق مختلف پہلوؤں کا بیان ہے۔ دیگر شخصیات کے حالات کے لیے ''سیرت'' کا استعمال تقریباً متروک ہو گیا ہے۔اب لفظ سیرت جہاں بھی بولا یا لکھا جاتا ہے (مثلاً مطالعہ سیرت، کتب سیرت، جلسۂ سیرت، مقالات سیرت، سیرت کانفرنس) اس سے مراد محمد رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ ہوتی ہے۔

(اس کتاب میں بھی لفظ ''سیرت'' اپنے ان ہی معروف اصطلاحی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اب ہم جہاں بھی لفظ سیرت لکھیں گے اس سے مراد ہوگا ''سیرت رسول ﷺ'')

## 1.3 سِیَر کا مفہوم

''سِیَر'' جمع ہے اس کے معنی بھی طریقہ اور رویہ کے ہیں البتہ تاریخی واقعات اور سوانح حیات بھی اس کے مفہوم میں شامل ہے۔ کتب فقہ میں ''السیر'' جنگ کے احکام کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ اس اعتبار سے رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلموں کے ساتھ صلح وجنگ میں جو طریقہ اختیار فرمایا اور جو معاملات طے فرمائے وہ ''السیر'' کے مفہوم میں شامل ہیں۔

گویا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ''سیر'' واقعات سیرت کے قانونی پہلوؤں کے بیان کا نام ہے اور اس میں سیرت سے فقہی ہدایت اور راہنمائی کا پہلو غالب ہے۔

## 1.4 اَلْمَغَازِی کا مفہوم

لفظ ''مغازی'' ''مغزیٰ'' کی جمع ہے جس کے معنی جنگ کی جگہ یا وقت کے ہیں۔

اصطلاحاً غزوہ سے مراد وہ جنگیں اور مہمات ہیں جن میں خود رسول اللہ ﷺ نے شرکت فرمائی۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی زیر قیادت مہمات چاہے ان مہمات کے پیش نظر جنگ تھی (جیسے بدر واُحد) یا کوئی اور مقصد پیش نظر تھا جیسے بعض غزوات کا مقصد دوستی اور صلح کے لیے راہ ہموار کرنا تھا (مثلاً غزوہ ابواء اور ذوالعشیر ۃ وغیرہ) غزوات کہلاتی ہیں۔

یاد رہے کہ شروع میں مغازی اور سیر کی اصطلاحات باہم متبادل کے طور پر استعمال ہوتی رہی ہیں اور اس سے مراد حضور ﷺ کی حیات مبارکہ کے واقعات کو بیان کرنا تھا۔

# 2- مطالعہ سیرت کی ضرورت واہمیت

مسلمانوں کے لیے مطالعہ سیرت صرف ایک علمی مشغلہ نہیں بلکہ اہم دینی ضرورت ہے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نہ صرف رسول کریم ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری مسلمانوں پر واجب اور فرض قرار دی ہے بلکہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب،33:21) ''مسلمانو! تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی میں ایک اچھا نمونہ موجود ہے'' کہہ کر مسلمانوں کے لیے ضروری ٹھہرا دیا کہ وہ زندگی گزارنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کا اسوہ معلوم کریں۔ مسلمان کے لیے مطالعہ سیرت کی ضرورت واہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ اسلام کو صحیح طور پر سمجھنے اور دوسروں کو سمجھانے کے لیے سیرت پاک ﷺ کو معیار بنانا ضروری ہے۔

اسلام مکمل ترین ضابطۂ حیات ہے اور تکمیل اسلام کا تعلق دو امور یعنی قرآن کریم اور سنت نبوی ﷺ سے ہے۔قرآن کریم کا ظہور رسول اللہ ﷺ کی زبان فیض سے ہے اور سنتِ رسول ﷺ کا تعلق آپ ﷺ کے عمل سے ہے۔قرآن کریم کے فہم اور سمجھ کے لیے آپ ﷺ کی سیرت سے راہ نمائی بے حد ضروری ہے۔

آنحضور ﷺ کے زمانے میں (خصوصاً ابتدائی کی دور میں) لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کرنے کا سبب یہی دو چیزیں تھیں یعنی قرآن اور شخصیتِ رسول ﷺ ۔آج بھی صحیح مسلمان بننے اور دوسروں کو اسلام کی حقیقت سمجھانے کے لیے ان ہی دو چیزوں کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔ دراصل یہ دونوں ایک ہی چیز کے دو رخ ہیں۔اس لیے کہ قرآن مجید الہامی علوم کا مجموعہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کی ذات ان قرآنی تعلیمات کا بہترین عملی نمونہ اور مثال ہے۔

# 3- تالیفاتِ سیرت کی کثرت

آکسفورڈ یونیورسٹی (برطانیہ) کے پروفیسر مارگولیوتھ (D.S. Margoluth) نے 1905ء میں آنحضرت ﷺ کے حالات پر اپنی کتاب Muhammad and The First Rise of Islam کے نام سے لکھی تو اس کا آغاز ان الفاظ سے کیا جن کا ترجمہ یہ ہے کہ

''محمد ﷺ کے سیرت نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کو ختم کرنا ناممکن ہے لیکن اس میں جگہ پانا باعث شرف ہے''۔تصنیف وتالیفاتِ سیرت کا یہ سلسلہ جس کی طرف پروفیسر موصوف نے اشارہ کیا، بدستور جاری ہے اور جاری رہے گا۔

چند سال قبل اقوامِ متحدہ کے ثقافت و تہذیب اور تعلیم و تمدن سے متعلق ایک ذیلی ادارہ یونیسکو UNESCO نے دُنیا بھر کی مشہور شخصیتوں پر لکھی گئی کتابوں کا ایک جائزہ پیش کیا تھا۔ اس کی رپورٹ میں یہ لکھا گیا کہ جس قدر کتابیں نبی اسلام ﷺ کے بارے میں لکھی جا چکی ہیں، اس کا عشر عشیر یعنی دسواں بلکہ بیسواں، یا اس سے بھی کم حصہ کسی شخصیت کے بارے میں نہیں لکھا گیا۔ اب تو کتب سیرت کی الگ فہرستیں اور کتابیات سیرت پر مستقل اور علیحدہ ضخیم کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔

## 4- سیرتِ طیبہ کے مآخذ و مصادر

مآخذ" ماخذ" کی جمع ہے۔ کسی علم کے بنیادی ذرائع (کتب، روایات، آثار قدیم وغیرہ) اس علم کے مآخذ کہلاتے ہیں۔ مثلاً کسی تاریخی شخصیت کے بارے میں معلومات کا اہم ماخذ وہ کتاب یا کتابیں ہوں گی جو اس کی زندگی میں لکھی گئی ہوں یا اس کے بعد وہ قریب ترین زمانے میں لکھی گئی ہوں اور جن میں زیادہ سے زیادہ مواد یکجا (جمع) کیا گیا ہو یا اس مواد کے جمع کرنے میں علمی تگ و دو اور تحقیقی چھان بین سے کام لیا گیا ہو۔ اس لحاظ سے سیرت طیبہ کے اہم بنیادی مآخذ حسب ذیل ہیں۔

1۔ قرآن کریم

2۔ کتب حدیث

3۔ تواریخ حرمین

4۔ تاریخ عالم یا تاریخ اسلام پر لکھی گئی بنیادی کتابیں

5۔ مشاہیر و اعلام کے طبقات (مشہور شخصیتوں کے حالات)

6۔ خاص سیرت پر لکھی گئی اہم اور ابتدائی کتابیں

آپ نے ملاحظہ کیا کہ ان کتابوں (مآخذ) میں سے پہلی پانچ قسموں کا موضوع براہ راست سیرت سے متعلق نہیں ہے یعنی ان کا بنیادی مقصد رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی کے جملہ واقعات و حالات بیان کرنا نہیں ہے بلکہ سیرت کا کچھ نہ کچھ حصہ ان میں ضمناً بیان ہوا ہے لیکن جتنا بھی حصہ ان میں بیان ہوا ہے، اس کی صحت پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے اور مجموعی طور پر ان جملہ مآخذ و مصادر سے حاصل ہونے والی معلومات کے ذریعے سے کوئی جامع کتاب سیرت تیار ہو سکتی ہے۔ یہی کام ماخذ کی چھٹی قسم یعنی خاص کتب سیرت میں کیا گیا ہے البتہ صحیح معلومات کی فراہمی، علمی چھان بین، زمانہ تالیف اور

وسعت تفصیلات وغیرہ کی بناء پر کتب سیرت کی اہمیت کی درجہ بندی کی جاسکتی ہے۔
آنے والے صفحات میں آپ سیرت طیبہ کے ان مآخذ کی اہمیت اوران کے تعارف پر مشتمل بحث کا مطالعہ کرسکیں گے۔

## 4.1 قرآن کریم اور سیرت نگاری

نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ پر سب سے پہلا مستند مصدر قرآن کریم ہے۔قرآن کریم میں حضور ﷺ کی ذاتی اور خانگی زندگی، آپ ﷺ کی دینی جدوجہد، کفار کے اعتراضات اور سیرت کے دیگر کئی پہلوؤں پر معلومات موجود ہیں۔سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن مجید میں وہ تمام تعلیمات ہیں جن پر نبی اکرم ﷺ نے عمل کرکے دکھایا۔ذیل میں سیرت طیبہ سے متعلق چند آیات قرآنیہ بطور نمونہ ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

☆ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (سورہ توبہ:۱۲۸)

ترجمہ: (لوگو) تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تمہی میں سے ہے، جس کو تمہاری ہر تکلیف بہت گراں معلوم ہوتی ہے، جسے تمہاری بھلائی کی دھن لگی ہوئی ہے، جو مومنوں کے لیے انتہائی شفیق نہایت مہربان ہے۔

☆ نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ، مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ، (سورہ قلم:۱۔۳)

ترجمہ: (اے پیغمبر) قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جو وہ لکھ رہے ہیں۔اپنے پروردگار کے فضل سے تم دیوانے نہیں ہو۔اور یقین جانو تمہارے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔

☆ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۔(سورۃ فتح:۲۹)

ترجمہ: محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں کے مقابلہ میں سخت ہیں (اور) آپس

میں ایک دوسرے کے لیے رحم دل ہیں۔تم انہیں دیکھو گے کہ کبھی رکوع میں ہیں، کبھی سجدے میں (غرض) اللہ کے فضل اور خوشنودی کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔ان کی علامتیں سجدے کے اثر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔ یہ ہیں ان کے وہ اوصاف جو تورات میں مذکور ہیں اور انجیل میں ان کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک کھیتی ہو جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اس کو مضبوط کیا پھر وہ موٹی ہوگئی پھر اپنے تنے پر اس طرح سیدھی کھڑی ہوگئی کہ کاشتکار اس سے خوش ہوتے ہیں تاکہ اللہ ان (کی اس ترقی) سے کافروں کو جلائے۔ یہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں، اللہ نے ان سے مغفرت اور زبردست ثواب کا وعدہ کرلیا ہے۔

☆ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (آل عمران : ۱۲۳)

ترجمہ: اللہ نے تو (جنگ) بدر کے موقع پر ایسی حالت میں تمہاری مدد کی تھی جب تم بالکل بے سروسامان تھے۔لہذا (صرف) اللہ کا خوف دل میں رکھو تاکہ تم شکرگزار بن سکو۔

☆ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۝[النساء: ۱۰۵]

ترجمہ: بیشک ہم نے حق پر مشتمل کتاب تم پر اس لیے اتاری ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اس طریقے کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے تم کو سمجھادیا ہے اور تم خیانت کرنے والوں کے طرف دار نہ بنو۔

☆ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ [الاحزاب: ٦]

ایمان والوں کے لیے یہ نبی ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریب تر ہیں اور ان (نبی) کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔

مندرجہ بالا آیات قرآنی سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ قرآن کریم میں سیرت النبی ﷺ کے مختلف پہلوؤں سے متعلق کس طرح کی تفصیلات ہیں۔

## 4.2 کتب حدیث

قرآن کریم کو رسول اللہ ﷺ نے کس طرح سمجھایا اور اسے کس طرح نافذ کیا؟ اس کی تفصیل کتب حدیث

کا موضوع ہے۔ کتب حدیث میں آنحضرت ﷺ کے بتائے گئے احکام و تعلیمات، خطبات، مواعظ، فیصلے وغیرہ ہی بیان نہیں ہوئے بلکہ بعض نہایت اہم واقعات سیرت بھی بیان ہوئے ہیں۔

حدیث کی کتابوں میں سیرت کی کتابوں کے لیے بہت سا مواد ملتا ہے۔ چونکہ حدیث کی روایت میں عام کتب کی نسبت زیادہ تحقیق اور چھان بین سے کام لیا جاتا ہے اس لیے کتب حدیث میں بیان کردہ واقعات سیرت بہت مستند اور قابل اعتماد ہوتے ہیں البتہ اکثر اوقات یہ واقعات نہایت مختصر ہوتے ہیں جنھیں تفصیل سے معلوم کرنے اور ان کی شرح کے لیے سیرت کی کتابوں کی مدد لینی پڑتی ہے۔ چند اہم کتب حدیث درج ذیل ہیں۔

| نام کتاب/مشہور نام | مؤلف | سنہ وفات |
|---|---|---|
| 1۔ مؤطا | امام مالک بن انسؒ | 179ھ |
| 2۔ مصنف عبدالرزاق الصنعانی | عبدالرزاق صنعانی | 211ھ |
| 3۔ مصنف ابن ابی شیبہ | حافظ ابوبکر ابن ابی شیبہ | 235ھ |
| 4۔ المسند یا مسند احمد | امام احمد بن حنبل شیبانیؒ | 241ھ |
| 5۔ الجامع الصحیح | امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ | 256ھ |
| 6۔ الجامع الصحیح | امام مسلم بن الحجاج نیشاپوریؒ | 261ھ |
| 7۔ جامع ترمذی | امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ | 270ھ |

(امام ترمذی کی ایک خاص کتاب سیرت سے متعلق بھی ہے اس کا نام ''شمائل ترمذی'' ہے۔ اس کا آگے ذکر آئے گا)

| | | |
|---|---|---|
| 8۔ سنن ابن ماجہ | امام محمد بن یزید ابن ماجہؒ | 273ھ |
| 9۔ سنن ابی داؤد | امام سلیمان بن اشعث سجستانیؒ | 278ھ |
| 10۔ سنن نسائی | امام احمد بن شعیب نسائیؒ (خراسانی) | 302ھ |
| 11۔ کتاب السنن/سنن دارمی | ابو محمد عبداللہ الدارمی | 255ھ |

## 4.3 تواریخ حرمین

حرمین سے مراد مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ ہیں۔ اسلام میں ان دونوں شہروں کو جو اہمیت حاصل ہوئی اس کی بناء پر بعض

علماء نے خاص ان شہروں کی تاریخ اور ان کے اہم تاریخی مقامات سے متعلق معلومات کو مستقل تالیفات کا موضوع بنایا۔ اس قسم کی کتابوں میں بعض مقامات کی مناسبت سے سیرت طیبہ کے بعض اہم واقعات بھی ملتے ہیں بلکہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے تواریخ حرمین پر لکھی گئی کتابوں میں سیرت نبوی سے متعلق ایسی معلومات بھی مل جاتی ہیں جو عام کتب تاریخ وسیرت میں مذکور نہیں ہوتیں۔ اس قسم کی کتابیں اب تک لکھی جارہی ہیں۔ اس فن کی اہم بنیادی کتابیں (مآخذ) حسب ذیل ہیں۔

مکہ مکرمہ کی تاریخ سے متعلق کتاب، ''اخبار مکۃ المشرفۃ'' کے نام سے سب سے پہلے ابن الازرق (احمد بن محمد بن ولید بن عقبہ بن الازرق) نے لکھی جن کا سال وفات 219ھ/833م ہے۔

مدینہ منورہ کی تاریخ پر ابتدائی کتاب ابن زبالہ (محمد بن الحسین بن زبالہ) نے لکھی اس کتاب کا سال تالیف 199ھ 864م ہے یہ کتاب ناپید ہوگئی ہے لیکن تاریخ مدینہ پر بعد میں لکھی گئی کتابوں میں اس کے حوالے ملتے ہیں جن میں سے السمہودی (علی بن احمد مصری وفات 911ھ) کی کتاب ''وفاء الوفاء باخبار دار المصطفٰی'' قابل ذکر ہے۔

اُردو میں مولانا عبدالمعبود کی ''تاریخ مدینہ منورہ'' اور ''تاریخ مکہ مکرمہ'' بہت اچھا اضافہ ہے۔

## 4.4 تاریخ اسلام اور تاریخ عالم پر کتابیں

مسلمانوں نے فن تاریخ نویسی کو بڑی ترقی دی اور عالمی تاریخ کو عموماً اور اسلام کی پوری تاریخ کو خصوصاً بڑی بڑی ضخیم کتابوں میں جمع کیا۔ اس قسم کی کتابوں میں سیرتِ طیبہؐ سے متعلق بحث ضرور موجود ہوتی ہے۔ اس قسم کی چند نمایاں اور بنیادی کتابیں (جو سیرت طیبہ کے لیے بھی اہم مآخذ ومصدر ہیں) مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ امام ابن جریر (محمد بن جریر طبری وفات 310ھ 933ء) کی کتاب ''تاریخ الرسل والملوک'' جو عام طور پر تاریخ طبری کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتاب اسلام کی ابتدائی تین صدیوں کی سب سے جامع تاریخ ہے۔ اس میں واقعات کی ترتیب سن وار ہے یعنی ایک سال کے تمام واقعات ایک جگہ بیان کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

2۔ ابن الاثیر (علی بن محمد بن اثیر، وفات 630ھ) کی الکامل فی التاریخ کی دوسری جلد سیرتِ طیبہؐ پر مشتمل ہے۔

3۔ حافظ ابن کثیر (اسماعیل بن عمر) دمشقی کی کتاب البدایۃ والنہایۃ تاریخ اسلام کی ایک اہم اور مستند کتاب ہے۔ اس کتاب کی کئی جلدیں سیرت سے متعلق ہیں۔ ابن کثیر کی کتاب کا یہ حصہ ''سیرت ابن کثیرؒ'' کے نام سے چار جلدوں میں الگ بھی شائع ہو چکا ہے۔ اور کتاب کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

## 4.5 طبقاتِ مشاہیر

عام اور مسلسل تاریخ اسلام (سن وار) لکھنے کے علاوہ بعض مسلمان اہل علم نے مشہور شخصیتوں کی اقسام الگ الگ کر کے ہر گروہ یا طبقے کے مشہور لوگوں مثلاً صحابہؓ حفاظ وقراء، شعراء، علمائے لغت ونحو، اطباء وغیرہ کے حالات الگ کتابوں میں جمع کیے۔ اس قسم کی کتابیں عموماً طبقات کے نام سے لکھی گئی ہیں۔ مثلاً طبقات صحابہؓ، طبقات القراء، طبقات الاطباء وغیرہ۔ اس قسم کی کتابوں میں جن کا تعلق خصوصاً صحابہ کرامؓ سے ہے، ان میں سیرت طیبہ پر بھی بہت کچھ مواد ملتا ہے۔ طبقات صحابہ پر اہم کتابیں درج ذیل ہیں:

1- ابن سعد (محمد بن سعد، وفات 230ھ 865ء) کی کتاب الطبقات الکبری جو مختصراً ''طبقات ابن سعد'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتاب صحابۂ کرامؓ اور تابعین کے حالات پر ہے اور ضخیم ہونے کی وجہ سے اس کے نام کے ساتھ الکبری کی صفت لگائی جاتی ہے۔ اس کتاب کے ابتدائی حصے میں رسول کریم ﷺ کی سیرت پاک کا بیان ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

2- بلاذری (محمد بن یحییٰ، سال وفات 279ھ) کی کتاب ''انساب الاشراف'' ہے۔ یہ عربوں کی ایک جامع تاریخ ہے جس کی ترتیب ان کے نامور خاندانوں کے اعتبار سے رکھی گئی ہے۔ سب سے پہلے بنو ہاشم کا ذکر ہے اور اس میں سیرت کی بہت سی معلومات اکٹھی کی ہوگئی ہیں۔

3- الذہبی (محمد بن عثمان، سال وفات 748ھ) کی کتاب ''طبقات المشاہیر والاعلام'' کی متعدد جلدیں ہیں جن میں سے جلد اول کا تعلق سیرت سے ہے۔

## 4.6 کتب سیرت

کتب سیرت سے مراد ایسی کتابیں ہیں جن میں صرف سیرت طیبہ ہی سے متعلق واقعات کو جمع کیا گیا ہے۔ ہمارا اصل موضوع اس قسم کی کتابیں ہی ہیں۔ کتب سیرت کی جمع وتدوین اور اس فن کے ارتقاء سے متعلق تفصیل ایک مستقل ضخیم کتاب کا موضوع ہے اس لیے کہ صرف عربی زبان میں آج تک لکھی گئی اہم کتب سیرت کی تعداد بھی سینکڑوں میں ہے۔ دنیا کی باقی زبانوں کا سیرت لٹریچر اس کے علاوہ ہے۔ یہاں ہم صرف چند اہم کتب سیرت کا مختصر تعارف کراتے ہیں۔ یہ وہ کتابیں ہیں جو اولین دور میں لکھی گئیں اور بعد میں آنے والی کتب کے

لیے بنیاد بنیں ۔ان میں سے بعض ایسی جامع کتب سیرت ہیں جن کے مؤلفین نے اپنے سے پہلے کے متعدد مصنفوں کی کتابوں سے مواد جمع کیا اور آنے والوں کے لیے تفصیلی اور جامع مواد فراہم کر دیا۔ خیال رہے کہ ابتدائی دور کی لکھی ہوئی بہت سی کتب سیرت ناپید بھی ہو گئیں۔ اگرچہ ان کا ذکر اور ان سے اخذ کردہ مواد کے حوالے بعد کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ اسی طرح بہت سی ایسی کتب سیرت ہیں جن کے قلمی نسخے بڑے کتب خانوں میں ملتے ہیں مگر وہ ابھی شائع نہیں ہو سکی ہیں۔ اس لیے یہاں ہم صرف ان کتب سیرت کا ذکر کریں گے جو زمانے کی دست برد سے محفوظ بھی رہیں اور اب چھپ چکی ہیں۔

1- کتاب المغازی ۔ یہ موسیٰ بن عقبہ (وفات 141ھ) کی کتاب ہے جو تابعی تھے۔ انہوں نے اس کتاب میں عہد رسالت کے حالات کو جمع کیا ہے۔ یہ کتاب مدت تک رائج رہی۔ واقدی، ابن سعد اور طبری کی کتابوں میں اس کے حوالے ملتے ہیں مگر آہستہ آہستہ یہ کتاب ناپید ہو گئی۔ 1904م میں جرمن پروفیسر زخاؤ نے اس کا کچھ حصہ (جو اسے کسی لائبریری میں ملا) شائع کیا تھا گویا یہ کتاب اب نایاب ہے۔ البتہ اس کتاب کا کچھ حصہ چھپ چکا ہے۔

2- سیرت ابن اسحاق (کتاب السیر والمغازی) ۔ یہ محمد بن اسحاق (وفات 150ھ) کی کتاب ہے محمد بن اسحاق بھی تابعی تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے ''کتاب السیر والمغازی'' کے عنوان سے کتاب لکھی جس کی جامعیت، تفصیل اور معلومات کی فراوانی کی بناء پر اکثر اہل علم نے اسے قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا۔ بعد میں آنے والے مؤرخوں اور مصنفوں نے سیرتِ نبویؐ کے بارے میں اس کتاب پر پورا پورا اعتماد کیا اور اسے اپنا ماخذ بنایا۔ طبری، ابن خلدون اور دیگر مؤرخین نے ابن اسحاق سے بکثرت روایت کی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ کتاب بھی ناپید ہو گئی ۔ کچھ عرصہ قبل مراکش میں اس کے کچھ اجزاء قلمی صورت میں ملے تھے جنہیں ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے شائع کرایا ہے۔ اس کتاب کا اُردو ترجمہ ''نقوش'' (رسول نمبر) میں چھپ گیا ہے۔ تاہم ''سیرت ابن اسحاق'' اس لحاظ سے موجود ہے کہ سیرت کی اہم کتاب ''سیرت ابن ہشام'' (جس کا ذکر آگے آ رہا ہے) کی بنیاد سیرت ابن اسحاق ہی ہے بلکہ ایک طرح سے یہ اسی کا ایک ترقی یافتہ ایڈیشن ہے۔

3- السیرۃ النبویۃ ۔ یہ عبد الملک بن ہشام (وفات 218ھ) کی کتاب ہے جو اپنے مصنف کے نام پر'' سیرت ابن ہشام'' کے نام سے مشہور ہے یہ کتاب دراصل سیرت ابن اسحاق ہی کی تلخیص اور تہذیب ہے۔ مثلاً اصل کتاب

کا کچھ حصہ جو سیرت سے براہ راست متعلق نہ تھا ابن ہشام نے اسے چھوڑ دیا۔ مشکل الفاظ کے معنی بیان کیے اور بعض واقعات کا اپنی طرف سے اضافہ کیا۔ اسی طرح ''سیرت ابن اسحاق'' کو جو شکل ابن ہشام نے دی وہ اتنی مقبول ہوئی کہ لوگوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور اصل کتاب کو فراموش ہی کر دیا۔ اب یہی کتاب ''سیرت ابن ہشام'' کے نام سے متداول ہے۔ اس کے متعدد ایڈیشن جرمنی اور مصر سے شائع ہو چکے ہیں۔

سیرت ابن ہشام کی اہمیت اور مقبولیت کی وجہ سے اس کی کئی شرحیں لکھی گئیں۔ ان میں سب سے مشہور شرح عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد السہیلی (وفات 581ھ۔ 1175م) کی ''الـرّوض الأنُف'' ہے۔ سیرت طیبہ پر لکھی جانے والی بنیادی کتب میں اس کتاب کو نہایت اہمیت حاصل ہے۔

4۔ کتاب المغازی۔ یہ محمد بن عمر الواقدی (وفات 207ھ 822م) کی کتاب ہے۔ امام واقدی نے بحیثیت مفسر اگرچہ کمزور روایات بھی بیان کی ہیں مگر سیرت و مغازی میں انھیں سند مانا جاتا ہے۔ واقدی نے واقعات کی تاریخیں متعین کرنے کا خصوصی التزام کیا ہے۔ واقدی کی کتاب المغازی کا سب سے مکمل اور اچھا ایڈیشن 1964ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے شائع کیا ہے جو تین جلدوں میں ہے۔ طبری اور دوسرے مؤرخوں نے سیرت کے بارے میں واقدی سے بہت سے اقتباسات لیے ہیں۔

5۔ الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ۔ اس کتاب کے مؤلف قاضی عیاض بن موسیٰ (وفات 544ھ) ہیں کتاب کے مؤلف ''قاضی عیاض'' کے نام سے مشہور ہیں اور کتاب مختصراً ''الشفاء'' کے نام سے مشہور ہے۔ ان کی یہ کتاب سیرت کی معروف اور مقبول عام کتاب ہے۔ مصنف نے کتاب میں رسول پاک ﷺ کے فضائل، محاسن اور معجزات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ''الشفاء'' کے متعدد ایڈیشن استنبول، قاہرہ، ہندوستان اور پاکستان سے شائع ہو چکے ہیں۔ الشفاء کے دو اردو ترجمے لاہور سے شائع ہو چکے ہیں۔

6۔ عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر۔ اس کتاب کے مؤلف محمد بن یحییٰ ابن سیّد الناس (وفات 734ھ) ہیں۔ کتاب کے مؤلف ابن سیّد الناس کے نام سے مشہور ہیں۔ کتاب ''عیون الاثر'' ایک جامع کتاب ہے اور معتبر و مستند روایات پر مشتمل ہے۔ مؤلف نے جو کچھ لکھا ہے، وہ محدّثین کے طریقے پر سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

7۔ زَادُ الـمَـعـاد فی ہدی خیر العباد۔ اس کتاب کے مؤلف حافظ محمد ابن قیم الجوزیہ (وفات 751ھ) ہیں کتب سیرت

میں ''زَادُ المَعاد '' کی منفرد خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صرف حالات اور واقعات کے بیان پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ ہر موقع پر یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ آنحضور ﷺ کے کس عمل سے کیا حکم سامنے آتا ہے اور حضور ﷺ کے حالات اور معمولات زندگی میں ہمارے لیے کیا کچھ سامان ہدایت موجود ہے۔''زَادُ المَعاد '' کا مکمل اور ایک ملخص (خلاصہ) اُردو ترجمہ بھی چھپ چکے ہیں۔

8۔ '' السّیرہ النبویۃ'' یہ حافظ اسماعیل بن عمر (وفات 774ھ) کی کتاب ہے جو ابن کثیر کے نام سے مشہور ہیں یہ کتاب دراصل حافظ ابن کثیر کی مشہور تاریخ '' البدایۃ والنہایۃ'' کا ہی ایک حصہ ہے جو علیحدہ بھی مستقل نام'' السّیرہ النبویۃ'' سے چار جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔ سیرت ابن کثیر۔ نہایت جامع اور مستند روایات پر مبنی کتاب ہے۔اس کتاب کا اردو ترجمہ طبع ہو چکا ہے۔

9۔ الخصائص الکبری۔ تالیف امام جلال الدین السیوطی (وفات 911ھ): علامہ سیوطی کی اس کتاب کا اصل موضوع فضائل وشمائل رسول ﷺ کا بیان ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں حیدر آباد دکن کے دائرۃ المعارف نے شائع کی تھی۔ اپنے موضوع پر جامع اور مفصل کتاب ہے۔

10۔ انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون۔ تالیف علی بن برہان الدین حلبی (وفات 1044ھ) یہ کتاب اپنے مؤلف کے نام پر'' السیرۃ الحلبیہ ''اور سیرت حلبی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتاب جیسا کہ مؤلف نے ابتداء میں تصریح کردی ہے دراصل سیرت کی دو کتابوں سے ماخوذ ہے۔ایک تو ابن سید الناس کی عیون الاثر اور دوسری محمد بن یوسف الصالحی شامی کی ''سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد۔ (جو'' سیرت شامی'' کے نام سے مشہور ہے)۔ سیرت شامی میں کچھ کمزور اور ضعیف روایات بھی شامل ہیں۔ حلبی نے ان روایات کو ذکر کرنے میں اور احتیاط سے کام لیا ہے۔ سیرت حلبیہ قاہرہ سے تین ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ کتاب کا اردو ترجمہ بھی چھپ چکا ہے۔

## خود آزمائی نمبر 1

1۔ سیرت کا لغوی واصطلاحی معنی کیا ہے؟

2۔ مغازی وسیر کا مفہوم تحریر کریں اور ان میں فرق واضح کریں۔

3۔ سیرت پر غیر مسلم مصنفین کی دو کتابوں کے نام تحریر کریں۔

4۔ مسلمانوں کے لیے مطالعۂ سیرت دینی ضرورت کیسے ہے؟

5۔ سیرتِ طیبہؐ کا سب سے مستند ماخذ کون سا ہے؟

6۔ مکہ مکرمہ کی تاریخ پر سب سے پہلی کتاب کس نے لکھی؟

7۔ مدینہ منورہ کی تاریخ پر پہلی کتاب کا مصنف کون ہے؟

8۔ تاریخ الرسل والملوک کس کی تصنیف ہے؟

9۔ قرآن کریم کے علاوہ سیرت کے دو مصادر و ماخذ تحریر کریں۔

10۔ یونیسکو UNESCO کی رپورٹ کے مطابق سب سے زیادہ کتابیں کس شخصیت پر شائع ہوئی ہیں؟

11۔ ذیل کے پہلے کالم میں کتاب اور دوسرے میں مصنف کا نام دیا گیا ہے۔ ہر کتاب کو اس کے مصنف کے نام کے سامنے درج کریں:

| | |
|---|---|
| O الکامل فی التاریخ | محمد بن عمر الواقدی |
| O البدایہ والنہایہ | قاضی عیاض بن موسیٰ |
| O انساب الاشراف | عبدالملک بن ہشام |
| O الطبقات الکبریٰ | اسماعیل بن عمر بن کثیر |
| O کتاب المغازی | محمد بن سعد |
| O السیرۃ النبویۃ | محمد بن یحییٰ ابن سیّد الناس |
| O الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ | حافظ محمد ابن قیّم الجوزیہ |
| O عیون الاثر | ابن اثیر |
| O زاد المعاد فی ہدی خیر العباد | محمد بن یحیٰی بلاذری |

# 5- کتب سیرت کے موضوعات و مشمولات

عام طور پر سیرت کی کتابوں میں جن موضوعات سے متعلق بحث کی جاتی ہے وہ حسب ذیل ہیں:

1- عرب کی حالت قبل از اسلام (عربوں کی مذہبی، معاشرتی حالت اور عادات، عربوں کی تاریخ مع جغرافیۂ عرب)

2- آنحضرت ﷺ کے خاندان اور قبیلہ کا ذکر اور ان سے متعلق واقعات۔

3- آنحضور ﷺ کی ولادت مبارکہ، بچپن، پرورش، جوانی، تجارت، شادی اور اس کے بعد قبل اعلان نبوت یعنی چالیس سال تک کی عمر کے حالات واقعات۔

4- وحی کی ابتداء، مکہ مکرمہ میں تبلیغ، ابتدائی مسلمان، کفار کی مخالفت واذیّت اور مکی دَور کی مشکلات کا بیان۔ ان میں ہجرت حبشہ، مقاطعہ قریش، سفر طائف اور بیعت عقبہ اور ہجرت مدینہ وغیرہ کی تفصیلات آتی ہیں۔

5- ہجرتِ مدینہ کے بعد کے واقعات، مسجدِ نبوی، مواخات، غزوات، مکتوبات نبوی، وفود کی آمد و رفت، فتح مکہ اور خطبہ حجۃ الوداع شامل ہیں۔

6- آپ ﷺ کے تبلیغی اور تنظیمی امور، اسلامی فتوحات اور غلبہ اسلام۔

7- آپ ﷺ کی بیماری اور وصال کے واقعات۔

8- آپ ﷺ کے فضائل ومحاسن، معجزات، خصوصیات وغیرہ کی تفصیل۔

# 6- جمع وتدوین سیرت کی مختصر تاریخ

رسول پاک ﷺ کی ذات گرامی ابتدائے نبوت سے ہی صحابہ کرام ؓ کی غیر معمولی توجہ کا مرکز تھی۔ صحابہ کرام ؓ باہم ایک دوسرے کے ذریعے سے آنحضرت ﷺ کے بارے میں اپنی معلومات میں اضافہ کرتے رہتے تھے۔ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملتا تھا تو وہ اس سے آنحضور ﷺ کے حالات دریافت کرتا اور وہ اس کے جواب میں کسی تازہ وحی یا آپ کے کسی تازہ فرمان یا کسی تازہ واقعے کا ذکر کرتا۔

نبی ﷺ کی ذات، آپؐ کی تعلیمات، آپؐ کے حالات وغیرہ کے بارے میں جملہ معلومات آپ ﷺ کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں صحابہ کرام ؓ کے پاس منتشر طور پر موجود تھیں۔ کسی صحابی کی معلومات زیادہ تھیں کسی کی کم۔ بعض کو ایک یا چند باتیں معلوم تھیں تو بعض کو دوسری۔ کسی بھی ایک صحابی کے پاس آپ ﷺ سے متعلق ہر طرح کی جامع معلومات نہیں تھیں اور نہ ایسا ہونا ممکن تھا۔ اس لیے کوئی ایک شخص ایسا نہیں تھا جو پورے تیئیس (23) سال ہر روز کے، پورے چوبیس گھنٹے آپ ﷺ کے ساتھ رہا ہو۔ کسی کو یہ موقع کم ملا کسی کو زیادہ۔ آپ ﷺ کے گھر کے اندر پیش آنے والے واقعات کے بارے میں آپؐ کی ازواجِ مطہرات ہی بہتر معلومات رکھتی تھیں۔ کسی خاص جنگ کے واقعات کو اس جنگ میں شرکت کرنے والے بہتر جانتے تھے۔ اس تمام علم کو یکجا کرنے کی صورت یہ تھی کہ تمام صحابہ سے حاصل ہونے والی جملہ معلومات ایک جگہ جمع کر دی جائیں۔

آپ ﷺ کے وصال کے بعد جوں جوں زمانہ گزرتا گیا آپ کے پیروکاروں کے دل میں اپنے ہادی اور پیشوا کی ذاتِ مبارک، آپ ﷺ کے اخلاق و عادات اور آپ ﷺ کی زندگی سے متعلق باتیں دریافت کرنے کا شوق بڑھتا چلا گیا۔ اس شوق و جستجو سے رفتہ رفتہ لوگوں کے پاس روایات کا ایک وسیع ذخیرہ جمع ہونا شروع ہو گیا۔ صحابہ کرام ؓ کے بعد آنے والی نسل یعنی تابعین کے دَور میں صحابہ کرام ؓ کے ذریعے سے حاصل ہونے والی معلومات اکٹھی کرنے کا کام شروع ہوا ہی تھا کہ اب اس کے ساتھ علوم میں مہارت کی تقسیم (Specialization) کے کام کا بھی آغاز ہو گیا۔ مثلاً ایک تابعی مختلف صحابہ کرام ؓ سے حضور ﷺ کی صرف عام احادیث (وعظ، تقریر، نصائح) سن کر لکھ لیتا یا یاد کر لیتا۔ دوسرا تابعی مختلف صحابہ کرام ؓ سے آپ ﷺ کی جنگوں کے حالات اور دیگر واقعات دریافت کر کے لکھ لیتا۔ اس طرح ایک ایک تابعی کے پاس دسیوں بیسیوں صحابہ کرام ؓ کے ذریعے سے حاصل ہونے والی معلومات جمع ہوتی گئیں۔ فتوحات

کے باعث صحابہ کرامؓ ایران، عراق، شام اور مصر وغیرہ میں پھیل گئے تھے چنانچہ صحابہ کرامؓ سے معلومات جمع کرنے کا کام ان تمام علاقوں اور ان کے اہم مقامات پر بھی جاری رہا۔

تابعین کے بعد اگلی آنے والی نسل (تبع تابعین) کو اب یہ موقع ملا کہ وہ متعدد تابعین سے ان کے پاس جمع شدہ اور متعدد صحابہ کرامؓ سے حاصل کردہ معلومات یکجا کر سکتے تھے۔ آپ یوں سمجھئے کہ مثلاً ایک تابعی کے پاس بیس صحابہ کرامؓ سے حاصل شدہ معلومات ہیں، دوسرے کے پاس تیس صحابہ کرامؓ سے حاصل کردہ ذخیرہ معلومات ہے اور تیسرے کے پاس پچاس صحابہ کرامؓ سے حاصل کردہ علم ہے۔ اگر ایک تبع تابعی ان تینوں تابعین سے یہ علم حاصل کر لے تو گویا اس کے پاس ایک سو صحابہ کرامؓ سے حاصل ہونے والا علم جمع ہو گیا۔

اس طرح ہزاروں صحابہ کرامؓ کا علم سینکڑوں تابعین کے پاس اور سینکڑوں تابعین کا علم بیسیوں تبع تابعین کے پاس جمع ہوتا گیا۔ اسی انداز پر تدوین سیرت کا کام بھی کچھ یوں شروع ہوا کہ جب مسلمانوں نے اپنے ہادیٔ برحقؐ کے اقوال و افعال اور احوال کو اختیار کیا اور تفصیل سے جمع اور محفوظ کرنے کا کام شروع کیا تو بعض بزرگوں نے صرف واقعات سیرت سے متعلق مواد جمع کرنے کو ہی اپنا دینی اور علمی مشغلہ اور میدان اختصاص بنا لیا اور اس فن میں خاصی شہرت پائی۔ تابعین اور تبع تابعین میں سے جن لوگوں نے سیرت و مغازی پر مواد جمع کیا اور ابتدائی کتابیں لکھیں جن کا ذکر بعد کی لکھی ہوئی کتابوں میں ملتا ہے، ان میں سے چند ایک مشہور لوگوں کے نام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

1۔ عروہ بن الزبیر (92ھ)
2۔ ابان بن عثمانؓ بن عفان (105ھ)
3۔ شعبی (109ھ)
4۔ وہب بن منبہ (114ھ)
5۔ عاصم بن عمر بن قتادہ (121ھ)
6۔ شرحبیل بن سعد (123ھ)
7۔ ابن شہاب الزہری (124ھ)
8۔ یعقوب بن عتبہ ثقفی (128ھ)
9۔ عبداللہ بن ابی بکر بن حزم (125ھ)
10۔ موسیٰ بن عقبہ (141ھ)
11۔ ہشام بن عروۃ بن الزبیر (146ھ)
12۔ محمد بن اسحاق (150ھ)
13۔ معمر بن راشد (152ھ)
14۔ ابو معشر نجیح المدنی (170ھ)

15۔ زیاد بن عبداللہ البکائی (173ھ)
16۔ یحییٰ بن سعید بن ابان (194ھ)
17۔ یونس بن بکیر (199ھ)
18۔ محمد بن عمر الواقدی (207ھ)
19۔ عبدالملک بن ہشام (213/18ھ)
20۔ محمد بن سعید (230ھ)
21۔ ابوبکر احمد البغدادی (277ھ)

ناموں کی یہ فہرست ہم نے اس لیے نہیں دی کہ آپ انہیں زبانی یاد کریں بلکہ اس میں جو بات خاص طور پر قابل غور ہے، وہ یہ کہ آپ ذرا سنین وفات پر نظر ڈال لیے۔93ھ سے 299ھ تک یعنی پہلی صدی ہجری سے تیسری صدی ہجری تک کا زمانہ اس میں شامل ہے۔آپ اس سے دیکھ سکتے ہیں کہ سیرت نگاری کا عمل کس طرح تسلسل سے جاری رہا۔

سیرت کی جمع و تدوین کا کام تیسری صدی کے آخر تک مکمل ہوا۔ٹھیک اسی طرح اس زمانے تک تفسیر، حدیث اور پہلی چار صدیوں کی تاریخ کی تدوین بھی مکمل ہوئی۔

اس کے بعد اب تک مختلف زبانوں میں سیرت پر تالیف و تصنیف کا کام مسلسل جاری ہے۔بعض لوگ سیرت کے نایاب قلمی اجزاء ڈھونڈ کر شائع کروانے کا کام کر رہے ہیں ۔بعض نے جامع کتابیں لکھی ہیں اور بعض نے مشہور ضخیم کتابوں کے خلاصے تیار کئے ہیں۔بعض مشہور کتب سیرت کے ترجمے ایک زبان سے دوسری زبانوں میں کر رہے ہیں۔ غرض رسول اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ کے مختلف پہلوؤں پر مسلسل کتابیں ، مقالہ جات اور انسائیکلو پیڈیاز مرتب کیے جا رہے ہیں

# 7- فارسی اور اردو میں کتبِ سیرت ﷺ

سیرت پاک پر دنیا بھر کی مختلف زبانوں میں اتنی کتب لکھی جا چکی ہیں اور مزید لکھی جارہی ہیں کہ ان سب کا شمار آسان نہیں ہے۔ دنیا کی جو زبان بھی مسلمان بولتے اور سمجھتے ہیں، ان سب میں سیرت طیبہ پر چند ایک نہیں بلکہ متعدد کتابیں موجود ہیں۔ مسلمانوں کے علاوہ اس ذخیرے میں اضافے کا سبب خصوصاً گزشتہ دو صدیوں تک غیر مسلم بھی رہے۔

ابتدائی کتبِ سیرت عربی میں ہی تھیں۔ دیگر زبانوں میں لکھی گئی کتب سیرت کے ماٰخذ تو ظاہر ہے کہ اصل عربی تصانیف ہی ہیں۔ بعض غیر عربی کتابیں کسی عربی کتاب کا ترجمہ ہوتی ہیں اور اکثر مستقل تالیف بھی ہوتی ہیں۔ عربی زبان کے بعد سب سے پہلے دوسرے اسلامی ادب کی طرح، سیرت کی کتابیں بھی فارسی میں لکھی گئیں۔ ابتداء تراجم سے ہی ہوئی۔ ابوبکر سعد زنگی کے زمانے میں سیرت ابن اسحاق کا فارسی زبان میں ترجمہ ہوا۔ فارسی زبان میں کتب سیرت کے مولفین میں صرف ایران وافغانستان کے لوگ نہیں بلکہ برصغیر پاک وہند کے بڑے بڑے نامور اہل علم کا بھی اس میں بڑا حصہ ہے۔ مثلاً شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ (1082ھ/1526م) کی مدارج النبوۃ غالباً فارسی زبان کی سب سے ضخیم اور جامع کتاب سیرت ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی (وفات 1762ھ) کی ''سرور المحزون'' اور ''اطیب النغم'' مختصر مگر وقیع کتابیں ہیں۔

عربی فارسی کے علاوہ دنیائے اسلام کی معروف زبانوں میں سے ترکی اور اردو قابل ذکر ہیں۔ گزشتہ دو صدیوں میں خصوصاً یورپی زبانوں (انگریزی، فرانسیسی، جرمن، اطالوی اور اسپینی وغیرہ) افریقیائی زبانوں (سواحلی، حوسا، بربایا وغیرہ) اور دیگر ایشائی زبانوں (چینی، جاپانی، انڈونیشی اور ہندی گجراتی وغیرہ) میں بھی کتب سیرت لکھی گئی ہیں اور یہ کام تاحال جاری ہے۔ پاکستان میں مقامی زبانوں مثلاً پنجابی، پشتو، بلوچی، براہوی، سندھی، کشمیری اور ہندکو وغیرہ میں بھی سیرت کی کتب لکھی جا چکی ہیں۔

# 8- مستشرقین

مسلمانوں کے لیے تو مطالعہ سیرت ایک اہم دینی فریضہ ہے لیکن غیر مسلم بھی مطالعہ سیرت کی ضرورت محسوس کرتے ہیں البتہ ہر ایک کے مطالعے کی غرض وغایت جدا جدا ہے۔ غیر مسلم اہل علم کا سیرتِ نبوی پر توجہ دینا دو وجہ سے ہے:

اولاً اس لیے کہ وہ اس جلیل القدر داعی دین کے حالات زندگی معلوم کرنا چاہتے ہیں جس کی تعلیم نے 23 برس کی قلیل مدت میں دنیا میں ایک ایسا انقلاب برپا کیا جس کی تاریخ میں کہیں مثال نہیں ملتی اور جس داعی نے عرب قوم کی ناگفتہ بہ حالت کی کایا ہی پلٹ دی اور ایک ایسی امت تیار کر دی جس کے شاندار کارنامے مؤرخین عالم کے لیے نہایت دلچسپ اور موجب صد حیرت ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے مطالعۂ سیرت ایک علمی مشغلہ ہے۔

ثانیاً اکثر غیر مسلم، اسلام اور پیغمبر اسلام (ﷺ) کے خلاف اپنے بغض و عناد کے اظہار کے لیے بھی مطالعۂ سیرت کو ذریعہ بناتے اور واقعات کو توڑ مروڑ کر اپنے زہریلے ڈنگ چلانے کے مواقع تلاش کرتے ہیں۔ اس طرح وہ خود گمراہ ہوتے اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔

مستشرق (Orientalist) اس شخص کو کہا جاتا ہے جو مشرقی زبانوں، علوم وفنون، آداب وثقافت اور تہذیب و تمدن میں دلچسپی رکھتا ہو چونکہ بیشتر مستشرقین نے اسلام سے متعلق مباحث کو تحقیقات کا موضوع بنایا ہے اس لیے مستشرقین زیادہ تر غیر مسلم اہل قلم کو کہا جاتا ہے۔ اکثر مستشرقین کا تعلق یہودیت یا عیسائیت سے رہا ہے اس لیے اسلام کے بارے میں ان کی تحریروں میں اسلام دُشمنی کی جھلک عام نظر آتی ہے ان کے کام کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق اسلام کے خلاف کام کیا ہے اور اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں بے بنیاد شکوک وشبہات بڑی چابکدستی سے دُنیا میں پھیلائے ہیں۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ اسلام دُشمنی کا یہ مظاہرہ علمی تحقیق کے نام پر کیا گیا ہے۔ مستشرقین نے اپنی تحریروں کے ذریعے

1- اسلام اور اس کی تعلیمات کو غلط طور پر پیش کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ یہ زمانے کے تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتیں۔

2- قدیم تہذیبوں کو پھر سے زندہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ یہ تہذیبیں اسلامی تہذیب وتمدن کے لیے چیلنج بن سکیں اور مسلمان اسلام کی بجائے اپنی قدیم تہذیبوں پر فخر کرنے لگیں۔

3- عربی زبان کے لیے کہا گیا ہے کہ قرآنی عربی عہد جدید کی ضروریات سے مطابقت نہیں رکھتی اس لیے مقامی زبانوں اور قدیم مردہ زبانوں کو آگے بڑھانا چاہیے۔

## 8.1۔ مستشرقین کی تحریک اور اس کا پس منظر

### 8.1.1۔جان و مشق

مستشرقین نے اسلام کے خلاف جو علمی تحریک چلائی اور اسلام و پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف جو سازش علم کے نام پر کی، آپ اس کا پس منظر اور اس کی وجوہات کے بارے میں بھی جاننا چاہیں گے۔ مستشرقین کی تحریک اور اس کے پس منظر کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

اسلام کے ساتھ یہودیوں اور عیسائیوں کی دُشمنی تو روزِ اوّل ہی سے شروع ہوگئی تھی۔ اسلام کی سادہ تعلیمات نے بہت جلد لوگوں کے دل جیت لیے۔ پھر بہت سے عیسائی مقبوضات بھی اسلامی سلطنت کا حصہ بنے۔ مسلمانوں کی فوجی، سیاسی اور علمی قوت کے سامنے عیسائی دُنیا ایک مدت تک بے بس رہی۔ 1296ء سے 1906ء تک یورپ کے عیسائی متحد ہو کر دُنیائے اسلام کے ساتھ صلیبی جنگوں میں مصروف رہے لیکن وہ اپنے مقاصد میں ناکام رہے۔ محاذِ جنگ پر ناکام ہونے کے بعد یورپ نے اسلام کے خلاف علمی محاذ پر مقابلے کا آغاز کیا اور اس سرد جنگ کو اسلام کے خلاف پُر امن صلیبی جنگ کا نام دیا گیا۔ مستشرقین کی تحریک کا نقطۂ آغاز کا یہی زمانہ ہے۔ صلیبی جنگوں سے پہلے اہل یورپ اسلام کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔

ان جنگوں کے بعد بھی ان کی معلومات میں کچھ اضافہ نہیں ہوا اگر ہوا بھی ہو تو تعصب نے انہیں اندھا کر دیا تھا۔ اس لیے وہ اسلام کے بارے میں جو بے سروپا باتیں لکھ رہے تھے، ان کے متعلق ایک فرانسیسی مصنف اس طرح لکھتا ہے:

> ”وہ قدیم قصے اور گیت جو اسلام سے متعلق قرونِ وسطیٰ میں رائج تھے، ہم نہیں سمجھتے کہ مسلمان ان کو سن کر کیا کہیں گے؟ یہ تمام داستانیں اور نظمیں، مسلمانوں کے مذہب سے ناواقفیت کی وجہ سے بغض و عناد سے بھری پڑی ہیں جو غلطیاں اور بدگمانیاں اسلام کے متعلق آج تک قائم ہیں، ان کا باعث وہی قدیم معلومات ہیں۔ ہر مسیحی شاعر، مسلمانوں کو مشرک اور بت پرست سمجھتا تھا۔ ان کا

خیال تھا کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے مذہب کی بنیاد دعویٰ الوہیت پر قائم کی اور سب سے عجیب تر یہ ہے کہ محمد ﷺ جو بت شکن تھا لوگوں کو اپنے طلائی بت کی پرستش کی دعوت دیتا تھا۔''

اسلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قدر و منزلت میں کوئی کمی نہیں کی بلکہ کوئی شخص انہیں نبی مانے بغیر مسلمان نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید واضح طور پر گواہی دیتا ہے کہ'' حضرت مسیح اللہ کے پاکیزہ بندے اور نبی ہیں اور ان پر (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں قرآن کریم کی سورۃ مریم آیات 30 تا 36) اللہ کی کتاب نازل ہوئی ۔ وہ اپنی والدہ کے حق میں سرتاپا نیکی ہے، وہ سخت گیر اور بدبخت نہیں اس پر سلامتی ہو اس کے روزِ پیدائش سے لے کر یوم وفات تک اور جس دن اس کو حشر میں دوبارہ زندگی بخشی جائے''۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآنِ مجید کی ان باتوں پر مسلمان یقین کامل رکھتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام ہمیشہ ادب و تعظیم سے لیتا ہے لیکن رسول اکرم ﷺ کی ذات کے بارے میں عیسائیوں کا طرزِ عمل مسلمانوں سے بالکل مختلف رہا ہے۔

-1　حضور اکرم ﷺ سے متعلق جو کلمات ان کی زبان پر رہے یا جو کارٹون وہ بنا کر عام کر رہے ہیں انتہائی نازیبا اور ناحق ہیں ۔ انہیں کوئی مہذب انسان کسی ادنیٰ انسان کے لیے بھی استعمال نہیں کرتا۔ پہلے دَور کے مستشرقین دراصل عیسائی مشنری تھے جن کا مقصد عیسائیت کے مقابلے میں اسلام کو کمتر ثابت کرنا تھا۔ اس طرح وہ اسلام سے اپنی شکست کا بدلہ لینا چاہتے تھے کیونکہ ایک مدت تک تو عیسائیت اسلام کے غلبے سے سہمی رہی۔

جب انہیں سنبھلنے کا موقع ملا تو انہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف نیا محاذ کھولنے کا فیصلہ کیا جو کسی نہ کسی صورت میں آج بھی کھلا ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ اس کا آغاز کلیسا کے پادریوں نے کیا تھا اور بعد میں ان کی جگہ یونیورسٹی کے پروفیسروں اور غیر مسلم صحافیوں/ڈرامہ نگاروں اور آرٹسٹ نے لے لی ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اٹھارویں صدی عیسوی میں اہل قلم مستشرقین کے ساتھ مغربی ادیبوں، شاعروں، ڈرامہ نگار اور آرٹسٹس نے بھی اس میدان میں قدم رکھا اور اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف اپنی توانائیاں صرف کیں۔ ایک طرف انقلاب فرانس سے دنیا میں فرد کی آزادی اور اس کے حقوق کا دروازہ کھلا۔ انسانی حریت کے بڑے علمبرداروں اور مفکروں میں ایک والٹر بھی شامل ہے۔ اپنے ایک ڈرامے میں اس نام نہاد انسان دوست نے فخر انسانیت ﷺ کا مذاق اڑایا، اس نے اس ڈرامے میں اسلام کے خلاف انتہائی نفرت و حقارت کا اظہار کیا بلکہ یورپ کے ان تمام اہل قلم کی شدت سے مذمت کی جنھوں نے اسلام اور

آنحضرت ﷺ کے بارے میں نرمی کا رویہ اختیار کیا یا انصاف کا مطالبہ کیا۔اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دُنیا کے اس سب سے بڑے انسان دوست اور آزاد خیال مفکر نے اسلام کے بارے میں کتنی تنگ دلی کا مظاہرہ کیا۔اس سے پہلے اٹلی کا عظیم ترین شاعر دانتے بھی اپنی ڈیوائن کامیڈی میں رسولِ اکرم ﷺ کے بارے میں اس سے بھی زیادہ سنگین گستاخی کر چکا تھا۔

انیسویں اور بیسویں صدی یورپی استعمار کے عروج کا زمانہ ہے کہ جب ہر جگہ اور ہر میدان میں یورپ کی برتری کو تسلیم کیا گیا۔اس زمانے میں مستشرقین بھی ضرورت کے مطابق بہت بڑی تعداد میں سامنے آئے اور انہوں نے مختلف موضوعات پر تصانیف کے ڈھیر لگائے لیکن مستشرقین کے گروہ میں اس عہد میں متعصب لوگوں کے ساتھ ساتھ کچھ اعتدال پسند لوگ بھی دیکھنے میں آئے جنہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں قدرے نرم اور معقول رویہ اپنایا۔ان میں جرمن شاعر گوئٹے اور انگریز ادیب کارلائل کی کاوشیں قابل قدر ہیں۔گوئٹے نے حضور اکرم ﷺ کی زندگی پر ایک ڈرامہ لکھنے کا منصوبہ بنایا تھا اور اس کا کچھ حصہ لکھا بھی تھا لیکن وہ اسے مکمل نہ کر سکا۔اس کے لکھے ہوئے حصے کی ایک نظم ''نغمہ محمد ﷺ'' بہت مشہور ہے۔اقبال نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا اور یہ ''پیام مشرق'' میں شامل ہے۔

کارلائل نے اپنی معروف کتاب (Heros and Heros'worship) میں حضورِ اکرم ﷺ پر جو مضمون لکھا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

انیسویں اور بیسویں صدی میں مستشرقین نے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں اگرچہ اپنے رویے میں تبدیلی پیدا کی۔ان کے بغض وعداوت میں وہ پہلی سی شدت نہیں رہی لیکن جب بھی انہیں موقع ملتا ہے وہ اس کا اظہار کیے بغیر نہیں رہتے۔سرولیم میور کی انگریزی کتاب ''دی لائف آف محمد ﷺ'' 1858ء__1861ء میں چار جلدوں میں لندن سے شائع ہوئی۔سرسید احمد خاں نے اس زہرناک کتاب کا جواب ''خطباتِ احمدیہ'' کے نام سے لکھا۔

بیسویں صدی میں مستشرقین کی تحریک میں وہ شدت باقی نہیں رہی۔ان میں سے بعض کو خداوند کریم نے مسلمان ہونے کی بھی توفیق دی مسلمان ہونے والے مستشرقین میں مارٹن لنگز (Martin Lings)، شون (Schun) اور حامد الگر قابل ذکر ہیں۔مارٹن لنگز نے سیرت رسول ﷺ پر ایک ضخیم کتاب بھی لکھی ہے جو 1983ء میں لندن میں شائع ہوئی۔بیشتر اسلامی ممالک اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنی آزادی دوبارہ حاصل کر چکے ہیں یورپی استعمار کی پالیسی بھی بدل گئی ہے اس تبدیلی کا اثر مستشرقین کے رویے پر بھی پڑا ہے۔اب یہ اکثر ممالک میں وزارتِ خارجہ کے پالیسی سازوں کو مشورے دیتے ہیں۔

یہ ممالک اب بھی مستشرقین کو سیاسی مقصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔

مستشرقین کے نقطۂ نظر میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلی ضرور آ گئی ہے لیکن انہوں نے اسلام دُشمنی کا رویہ ترک نہیں کیا۔ تاریخ و سیرت کے ساتھ جو زیادتیاں انہیں کرنی تھیں وہ کر چکے اب وہ نفسیات اور دیگر سماجی علوم کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کر کے عجیب و غریب نتائج نکال رہے ہیں۔ کبھی آپ ﷺ کو پیغمبر کی بجائے صرف ایک سیاسی و سماجی مصلح سمجھا جاتا ہے اور کبھی تو کھلم کھلا رائے کی آزادی کے نام پر غلیظ تحریریں اور گستاخانہ خاکے وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔

## 8.2۔ اعتراضات

مستشرقین نے آنحضرت ﷺ کی سیرت پر جو کتابیں تصنیف کی ہیں ان میں جس قسم کے اعتراضات انہوں نے اٹھائے ہیں، ان کی تفصیل میں جانا ممکن ہے، نہ مناسب۔ ایک مسلمان کے لیے ان کو لکھنا اور دوسرے کے لیے انہیں پڑھنا ذوقِ ایمانی کے خلاف معلوم ہوتا ہے اور لکھنے اور پڑھنے والے دونوں کو آزمائش میں ڈالنا ہے اس لیے ہم ان کے سب اعتراضات کو یہاں نقل نہیں کر سکتے لیکن ان کی نوعیت سے آپ کو آگاہ کرنے کے لیے چند ایک کا ذکر ضروری ہے۔ بعض اتنے مضحکہ خیز ہیں کہ آپ انہیں پڑھ کر اہل یورپ کے بغض و تعصب کا اندازہ پہلی نظر میں ہی کر لیں گے۔ مولانا شبلی نعمانی مرحوم نے اپنی کتاب ''سیرت النبی ﷺ'' میں مستشرقین کی ان نکتہ چینیوں کا خلاصہ ان لفظوں میں پیش کیا ہے:

1- آنحضرت ﷺ کی زندگی مکہ معظمہ تک پیغمبرانہ زندگی ہے لیکن مدینہ منورہ جا کر جب زور و قوت حاصل ہوتی ہے تو دفعتاً پیغمبری بادشاہی سے بدل جاتی ہے اور اس کے جو لوازم ہیں یعنی لشکر کشی، قتل، انتقام، خون ریزی خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔

2- پیغمبر اسلام نے شادیاں زیادہ کیں۔

3- مذہب کی اشاعت، جبر و زور سے کی۔

4- لونڈی غلام بنانے کی اجازت دی اور اس پر عمل کیا۔

5- دُنیاداری کی سی حکمت عملی اور بہانہ جوئی اختیار کی۔ (شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ)

مسلمان سیرت نگاروں نے ان اعتراضات کا تجزیہ کر کے ان کے جواب دیئے ہیں۔ پہلے اور پانچویں اعتراض کی نوعیت ایک جیسی ہے۔ عیسائیت دراصل ایک خانقاہی مذہب تھا انہوں نے انسان کی دُنیاوی زندگی سے کوئی سروکار نہیں رکھا تھا۔ اس کے مقابلے میں اسلام ایک دین ہے جو انسان کی دُنیاوی اور اخروی، روحانی و مادی زندگی دونوں پر حاوی ہے اس لیے اسے ایک مکمل ضابطہ حیات کہا جاتا ہے۔ اس میں دین و دُنیا دونوں آتے ہیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات اقدس میں پیغمبری اور حکمرانی کا جمع ہونا عیسائی علماء کے تصور میں نہیں آ سکتا۔ لیکن جنگ دامن میں جو صاف ستھری پالیسی خود حضور اکرم ﷺ نے اپنائی اسے دُنیادارانہ حکمت عملی و بہانہ جوئی قرار دینا انصاف کا منہ چڑانا ہے۔

6۔ ”مذہب کی اشاعت تلوار کے زور سے ہوئی“ یہ اعتراض بھی اہل یورپ کا پسندیدہ اعتراض ہے۔ مسلمان ممالک میں غیر مسلموں کا وجود کیسے باقی رہ گیا۔ سارا برصغیر تو مسلمانوں نے فتح کر لیا۔ سارے ہندوؤں کو مسلمان کیوں نہ بنایا جا سکا۔ پھر انڈونیشا اور ملائیشیاء میں مسلمانوں کی کون سی فوجی مہمات گئیں وہاں تو اسلام مسلمان تاجروں کی دیانتداری کے باعث پھیلا۔

7۔ اسلام لونڈی غلاموں کا رواج ختم نہیں کر سکا لیکن ان کے جو حقوق اسلام نے مقرر کیے وہ نام نہاد آزاد قومیں آزاد افراد کو نہیں دے سکیں۔ پھر حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں کتنے غلام آزاد کیے گئے۔

8۔ مسلمان سیرت نگاروں نے حضورِ اکرم ﷺ کی شادیوں پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور ہر ایک شادی کے پس منظر کو واضح کیا ہے اور اعتراضات کے جواب دیئے ہیں۔

## 8.3۔ مستشرقین کے اعترافات

اس میں کوئی شک نہیں کہ مستشرقین کی لکھی ہوئی سیرت کی بیشتر کتب ان کے بغض و عداوت سے بھری پڑی ہیں لیکن ان کتابوں میں کہیں کہیں حضور اکرم ﷺ کی عظمت کا اعتراف بھی نظر آتا ہے۔

رسولِ کریم ﷺ کی سیرت کے ایسے بے شمار پہلو ہیں جن سے کافر اور منکر بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے اور انہوں نے اس کا اظہار کیا ہے کچھ انصاف پسند اہل قلم نے کھلے دل سے حقیقت کا اعتراف بھی کیا ہے۔

آئندہ سطور میں مستشرقین کی تحریروں کے کچھ ایسے نمونے آپ کی نظر سے گزریں گے جن میں انہوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ (ان میں سے بیشتر اقتباسات ڈاکٹر نثار احمد صاحب کی تصنیف ''مستشرقین اور مطالعہ سیرت'' سے لیے گئے ہیں)۔

1- عہد حاضر کے ایک مصنف ڈاکٹر مائیکل ہارٹ نے تاریخ کی سو (100) عظیم شخصیات میں حضور اکرم ﷺ کو سب سے پہلے نمبر پر رکھا ہے اور وہ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ ''قارئین میں سے ممکن ہے کچھ لوگوں کو تعجب ہو کہ میں نے دُنیا جہاں کی مؤثر ترین شخصیات میں محمد ﷺ کو سرفہرست کیوں رکھا ہے اور مجھ سے اس کا جواز طلب کر سکتے ہیں حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں صرف وہی ایک ایسے انسان تھے، جو دینی اور دُنیاوی دونوں اعتبار سے غیر معمولی طور پر کامیاب، کامران اور سرفراز ٹھہرے۔''

2- آکسفورڈ کے معروف پروفیسر مارگولیتھ نے سیرت پر جو کتاب لکھی ہے اس میں ہر واقعے کو بگاڑ کر اپنی مرضی کے نتائج اخذ کرنے کی کوشش کی ہے تاہم وہ اپنی کتاب کے مقدمے میں یہ اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکا۔ ''محمد ﷺ کے سوانح نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا ناممکن ہے لیکن اس میں جگہ پانا قابل عزت ہے''

### 3۔ لامارٹن

''اگر مقصد کی عظمت، وسائل کی قلت اور حیرت انگیز نتائج، ان باتوں کو انسانی تعقل و تفکر کا معیار بلند مانا جائے تو کون ہے جو تاریخ کی کسی جدید یا قدیم شخصیت کو محمد ﷺ کے مقابل لانے کی ہمت کر سکے۔ لوگوں کی شہرت ہوئی کہ انہوں نے فوجیں بنا ڈالیں۔ قوانین وضع کرائے اور سلطنتیں قائم کر ڈالیں۔ لیکن غور طلب یہ ہے کہ انہوں نے حاصل کیا کیا؟ صرف مادی قوتوں کی جمع پونجی؟ وہ تو ان کی آنکھوں کے سامنے لٹ گئی۔ بس صرف یہی ایک آدمی ایسا ہے جس نے یہی نہیں کہ فوجوں کو مرتب کیا، قوانین وضع کیے اور مملکتیں، سلطنتیں قائم کیں بلکہ اس کی نظر کیمیا اثر نے لاکھوں متنفس ایسے پیدا کر دیئے جو اس وقت کی معلوم دُنیا کی ایک تہائی آبادی پر مشتمل تھے اور اس سے بھی آگے بڑھ کر، انہوں نے قربان گاہوں کو، خداؤں کو، دین و مذہب کے پیروکاروں کو، خیالات و افکار کو، عقائد و نظریات کو، بلکہ روحوں کو بدل ڈالا۔ پھر صرف ایک کتاب کی بنیاد پر، جس کا لکھا ہوا

ہر ہر لفظ قانون تھا، ایک ایسی روحانی اُمت کی تشکیل کر دی گئی، جس میں ہر زمانے، وطن، قومیت کا حامل فرد موجود تھا۔ وہ ہمارے سامنے مسلم قومیت کی ایک ناقابل فراموش خصوصیت یہ چھوڑ گئے کہ صرف ایک ان دیکھے خدا سے محبت، اور ہر معبود باطل سے نفرت۔"

## 4۔ باس ورتھ اسمتھ

یہ صحیح ہے کہ تاریخ کی روشنی میں ہم حیاتِ مسیح علیہ السلام کے کچھ واقعات دیکھ سکتے ہیں۔لیکن ان تیس سالوں سے کون پردہ اُٹھا سکتا ہے جو اُنہوں نے نبوت سے پہلے گزارے۔ جو کچھ ہم جانتے ہیں اس نے اگرچہ دُنیا کی معلومات میں کسی حد تک اضافہ کر دیا ہے اور آئندہ مزید انکشافات کی توقع ہے۔ تاہم ایک مثالی زندگی کون جانے کتنی قریب ہے کتنی دُور کتنی ممکن ہے اور کتنی ناممکن! ہم ابھی بہت کچھ نہیں جانتے۔ ہم ان کی ماں کے بارے میں، ان کی گھریلو زندگی کے بارے میں، ان کے ابتدائی دوست احباب اور ان کے تعلقات باہم کے بارے میں اور اس سلسلہ میں بھلا کیا جانتے ہیں کہ مسند نبوت پر بتدریج فائز ہوئے یا وحی پا کر یکدم، خدائی مشن کے حامل بن گئے؟ بہرحال کتنے ہی سوال ایسے ہیں جو ہم میں سے اکثر کے ذہنوں سے ٹکراتے ہیں مگر وہ بس سوالات ہیں جواب کے بغیر! البتہ محمد ﷺ کے معاملہ میں صورت یکسر مختلف ہے۔ یہاں ہمارے پاس اندھیروں کی بجائے تاریخ کی روشنی ہے۔

## 5۔ لیونارڈ

"عظیم۔ محض اس لیے ہیں کہ وہ ایک روحانی پیشوا تھے انہوں نے ایک عظیم ملت کو جنم دیا اور ایک عظیم سلطنت قائم فرمائی بلکہ ان سب سے آگے بڑھ کر یہ ایک عظیم عقیدہ کا پرچار کیا۔ مزید برآں اس لیے بھی (عظیم) تھے کہ وہ اپنے آپ سے بھی مخلص اور وفادار تھے، اپنے امتیوں سے بھی مخلص تھے اور اپنے اللہ تعالیٰ سے بھی مخلص و وفادار تھے۔ ان باتوں کو تسلیم کرتے ہوئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ اسلام ایک کامل، سچا مذہب ہے، جو اپنے ماننے والوں کو انسانیت کی تاریک گہرائیوں سے نکال کر نور وصداقت کی رفعتوں سے ہمکنار کرتا ہے۔"

## 6۔ گبن

"اسلام کے ذریعہ محمد ﷺ نے دس سال کے اندر ہی عربوں کی شدید ترین نفرتوں کو، انتقامی جذبات کو، مزاج و انتشار کو، رقابت و عداوت کو نکال پھینکا، لاقانونیت، عورتوں کی ذلت، سودخوری، شراب نوشی، قتل و غارت گری، دختر کشی کی رسومات قبیحہ کا استیصال کیا اور انسانی قربانیوں، سفیہانہ خیالات و توہمات اور مادیت واشیاء پرستی سے نجات دلائی۔ پھر اسی مذہب کے ذریعہ آسمانوں کی اس بادشاہت کو انہوں نے عملاً اس زمین پر قائم کردیا جس کی بشارت ذوق وشوق سے جناب مسیح نے دی تھی۔"

## خود آزمائی نمبر2

سوال نمبر:1 مندرجہ ذیل سوالوں کے مختصر جواب تحریر کریں۔

-1 کتب سیرت کن موضوعات پر مشتمل ہوتی ہیں؟ فہرست تیار کریں۔
-2 تابعین نے سیرت النبی ﷺ سے متعلق معلومات کو کیسے اکٹھا کیا؟
-3 مشہور تابعین سیرت نگاروں میں سے دس اہم کے نام تحریر کریں۔
-4 مستشرقین سے کیا مراد ہے؟
-5 کارلائل کی کتاب کا نام تحریر کریں۔

# 9- جوابات

## خود آزمائی نمبر 1

1- لغوی معنی: چل پڑنا، راستہ لینا، رویہ یا طریقہ اختیار کرنا۔ اصطلاح میں لفظ سیرت سے مراد محمد رسول اللہ ﷺ کے حالات زندگی اور اس سے متعلق پہلوؤں کا بیان ہے۔

2- مغازی و سِیَر سے مراد کتب سیرت ہیں۔

3- (i) سیرت محمد (ایف بوہل Buhl) (ii) آدھ گھنٹہ محمد کے ساتھ (والسٹن Wallaston)

4- اسلام کو سمجھنے کے لیے سیرت طیبہ کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

5- قرآن مجید۔

6- ابن الازرق نے

7- محمد بن الحسین بن زبالہ

8- محمد بن جریر طبری کی۔

9- (i) کتب حدیث (ii) تواریخ حرمین

10- محمد رسول اللہ ﷺ

11-

| | | |
|---|---|---|
| 1 | الکامل فی التاریخ | ابن اثیر |
| 2 | البدایہ والنہایہ | اسماعیل بن عمر بن کثیر |
| 3 | انساب الاشراف | محمد بن یحیٰی بلاذری |
| 4 | الطبقات الکبریٰ | محمد بن سعد |
| 5 | کتاب المغازی | محمد بن عمر الواقدی |

| | | |
|---|---|---|
| 6 | السیرۃ النبویۃ | عبدالملک بن ہشام |
| 7 | الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ | قاضی عیاض بن موسیٰ |
| 8 | عیون الاثر | محمد بن یحییٰ ابن سیّد الناس |
| 9 | زادالمعاد فی ہدی خیر العباد | حافظ محمد ابن قیم الجوزیہ |

## خود آزمائی نمبر 2

1۔ جواب صفحہ نمبر 20 پر ہے

2۔ صحابہ کرام ؓ کے بعد آگے آنے والی نسل یعنی تابعین کے دَور میں صحابہ کرام ؓ کے ذریعے سے حاصل ہونے والی معلومات اکٹھی کرنے کا کام شروع ہوا ہی تھا کہ اب اس کے ساتھ علوم میں مہارت کی تقسیم (Specialization) کے کام کا بھی آغاز ہو گیا۔ مثلاً ایک تابعی مختلف صحابہ کرام ؓ سے حضور ﷺ کی صرف عام احادیث (وعظ، تقریر، نصائح) سن کر لکھ لیتا یا یاد کر لیتا۔ دوسرا تابعی مختلف صحابہ کرام ؓ سے آپ ﷺ کی جنگوں کے حالات اور دیگر واقعات دریافت کر کے لکھ لیتا۔ اس طرح ایک ایک تابعی کے پاس دس بیس یا پچاس صحابہ کرام ؓ کے ذریعے سے حاصل ہونے والی معلومات جمع ہوتی گئیں۔

3۔ 1۔ عروہ بن الزبیر 2۔ ابان بن عثمان ؓ بن عفان 3۔ شعبی
4۔ وہب بن منبہ 5۔ عاصم بن عمر بن قتادہ 6۔ شرحبیل بن سعد
7۔ ابن شہاب الزہری 8۔ یعقوب بن عتبہ ثقفی 9۔ عبداللہ بن ابی بکر بن حزم
10۔ موسیٰ بن عقبہ

4۔ مستشرق (Orientalist) اس شخص کو کہا جاتا ہے جو مشرقی زبانوں، علوم و فنون، آداب و ثقافت اور تہذیب و تمدن میں دلچسپی رکھتا ہو۔

5۔ (Heros and Heros'worship)

یونٹ......2

# حیاتِ طیّبہ

# مکی دَور

# قبل بعثت تا ہجرت مدینہ

تحریر: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
پروفیسر ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی
ڈاکٹر شاہ معین الدین ہاشمی
نظر ثانی: محمد رفیق صادق

# فہرستِ مضامین


| | |
|---|---|
| یونٹ کا تعارف | 40 |
| یونٹ کے مقاصد | 42 |
| 1- پس منظرو پیش منظر | 43 |
| 1.1 بعثت نبوی کے وقت دنیا کے عام حالات | 43 |
| 1.2 جزیرہ نمائے عرب کا تاریخی اور جغرافیائی تعارف | 44 |
| 1.3 قبل از اسلام عربوں کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی، تمدنی اور سیاسی حالات | 45 |
| 1.4 دین ابراہیمی کے پیروکار | 46 |
| 1.5 خودآزمائی نمبر1 | 47 |
| 2- ولادت سے رضاعت تک | 48 |
| 2.1 نسب شریف | 48 |
| 2.2 والد کا انتقال | 48 |
| 2.3 اصحاب فیل کا واقعہ | 48 |
| 2.4 ولادت باسعادت | 50 |
| 2.5 خودآزمائی نمبر2 | 50 |
| 3- رضاعت سے عبدالمطلب کی کفالت تک | 51 |

| | |
|---|---|
| 3.1 رضاعت | 51 |
| 3.2 شق صدر | 52 |
| 3.3 والدہ کی وفات | 52 |
| 3.4 کفالت عبدالمطلب | 53 |
| 3.5 ابن ذی یزن کی پیش گوئی | 53 |
| 3.6 خود آزمائی نمبر3 | 55 |
| 4۔ ابوطالب کی کفالت | 56 |
| 4.1 شام کا پہلا سفر | 56 |
| 4.2 جنگ فجار | 57 |
| 4.3 حلف الفضول | 57 |
| 4.4 شام کا دوسرا سفر | 57 |
| 4.5 خود آزمائی نمبر4 | 58 |
| 5۔ شخصیت و کردار | 59 |
| 5.1 جاہلیت کی برائیوں سے دوری | 59 |
| 5.2 لقب صادق و امین | 59 |
| 5.3 اخلاق حسنہ | 60 |
| 5.4 سراپا | 60 |

| | |
|---|---|
| 5.5 خودآزمائی نمبر5 | 61 |
| 6- گھریلو اور معاشرتی زندگی کا آغاز | 62 |
| 6.1 حضرت خدیجہ سے نسبت و نکاح | 62 |
| 6.2 اولاد | 63 |
| 6.3 تعمیر کعبہ | 63 |
| 6.4 شہری اور معاشرتی زندگی | 64 |
| 6.5 خودآزمائی نمبر6 | 65 |
| 7- گوشہ نشینی اور بعثتِ نبوی | 66 |
| 7.1 غارِ حرا | 66 |
| 7.2 وحی کی ابتداء | 66 |
| 7.3 وحی کی ضرورت واہمیت | 67 |
| 7.4 پہلے پانچ مسلمان | 68 |
| 7.5 خاموش تبلیغ | 69 |
| 7.6 خودآزمائی نمبر7 | 70 |
| 8۔ابتدائی دعوت دین کے تین بنیادی نکات | 71 |
| 8.1۔ مخالفت اور ایذا رسانی | 71 |
| 8.2۔ صحابہ کرام کی تعذیب | 73 |
| 8.3۔ خودآزمائی نمبر8 | 75 |

| | |
|---|---|
| 9- ہجرتِ حبشہ | 76 |
| خودآزمائی نمبر9 | 78 |
| 10- مشکلات میں اضافہ | 79 |
| 10.1۔ قریش کی معاندانہ تدبیریں | 79 |
| 11- حضرت حمزہؓ کا قبول اسلام | 80 |
| 12- حضرت عمرؓ کا قبول اسلام | 81 |
| 13- بنوہاشم کا مقاطعہ | 82 |
| 13.1 شعب ابی طالب | 82 |
| 14- 10 نبوی کے تین اہم واقعات | 83 |
| 14.1۔عام الحزن | 83 |
| 14.2۔ سفر طائف | 83 |
| 14.3۔ واقعہ معراج | 84 |
| 15- بیعتِ عقبہ | 85 |
| 15.1۔ بیعتِ عقبہ اولیٰ | 85 |
| 15.2۔ بیعتِ عقبہ ثانیہ | 85 |
| 15.3 بیعتِ عقبہ ثالثہ | 86 |
| 15.4 بیعتِ عقبہ اور مقاصد نبویﷺ | 87 |
| 16- ہجرتِ مدینہ | 88 |
| خودآزمائی نمبر10 | 90 |
| 17- جوابات | 91 |

# یونٹ کا تعارف

حضور اکرم ﷺ کی زندگی کا کوئی پہلو تاریخ کی نظر سے اوجھل نہیں پوری زندگی سب کے سامنے ہے اور جو کچھ ہے وہ سب کے لئے کافی ہے۔ یہودیوں، عیسائیوں، ایرانیوں، ہندوؤں، بدھ مت سب کی مذہبی کتابوں میں آپ ﷺ کی آمد کا ذکر ہے۔ دنیا کی کوئی شخصیت اتنی جانی پہچانی اور روشن وتابناک نہیں جتنی آپ ﷺ کی شخصیت ہے، آپ ﷺ کی زندگی سارے جہان کے لئے نمونہ عمل ہے۔اس یونٹ میں آپ ﷺ کی مکی زندگی کی اہم معلومات کو بیان کیا گیا ہے۔

ان معلومات کو سولہ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

- پہلے حصے میں بعثت سے قبل دنیا کے عام حالات، جزیرہ عرب کا تاریخی وجغرافیائی تعارف، قبل اسلام عربوں کے اخلاقی، معاشرتی، سیاسی اور تمدنی حالات، ولادت کے وقت مکے کے حالات اور دین ابراہیمی کے متلاشیوں کا ذکر ہے۔
- دوسرے حصے میں آپ ﷺ کا نسب شریف، والد کے انتقال، اصحاب فیل کے واقعے اور آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کا ذکر ہے۔
- تیسرے حصے میں آپ ﷺ کی رضاعت، بچپن، شق صدر، والد کی وفات، دادا عبدالمطلب کی کفالت اور ابن ذی یزن کی پیش گوئی اور مبارک باد کا ذکر ہے۔
- چوتھے حصے میں چچا ابو طالب کی کفالت، شام کے پہلے سفر، بحیرہ راہب کی پیش گوئی، جنگ فجار، حلف الفضول، شام کے دوسرے سفر اور نسطورا راہب کی پیش گوئی کا ذکر ہے۔
- پانچویں حصے میں آپ ﷺ کی شخصیت کا تعارف کرایا گیا ہے، جاہلیت کی برائیوں سے آپ ﷺ کی بیزاری، آپ ﷺ کو امین کے لقب سے یاد کرنے، آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ اور آپ ﷺ کے حلیۂ مبارک اور شکل وشمائل کا ذکر ہے۔
- چھٹے حصے میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کی نسبت، نکاح مبارک، تعمیر کعبہ، اولاد، زندگی کے عام مشاغل اور آپ ﷺ کی سماجی ومعاشرتی زندگی کا ذکر ہے
- ساتویں حصے میں آپ ﷺ کی گوشہ نشینی، غار حرا میں شب وروز گزارنے، سچے خوابوں، وحی کی ابتدا، نزول قرآن، وحی کی اہمیت اور خاموش تبلیغ کا ذکر ہے۔

- آٹھویں حصے میں دعوت دین کا آغاز اور مخالفین کی ایذا رسانیوں کا ذکر ہے۔
- نویں حصے میں ہجرت حبشہ کا ذکر ہے۔
- دسویں حصے میں اسلام کی ابتدائی مشکلات بالخصوص مشرکین مکہ کی معاندانہ تدبیروں کا ذکر ہے۔
- گیارہویں حصے میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا ذکر ہے۔
- بارہویں حصے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا ذکر ہے۔
- تیرہویں حصے میں بنو ہاشم کے ساتھ اہل مکہ کے مقاطعہ کا ذکر ہے۔
- چودہویں حصے میں سن 10 نبوی کے اہم واقعات کا ذکر ہے۔
- پندرہویں حصے میں بیعت عقبہ اولیٰ، بیعت عقبہ ثانیہ اور بیعت عقبہ ثالثہ کا ذکر ہے۔
- سولہویں حصے میں ہجرت مدینہ کا بیان ہے۔

# یونٹ کے مقاصد

ہمیں اُمید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1- حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے قبل دنیا، بالخصوص جزیرہ نمائے عرب کے حالات بیان کر سکیں۔

2- حضور اکرم ﷺ کے خاندان، جائے پیدائش، تاریخ پیدائش اور آپ ﷺ کی پیدائش سے قبل مشہور تاریخی واقعات پر روشنی ڈال سکیں۔

3- حضور اکرم ﷺ کے ایام زندگی، آپ ﷺ کی یتیمی، دادا اور چچا کی کفالت، شام کے اسفار اور راہبوں کی پیش گوئیوں کی تفصیلات پر بحث کر سکیں۔

4- آپ ﷺ کی پاکیزہ اور بے داغ شخصیت کی اہم خصوصیات اور آپ ﷺ کی ازدواجی اور معاشرتی زندگی کی تفصیلات قلمبند کر سکیں۔

5- آپ ﷺ کا غار حرا میں جانا، اچانک وحی کا نازل ہونا، اللہ کا پیغام لے کر آپ ﷺ کا دنیا کے سامنے ظاہر ہونا، تبلیغ دین کرنا، ان سب موضوعات پر اپنے الفاظ میں اظہار خیال کر سکیں۔

6۔ اسلام پر ثابت قدم رہنے اور اسلام کی تبلیغ و دعوت کی راہ میں اوّلین مسلمانوں کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے، ان کا جائزہ لے سکیں اور ان کے عزم و استقلال کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنا کر عمل کی کوشش کر سکیں۔

7- اس بات پر اپنا یقین مستحکم کر سکیں کہ حالات خواہ کتنے ہی سنگین اور اسباب کتنے ہی ناموافق ہوں، اگر آدمی حق و صداقت پر مبنی انقلاب برپا کرنے کا عزم لے کر نکلے تو کامیابی بڑھ کر استقبال کرتی ہے۔

8- ابتداء اسلام میں پیش آنے والے اہم واقعات مثلاً سفر طائف، واقعہ معراج، بیعت عقبہ سے متعلق تفصیلات معلوم کر سکیں ۔

9۔ ہجرت مدینہ سے متعلق معلومات حاصل کر سکیں۔

# 1- پس منظر وپیش منظر

زمانے میں انقلاب آتے رہتے ہیں، کبھی تاریکیاں پھیلتی ہیں تو کبھی روشنیاں پھوٹتی ہیں حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل دنیا کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی، سیاسی، تمدنی اور مذہبی حالات بے حد خراب تھے۔ سارے عالم کے لئے حضور اکرم ﷺ کی بعثت اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ دنیا کے عام حالات اچھے نہ تھے اور ایک عالم گیر مصلح کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔ برائی جب محدود ہوتی ہے تو اسی محدود علاقے کے لئے مصلح کی ضرورت ہوتی ہے لیکن جب وہ عام ہوجائے تو پھر ایسے مصلح کی ضرورت ہوتی ہے جس کے پاس کُل عالم کے درد کا مداوا ہو۔ حضور اکرم ﷺ دنیا کے تمام انسانوں کے لئے ہادی ورہبر بن کر تشریف لائے۔

## 1.1 بعثتِ نبوی ﷺ سے قبل دنیا کے عام حالات

چین اپنے مذہبی رہنما کنفیوشس کے زیر اثر پھلا پھولا پھر وہاں بہت سے نشیب وفراز آتے گئے بعثت نبویؐ سے قبل وہاں کے حالات بھی دگرگوں ہوگئے اور ترقی کی راہیں مسدود ہوگئیں۔ ہزار سال قبل مسیح ہندوستان میں آریہ قبائل آئے جن کے زیر اثر ہندوستان میں ذات پات کی تقسیم،سینکڑوں دیوتاؤں کی پرستش، ترکِ دنیا جیسے نظریات اجتماعی زندگی کے فروغ کے قابل نہیں رہے تھے۔ گوتم بدھ نے برہموں کے خلاف آواز اٹھائی اور ایک نئے دین کی بنیاد ڈالی۔ یہ مذہب چند صدی پھولا پھلا پھر ہندوستان سے نکال دیا گیا اور افراتفری کا شکار ہوگیا۔ ترکستان کا حال بھی اچھا نہ تھا یہاں کوئی تمدن نہ تھا،خود غرضی کے سوا انسانیت کی خدمت کے لئے کوئی بلند نظریہ نہ تھا۔ یونان تو کبھی کا ختم ہو چکا تھا۔ اس کی جگہ یورپ میں رومی حکومت قائم ہوگئی تھی مگر جب یہ مغربی اور مشرقی دو حصوں میں بٹ گئی تو مغربی رومیوں پر جرمنی وغیرہ وحشی قبائل ٹوٹ پڑے اور پایۂ تخت روما کے مالک بن گئے۔ عیسائیت قبول کی تو غیر عیسائیوں کو کہیں کا نہ چھوڑا، ادھر مشرقی رومی حکومت ہمسایہ ایرانیوں کے ساتھ صدیوں تک لڑتی رہی۔

عہد نبویؐ کے ابتدائی زمانے میں ایرانیوں نے اپنے حریفوں سے مصر، شام وغیرہ تک چھین لئے تھے مگر قرآن حکیم نے رومیوں کے غلبے کا اعلان کیا اور 6 ہجری میں رومی شہنشاہ ہرقل نے ایرانیوں کو ایسی فیصلہ کن شکست دی کہ ان کا سیاسی استحکام ختم ہوگیا اور ایران مدت تک سنبھل ہی نہ سکا مگر رومی بھی اس فتح سے کوئی فائدہ حاصل نہ کرسکے۔ فرقہ بندیوں نے

ان کی اجتماعیت کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا تھا چنانچہ ایران اور رومی حکومتیں بالآخر اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئیں۔حبش بھی خاصا بڑا علاقہ تھا، اس نے ایرانیوں سے یمن چھین لیا تھا مگر جب بعثت نبوی ﷺ سے کچھ قبل وہاں کے حکمرانوں نے کعبہ کو گرانے کا ارادہ کیا تو عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے پھر جلد ہی ان کی حکومت عرب اور حبش دونوں علاقوں میں بیکار و معطل ہو کر رہ گئی۔الغرض اس زمانے میں جدھر دیکھئے دنیا میں تباہی اور فتنہ و فساد ہی نظر آتا ہے۔ ہر علاقہ اپنے غم میں مبتلا تھا، دوسرے کے غم میں کیسے شریک ہوتا۔

## 1.2 جزیرہ نمائے عرب کا تاریخی اور جغرافیائی تعارف

عرب اسلام کا سرچشمہ اور اسلام کا گہوارہ رہا ہے اس لئے خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کی نظر میں اس کا بڑا وقار اور بڑی عظمت ہے۔عرب کے معنی زبان دانی کے بھی ہیں اور دشت و صحرا کے بھی۔عربوں کو اپنی زبان دانی پر بڑا ناز تھا اس لئے بھی یہ علاقہ عرب ٹھہرا اس کا بڑا حصہ دشت و صحرا پر مشتمل ہے اس لئے بھی اس کو عرب کہا گیا۔

براعظم ایشیا یورپ اور افریقہ میں جزیرہ نمائے عرب کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔عرب ممالک براعظم ایشیا کے جنوب مغربی سمت ایک جزیرے کی صورت میں واقع ہیں۔شمال میں شام و فلسطین اور جزیرے کے علاقے ہیں جنوب میں خلیج عدن اور بحیرہ ہند، مشرق میں خلیج عمان اور خلیج فارس ہیں۔مغرب میں خلیج عرب اور تنگنائے باب المندب، بحیرہ اور نہر سویز ہیں۔ جزیرہ نمائے عرب کا رقبہ دس لاکھ مربع میل ہے جس کا سب سے زیادہ فاصلہ عقبہ سے عدن تک چودہ سو(1400) میل طویل ہے۔ یہاں کا موسم گرم اور آبادی اتنی زیادہ نہیں۔عرب کے مشہور علاقوں میں یمن، حجاز، تہامہ، نجد، یمامہ اور بحرین قابل ذکر ہیں۔

ملک حجاز یمن کے شمال میں بحیرہ احمر کے مشرقی سمت واقع ہے اور خلیج عقبہ تک پھیلا ہوا ہے اور نجد اور تہامہ کے درمیان واقع ہے اس لئے اس کو حجاز کہا گیا۔مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ حجاز ہی میں ہیں طائف سرسبز شاداب شہر ہے جو مکہ معظمہ کے مشرق میں واقع ہے۔ حجاز کے مشہور شہروں میں خیبر بھی ہے جو مدینہ کے شمال مشرق میں واقع ہے اور جدہ، ساحل حجاز پر مکہ معظمہ سے 76 کلومیٹر پر واقع ہے۔تہامہ، بحیرہ احمر کے ساحل پر جنوبی یمن اور شمالی حجاز کے درمیان واقع ہے۔نجد شام کے جنوب، عراق کے مغرب، حجاز کے مشرق اور یمامہ کے شمال میں واقع ہے۔ یمامہ ،نجد اور یمن کے درمیان واقع ہے یہ مشرق میں بحرین سے اور مغرب میں حجاز سے جا ملتا ہے۔

الغرض عرب کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے اور یہ مرکز بھی ایسا کہ ایشیا میں ہوتے ہوئے بھی وہاں سے افریقہ، یورپ بہت قریب ہیں، خاص کر ان دونوں براعظموں کے ماضی کے متمدن ترین علاقے یونان، مصر اور روما۔

## 1.3 قبل اسلام عربوں کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی، تمدنی اور سیاسی حالات

مکہ معظمہ ایک بنجر زمین تھی اور چاروں طرف بلند پہاڑیوں سے گھری ہوئی تھی اسی لئے رومی، ایرانی اور حبشی بادشاہوں کی کوشش کے باوجود یہ خطہ ان کے قبضے میں نہ جاسکا اور اہل مکہ کی مختصری مملکت آزاد وخودمختار رہی۔ یہاں مختلف زمانوں میں مختلف قبائل کی حکومت رہی، ولادت نبوی ﷺ سے قبل یہاں قریش کو سرفرازی وسرداری حاصل تھی مختلف فرائض مختلف قبائل کے سپرد تھے گویا کوئی بادشاہ نہ تھا، سب وزیر تھے اہل مکہ نے آس پاس کے قبائل سے معاہدے بھی کر رکھے تھے جو فوجی اور تجارتی لحاظ سے اہم تھے۔

مکہ معظمہ میں لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا، گنتی کے آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے شعر وشاعری سے خوب لگاؤ تھا اور زبان دانی پر بڑا غرور تھا، وہ قوت حافظہ سے زیادہ کام لیتے ان کا حافظہ بلا کا تھا۔مکہ معظمہ کی زمین بنجر تھی اس لئے یہاں صنعت وحرفت نہیں تھی، یہاں کے اکثر لوگ تجارت پیشہ تھے اور دُور دراز علاقوں سے تجارت کیا کرتے تھے۔ یہی تجارت ان کی معیشت کا ذریعہ تھی جس کا ذکر قرآن حکیم میں سورۃ القریش میں موجود ہے۔ وہ عراق، عمان، فلسطین، شام، مصر، حبشہ، یمن وغیرہ ممالک میں جاتے تھے۔ وہ بڑے جفاکش تھے، مختلف مقامات پر تجارتی میلے لگائے جاتے تھے۔خود مکہ ایک بڑا تجارتی مرکز تھا۔

مذہبی حالات یہ تھے کہ اہل عرب بتوں کی پرستش کرتے تھے مگر ان کو خدا نہیں، خدا کا سفارشی سمجھتے تھے۔ یہ بت کعبے میں موجود تھے۔ اس کے علاوہ تصویریں بھی تھیں جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت مریمؑ وغیرہ کی بھی تصویریں تھیں۔ حال یہ تھا کہ ایک ہی گھر میں کوئی بت پرست ہوتا کوئی عیسائی اور کوئی لامذہب، گویا فکری افراتفری کا عالم تھا۔ بت پرستی کے علاوہ وہ سالانہ حج کا تہوار بھی مناتے، طواف کعبہ اور وقوف عرفات کی پابندی بھی کرتے لیکن انہوں نے طرح طرح کی بدعتیں اور رسمیں ایجاد کر رکھی تھیں اور دین ابراہیمی کو کیا سے کیا بنا دیا تھا۔ ماہ ذالحجہ سے ایک ماہ قبل اور ایک ماہ بعد اور رجب یعنی چار (4) مہینوں کو محترم خیال کرتے تھے اور اس میں قتل و خون ریزی بالکل نہ کرتے۔

اخلاقی عادات میں بہت سی خوبیوں کے مالک تھے مگر انہوں نے ہر خوبی کو خاک میں ملا کر رکھ دیا تھا۔ جنگجو اور بہادر تھے مگر آپس میں لڑ جھگڑ کر اس قوت کو برباد کر رہے تھے۔ دھن کے پکے تھے مگر کوئی واضح مقصد سامنے نہ تھا۔ باغیرت اور خوددار تھے مگر زندہ درگور لڑکیاں اس غیرت کے بھینٹ چڑھا دیتے۔ فیاض اور سخی تھے مگر ریاکاری اور فضول خرچی نے اس خوبی کو بھی داغدار کر رکھا تھا اعلیٰ قسم کا ادبی ذوق تھا مگر یہ ذہنی عیاشی کی نذر ہو چکا تھا۔ الغرض ساری خوبیاں ہوتے ہوئے بھی کوئی فائدہ نہ تھا۔ اسلام نے جو کچھ کیا وہ یہی تھا کہ ان خوبیوں کو پروان چڑھانے کے لئے صحیح راہیں متعین کیں اور پھر یہی قوم جو پستی میں گھری ہوئی تھی بلندیاں طے کرنے لگی۔

## 1.4 دین ابراہیمی کے پیروکار

عرب کے گمراہ لوگوں میں کچھ ایسے بھی تھے جنہیں صراط مستقیم کی تلاش تھی۔ یہ لوگ نہ تو بت پرست تھے اور نہ کسی اور دین سے وابستہ۔ ان کا دل گواہی دے رہا تھا کہ چاروں طرف جو کچھ ہو رہا ہے، وہ صحیح نہیں ہے، صحیح بات چھپی ہوئی ہے جس کو ظاہر ہونا ہے چنانچہ وہ حق کے ظاہر ہونے کے انتظار میں تھے اور اپنا شمار دین ابراہیمی کے پیروکاروں میں کرتے تھے۔ ایسے لوگوں میں مندرجہ ذیل حضرات کے نام قابل ذکر ہیں۔

قیس بن ساعدہ، ورقہ بن نوفل، عبیداللہ بن جحش، عثمان بن حویرث، زید بن نفیل

آنحضرت ﷺ کے ساتھیوں میں سے یہ حضرات حق کے تلاش میں تھے۔

حضرت ابوبکرؓ، حضرت حکیم بن حزامؓ، ضماد بن ثعلبہؓ

# 1.5 خود آزمائی نمبر 1

1- مختصراً جواب لکھیے

(ا) حضور ﷺ کی ولادت سے قبل دنیا کے کیا حالات تھے؟ مختصراً بیان کیجیے۔

(ب) قبل بعثت رومی حکومت کتنے حصوں میں تقسیم ہوگئی تھی؟

(ج) عرب کے معنی بیان کیجیے۔

(د) عرب کے مشہور علاقوں کے نام بتائیے۔

(ر) حکیم بن حزام اور ضماد بن ثعلبہ کون تھے؟

(س) مکے کے لوگوں کا پیشہ کیا تھا؟

2- جملے مکمل کیجیے۔

(ا) رومی شہنشاہ.................. نے ایرانیوں کو فیصلہ کن شکست دی۔

(ب) براعظم ایشیا، یورپ اور.................. میں جزیرہ نمائے عرب کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

(ج) جزیرہ نمائے عرب کا رقبہ.................. مربع میل ہے۔

(د) جزیرہ نمائے عرب کے جنوب میں.................. خلیج.................. واقع ہے۔

# 2- ولادت سے رضاعت تک

تاریکیاں جب پھیلتی ہیں تو اللہ تعالیٰ ہدایت کے لئے اپنے رسولوں کو بھیجتا ہے۔تمام رسول اپنے اپنے وقت پر آچکے اب جس کو ہمیشہ کے لئے آنا تھا وہ آنے والا تھا۔ابھی وہ عالم میں ظاہر نہ تھا کہ رحمتوں اور برکتوں کا ظہور ہونے لگا۔یمن کا عیسائی بادشاہ ایک عظیم لشکر لے کر کعبے کو ڈھانے آیا لیکن اسے تباہ کردیا گیا پھر آپ ﷺ کی ولادت کی خوش خبری سنائی گئی اور عرب کے اعلیٰ قبیلے اور اعلیٰ گھرانے میں حضور ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

## 2.1 نسب شریف

حضورانور ﷺ کا سلسلہ نسب حضرت اسماعیل علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔آپ کے والد کا نام عبداللہ تھا اور دادا کا نام عبدالمطلب جن کا تعلق عرب کے مشہور و معروف خاندان قریش کے قبیلۂ بنو ہاشم سے تھا۔خود حضور ﷺ نے اپنی اس خاندانی فضیلت کا ذکر فرمایا ہے۔عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کا نکاح خاندان قریش کی ایک برگزیدہ خاتون آمنہ بنت وہب سے کر دیا۔عبداللہ قریش میں سب سے زیادہ حسین،پاکباز،حلیم الطبع اور فیاض تھے۔ان کی ولادت تقریباً 545ء میں ہوئی۔

## 2.2 والد کا انتقال

عبداللہ شادی کے کچھ عرصے بعد بغرض تجارت مکے سے شام روانہ ہوئے،وہاں سے واپسی پر بیماری کی وجہ سے قبیلہ بنی نجار میں اپنے ماموں کے ہاں ایک ماہ تک ٹھہرے رہے پھر یہیں وفات پا گئے اور یہیں دفن ہوئے۔

## 2.3 اصحابِ فیل کا واقعہ

جس سال حضور انور ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی اسی سال (تقریباً570ء) میں ابرہہ الأشرم (شاہ یمن) نے خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کی غرض سے مکہ معظمہ پر چڑھائی کی جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

اہل حبشہ یمن کو فتح کرکے وہاں حکمران بن گئے تھے جب یہ ملک ابرہہ بن صباح الأشرم کے قبضے میں آیا تو اس نے یمن کے دارالسلطنت صنعاء میں ایک بہت بڑا گرجا بنوایا جس کا نام قُلّیس رکھا اس کی تعمیر سنگ مرمر سے ہوئی،جولکڑی

استعمال کی گئی اس میں سونے سے پچی کاری کی گئی تھی۔یہ اپنے زمانے کی عظیم الشان عمارت تھی اور اس کا مقصد یہ تھا کہ اہل عرب کو کعبے کی مرکزیت سے ہٹا کر اس طرف لگا دیا جائے۔ یہ عمارت عربوں کو بہت گراں گزری چنانچہ ایک شخص نے موقع پا کر اس گرجا گھر میں غلاظت ڈال دی۔ جب ابرہہ کو معلوم ہوا تو وہ طیش میں آ گیا اور قسم کھائی کہ وہ کعبہ ضرور منہدم کرے گا چنانچہ اس ارادے سے ایک بڑا لشکر لے کر وہ طائف پہنچا اس لشکر میں ہاتھی بھی تھے۔ابرہہ نے اپنا آدمی جناطہ حمیری کو عبدالمطلب کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ہم آپ سے جنگ کرنے نہیں آئے ہم تو کعبہ گرانے آئے ہیں۔عبدالمطلب نے جواب دیا کہ ہم بھی جنگ نہیں چاہتے کعبہ اللہ کا گھر ہے وہ خود حفاظت فرمائے گا۔آپ خود ابرہہ کے دربار میں پہنچے، ابرہہ انہیں عزت سے اپنے ساتھ بٹھایا، آپ نے اس ملاقات میں بھی صاف صاف فرمایا، اس گھر کا جو مالک ہے، وہ خود حفاظت کرے گا۔اس کے بعد آپ مکہ واپس آ گئے اور اہل مکہ کو ہدایت کی کہ" وہ مکہ چھوڑ کر پہاڑوں اور دروں میں نکل جائیں" سب نے ایسا ہی کیا۔عبدالمطلب نے کعبے کے دروازے کا کنڈا پکڑ کر یہ آخری دعا مانگی:

> "اے خدا! یہ بندۂ ناچیز اپنے قافلے کی حفاظت کر رہا ہے، اور تو اپنے گھر کی خود حفاظت فرما، ایسا نہ ہو کہ نصاریٰ کا صلیب خانہ کعبہ پر بلند ہو جائے اور ان کی قوت تیری قوت پر غالب آ جائے"۔

ابرہہ اپنا لشکر لئے غرور میں بدمست بڑھتا چلا آ رہا تھا کہ اچانک عذاب الٰہی کا شکار ہوا۔کعبہ پر حملہ بھی نہ کرنے پایا تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے سمندر کی سمت سے ابابیل پرندے غول کے غول چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں دبائے نمودار ہوئے اور اس لشکر پر کنکریاں پھینکنی شروع کیں۔ایک ایک کنکری گولی بن کر لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا لشکر بھس بن کر رہ گیا، نہ وہ ہاتھی رہے اور نہ ہاتھی والے، ان کے عزائم آن کی آن میں خاک میں مل کر رہ گئے۔

یہ واقعہ ولادت باسعادت کے قریب ترین زمانے میں ہوا اس واقعے کے چالیس روز بعد آپ ﷺ کی ولادت ہوئی۔قرآن کریم کی سورۃ القریش میں اس کا یوں ذکر کیا گیا ہے:

"کیا تم نے نہ دیکھا تھا تمہارے پروردگار نے ان ہاتھی والوں کا کیا حال کیا، کیا ہم نے ان کا داؤ تباہی میں نہ ڈالا اور ان پر، غول کے غول پرندے بھیجے جو ان لوگوں پر کنکر کے سنگ ریزے مارتے تھے، تو اللہ نے ان کو ایسا کر دیا جیسا کہ جانوروں کا کھایا ہوا بھس"۔(سورۃ الفیل 1 تا 5)

## 2.4 ولادت باسعادت

12 ربیع الاول اور ایک روایت کے مطابق عام الفیل بمطابق 22 اپریل 571ء بروز پیر صبح کے وقت حضور اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی والدہ شفاء نے بطور دایہ خدمات سرانجام دیں۔ آپ ﷺ کی والدہ نے آپ ﷺ کو آپ کے دادا عبدالمطلب کی گود میں دیا جو آپ ﷺ کو خانہ کعبہ لے گئے، وہاں آپ ﷺ کے لئے دُعا کی اور پھر واپس لا کر والدہ کے سپرد کیا۔ عبدالمطلب نے آپ ﷺ کا نام "محمّد" رکھا، آپ ﷺ کے آباؤ اجداد میں یہ نام کسی کا نہ تھا اس لئے لوگوں نے عبدالمطلب سے یہ نام رکھنے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے کہا:

"مجھے امید ہے کہ تمام اہل زمین ہمیشہ اس کی مدح کریں گے"

## 2.5 خود آزمائی نمبر 2

سوال نمبر1- اصحابِ فیل کا واقعہ مختصر لفظوں میں بیان کیجئے۔

سوال نمبر2- مختصراً جواب دیجئے:

(ا) حضور ﷺ کی ولادت کس روز ہوئی؟

(ب) شفاء کس خاتون کا نام ہے؟

(ج) عبدالمطلب نے حضور ﷺ کا کیا نام رکھا؟

# 3- رضاعت سے عبدالمطلب کی کفالت تک

حضور اکرمﷺ کی کفالت اور تربیت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا۔آپﷺ کے والد کو آپﷺ کی ولادت سے پہلے اٹھا لیا گیا آپ کی والدہ بھی آپ کے بچپن میں انتقال فرما گئیں۔آپﷺ اپنے دادا عبدالمطلب کی کفالت میں رہے مگر حقیقت میں آپﷺ اللہ کی کفالت میں تھے۔آپﷺ کی آمد کی خبر پہلے ہی سنادی گئی تھی جسے سن کر عبدالمطلب کی نگاہ میں آپ کا وقار بہت بلند ہو گیا تھا۔

## 3.1 رضاعت

حضرت آمنہؓ کے علاوہ آپ کو کئی اناؤں نے دودھ پلایا مثلاً ثویبہ اسلمیہ ،خولہ بنت منذر، امّ ایمن، حلیمہ سعدیہ مگر یہ شرف حلیمہ سعدیہ کو حاصل ہوا کہ آپ نے ان کے ہاں رضاعت کے دو سال گزارے، اس کی تفصیل یہ ہے:

اہل عرب میں عام رواج تھا کہ جب ان کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو وہ کسی اچھے قبیلے کی بہتر انا کو دودھ پلانے کے لئے تلاش کرتے تا کہ بچے کی نشوونما، عادات واطوار اچھے ہوں اور اس میں لسانی فصاحت اور شستگی پیدا ہو چنانچہ بچوں کو حاصل کرنے کے لئے مکہ کے مضافات کے قبائل کی عورتیں مکہ معظمہ آتی تھیں۔جس سال آپ کی ولادت ہوئی، قبیلہ بنو سعد کی عورتیں ان کی خدمت کے لیے بچوں کی تلاش میں مکہ معظمہ آئیں، سب کو بچے مل گئے مگر حلیمہ سعدیہ کو کوئی بچہ نہ ملا۔حضور انورﷺ کو یتیم بچہ سمجھ کر سب نے چھوڑ دیا تھا کہ معقول معاوضے کی امید نہ تھی، حلیمہ سعدیہ نے بھی اس طرف توجہ نہ کی مگر جب کوئی بچہ نہ ملا تو اپنے شوہر سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ مضائقہ نہیں، شائد حق تعالیٰ اس بچے کی وجہ برکت سے عطا فرمائے چنانچہ حلیمہ سعدیہ آپﷺ کو حضرت آمنہؓ سے لے آئیں۔

اس سال عرب میں قحط پڑا ہوا تھا، انسان اور جانور سب ہی کمزور ہو رہے تھے۔حلیمہ سعدیہ جس جانور پر مکہ معظمہ آئیں، راستے میں اس کا چلنا مشکل ہو رہا تھا بڑی مشکل سے مکہ پہنچیں۔حلیمہ سعدیہ کی صحت بھی اچھی نہ تھی، ان کے اپنے بچے کے لئے دودھ کافی نہ ہوتا تھا مگر جب حضور اکرمﷺ کو لائیں تو ان کا بیان ہے کہ دنیا ہی بدل گئی۔اتنا دودھ اترا کہ حضور انورﷺ نے سیر ہو کر پیا اور ان کے رضاعی بھائی عبداللہ نے بھی خوب سیر ہو کر پیا دونوں آرام سے سو گئے۔سواری کا جانور جو نہایت لاغر و کمزور تھا، اتنا تندرست وتوانا ہو گیا کہ دوڑتا ہوا اپنی منزل تک پہنچا بنوسعد کے علاقے

میں قحط کا بڑا زور تھا، مویشی چراگاہوں سے خالی پیٹ آتے تھے اور دودھ کا ملنا مشکل ہوگیا تھا۔ جب سے حضورﷺ اس علاقے میں تشریف لائے، حلیمہ سعدیہ کے سارے مویشی چراگاہوں سے خوب سیر ہو کر واپس ہوتے اور دودھ وافر مقدار میں میسّر آنے لگا، ان برکات کو دیکھ کر سب حیران ہوتے تھے۔

## 3.2 شقِ صدر

حضورِ انورﷺ کی رضاعت کا معاہدہ دو سال کا تھا چنانچہ جب یہ مدّت پوری ہو گئی تو حلیمہ سعدیہ نے دودھ چھڑوا دیا۔ آپﷺ اتنے تندرست و توانا تھے کہ دو سال سے زیادہ کے معلوم ہوتے تھے اور ہم عمر بچوں میں ممتاز نظر آتے تھے۔ حلیمہ سعدیہ آپ کو مکہ معظمہ واپس لے گئیں مگر دل ان کا یہی چاہ رہا تھا کہ ابھی کچھ دن اور حضورِ اکرمﷺ ان کے پاس رہیں کیونکہ آپﷺ کی برکتیں وہ خود ملاحظہ کر چکی تھیں چنانچہ حضرت آمنہ کی اجازت سے اپنے ساتھ واپس لے آئیں۔

عرب کے معمول کے مطابق آپﷺ حلیمہ سعدیہ کے ہاں رہنے لگے، کبھی کبھی بچوں کے ساتھ بکریاں چرانے نکل جاتے۔

ایک روز عجیب واقعہ پیش آیا، گھر کے پیچھے بکریاں چرا رہے تھے کہ دو سفید پوش آدمی آئے، آپﷺ کو زمین پر لٹایا، سینہ چاک کیا، اس میں سے کچھ نکالا اور کچھ ڈالا، پھر چلے گئے۔ آپﷺ کا رضاعی بھائی سہما ہوا حلیمہ سعدیہ کے پاس آیا اور سارا ماجرا سنایا، وہ دوڑی ہوئی باہر آئیں تو آپﷺ بھی سہمے ہوئے کھڑے تھے۔ انہوں نے سینے سے چمٹا لیا، پوچھا تو آپ نے جو گزرا تھا بتا دیا۔ ان کو خیال ہوا کہ کہیں بچے پر آسیب کا اثر نہ ہو گیا ہو اس لئے مناسب یہی ہے کہ اس کے گھر پہنچا دیا جائے چنانچہ وہ آپﷺ کو لے کر مکہ معظمہ آئیں حضرت آمنہ دیکھ کر حیران ہوئیں کہ ابھی تو اصرار کر کے لے گئی تھیں پھر کیوں لے آئیں؟ حلیمہ سعدیہ نے سارا ماجرا کہہ سنایا، حضرت آمنہ نے فرمایا۔

> ”کیا تمہیں ان پر کسی شیطانی اثر کا گمان ہو گیا ہے؟ بخدا ہرگز ایسا نہیں ہے، ان پر شیطان کو ہرگز قدرت حاصل نہیں ہو سکتی ہے، میرے بچے کی شان ہی نرالی ہے“

پھر حضرت آمنہ نے حلیمہ سعدیہ سے آپﷺ کو لے لیا اور آپﷺ اپنی والدہ کے پاس رہنے لگے۔

## 3.3 والدہ کی وفات

حضرت آمنہ حضورِ انورﷺ کو لے کر 575-76ء میں رشتہ داروں سے ملنے اور اپنے شوہر کی قبر پر حاضری کے

لئے مدینہ منورہ گئیں۔ جب وہ آپ ﷺ کو لے کر واپس آ رہی تھیں تو راستے میں ابواء کے مقام پر بیمار ہو گئیں، وہیں انتقال فرمایا اور وہیں تدفین ہوئی۔ یہ مقام مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ اس وقت حضور انور ﷺ کی عمر تقریباً چھ سال تھی اور حضرت آمنہ کی عمر تیس سال تھی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ عروج اسلام کے زمانے میں حضور انور ﷺ ایک ہزار مسلح مجاہدین کے ہمراہ ابواء میں والدہ کی قبر کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے، وہاں آپ ﷺ آبدیدہ ہو گئے اور صحابہ کرام ؓ بھی آپ ﷺ کو آبدیدہ دیکھ کر رو پڑے۔

## 3.4 کفالت عبدالمطّلب

اس سفر میں ام ایمن جو آپ ﷺ کے والد کی کنیز تھیں، آپ ﷺ کے ساتھ تھیں۔ آپ ﷺ کی والدہ کے انتقال کے بعد وہ آپ ﷺ کو دادا عبدالمطلب کی خدمت میں لے گئیں۔ وہ آپ ﷺ سے بڑی محبت کرتے تھے، خانہ کعبہ کے سائے میں جناب عبدالمطلب کے لئے جب فرش بچھایا جاتا تھا تو کسی کی مجال نہ تھی کہ عبدالمطلب کے بیٹھنے سے پہلے فرش پر بیٹھ سکے۔ بچپن میں حضور انور ﷺ ادھر آ جاتے تو فرش پر بیٹھ جاتے، آپ ﷺ کے چچا روکنا چاہتے تو عبدالمطلب ان کو منع کر دیتے اور فرماتے:

"میرے اس بچے کو چھوڑ دو، خدا کی قسم! اس کی بڑی شان ہونے والی ہے"

## 3.5 سیف ابن ذی یزن کی پیش گوئی

عبدالمطلب کو مختلف ذرائع سے حضور ﷺ کے تابناک مستقبل کا اندازہ ہو گیا تھا اسی لئے وہ آپ ﷺ کو بہت چاہتے اور آپ ﷺ کی عزت کرتے چنانچہ سیف ابن ذی یزن نے جب حبشہ فتح کیا تو حضور ﷺ کی ولادت باسعادت ہو چکی تھی۔ عرب وفود اور معززین قوم مبارک باد دینے کے لئے اس کے دربار میں گئے، انہی میں ایک وفد قریش کا بھی تھا جس کے سردار عبدالمطلب تھے۔ عبدالمطلب سیف سے ملے اور اس کو مبارک باد دی، کئی روز اس کے ہاں قیام رہا۔ ایک روز اس نے بلا کر رازدارانہ انداز میں کہا:

"میں اس مخفی علم اور پوشیدہ کتاب میں جسے ہم نے اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے اور اپنے سوا دوسروں سے پوشیدہ رکھا ہوا ہے، ایک عظیم الشان خبر اور بہت بڑی بلندی و مرتبہ کا ظہور پاتا ہوں"۔

پھر اس نے حضور اکرم ﷺ کے ظہور کی ایک ایک کر کے ساری علامتیں اور نشانیاں بیان کیں، سیف بن ذی یزن نے کہا:

- تہامہ میں ایک بچہ پیدا ہوگا، اس کے شانوں کے درمیان ابھرے ہوئے گوشت کی مہر ہوگی، اسے قیامت تک سارے عالم کی سرداری حاصل ہوگی۔
- اس بچے کی ولادت کا یہی زمانہ ہے اور ممکن ہے وہ پیدا ہو چکا ہو۔اس کے والدین وفات پائیں گے اور اس کے چچا اور دادا پرورش کریں گے۔
- وہ روئے زمین کے بہترین علاقوں کو فتح کرے گا، لوگ اس کے اعوان وانصار کی مثال دیا کریں گے۔
- وہ عام ادیان کو باطل قرار دے گا، بتوں کو توڑ ڈالے گا، خدائے رحمٰن کی عبادت کرے گا، اس کا قول محکم اور قطعی و فیصلہ کن ہوگا۔
- وہ بھلائیوں کا حکم دے گا اور خود بھی اس پر عمل پیرا ہوگا، برائیوں سے منع کرے گا اور خود بھی رکے گا، بعض نشانیاں اس وقت تک ظاہر ہو چکی تھیں، اس لئے عبدالمطلب کو یقین ہو گیا کہ وہ بچہ یہی ہے جس کا نام ''محمد'' ﷺ ہے۔

سیف ابن ذی یزن کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ بچہ عبدالمطلب کے گھرانے میں پیدا ہو چکا ہے تو اس نے ان کے وفد کی بڑی پذیرائی کی اور انعام واکرام سے نوازا، خصوصاً عبدالمطلب کو دس گنا انعام سے نوازا۔

# 3.6 خود آزمائی نمبر 3

سوال نمبر1- مختصراً جواب دیجئے

(الف) ثویبہ اسلمیہ ،خولہ بنت منذر کن خواتین کے نام ہیں؟

(ب) قبیلہ بنو سعد کی وہ کون سی خاتون تھیں جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کو دودھ پلایا؟

(ج) سیف ابن ذی یزن کون تھا اور اس نے کیا کہا؟

(د) امّ ایمن کس خاتون کا نام ہے؟

سوال نمبر2- شق صدر کا واقعہ مختصر لفظوں میں بیان کیجئے۔

سوال نمبر3- جملے مکمل کیجئے:

(الف) ابواء کے مقام پر..................بیمار ہو گئیں اور وہیں پر انتقال کر گئیں۔

(ب) حضرت آمنہ کے انتقال کے بعد......آپ ﷺ کو مکے لے گئیں۔

(ج) میرے اس..........کو چھوڑ دو خدا کی قسم! اس کی بڑی.................ہونے والی ہے۔

# 4- ابوطالب کی کفالت

داداعبدالمطلب کے انتقال کے بعد حضورﷺ کی کفالت آپﷺ کے چچا ابوطالب نے کی لیکن حقیقت میں آپﷺ ان کے گھرانے کے لئے رحمت بن گئے۔ وہ آپﷺ کو اپنے ساتھ شام کے سفر پر لے گئے، وہاں بحیرا راہب نے دیکھ کر آپﷺ کی نبوت کی خوش خبری سنائی۔ آپﷺ کچھ بڑے ہوئے تو جنگ فجار میں شرکت کی پھر حلف الفضول میں شرکت کی جب جواں ہوئے تو آپﷺ خود تجارتی سفر پر تشریف لے گئے۔نسطورا راہب نے آپﷺ کی نبوت کی خوش خبری سنائی اور سب کو معلوم ہوگیا کہ عنقریب آپﷺ منصب رسالت پر فائز ہونے والے ہیں۔

حضورﷺ آٹھ سال کے تھے کہ آپﷺ کے دادا عبدالمطلب 578ء میں انتقال کر گئے، ان کی عمر تقریباً 100 سال تھی حضورﷺ دادا کی چارپائی کے قریب بیٹھے رو رہے تھے، عبدالمطلب مکے کی ایک پہاڑی پر دفن کئے گئے۔عبدالمطلب نے انتقال کے وقت حضورﷺ کو اپنے بیٹے ابوطالب کے سپرد کردیا۔وہ بہت نیک دل، فراخ حوصلہ، کثیر العیال اور غریب تھے، وہ حضور سے محبت کرتے تھے اور حضورﷺ کے بچپن سے آپﷺ کی برکات دیکھ رہے تھے اس لئے آپﷺ سے ایک خاص انس پیدا ہوگیا تھا۔ وادئ مکہ میں قحط پڑا تو ابوطالب آپﷺ کو خانہ کعبہ لے گئے اور آپﷺ سے دُعا کرائی، دعا سے قبل آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا، دعا کرتے ہی بادل گھر آئے اور موسلا دھار بارش شروع ہوگئی، ندی نالے بہہ گئے۔

الغرض آٹھ برس کی عمر میں حضورﷺ ابوطالب کی کفالت میں آگئے، ابوطالب چونکہ غریب تھے اس لئے حضورﷺ نے ان پر بار اور بوجھ بننا مناسب نہ سمجھا بلکہ ان کے لئے اور ان کے ساتھ کام کرتے رہے۔ابتدائی عمر میں اجرت پر بکریاں بھی چرائیں۔

## 4.1 شام کا پہلا سفر

12 سال کی عمر میں آپﷺ 582ء میں اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ ایک قافلے کے ہمراہ شام کے سفر پر روانہ ہوئے۔ قافلے نے شام کے قصبے بصریٰ میں پڑاؤ ڈالا جو رومانیہ کے زیر حکومت تھا۔ یہاں ایک گرجا تھا جہاں بحیرا نامی ایک مشہور ومعروف پادری رہتا تھا۔ یہ عیسائی مذہب کا بڑا عالم تھا۔بحیرا نے دیکھا کہ حضورﷺ پر بادل کا ایک ٹکڑا سایہ کیے ہوئے ہے، جہاں وہ جاتے ہیں یہ ٹکڑا ساتھ ساتھ چلتا ہے۔اس نے اور بھی نشانیاں دیکھیں جس سے قافلے والوں کی طرف رغبت ہوئی اور ان کی دعوت کی جب اس کی نظر حضورﷺ پر پڑی تو غور سے دیکھنے لگا پھر آپ

ﷺ سے چند سوالات کیے، آپ ﷺ نے جوابات دیئے تو انہیں انجیل کی پیش گوئیوں کے مطابق پایا، پشت پر مہر نبوت بھی دیکھی پھر ابوطالب سے کہا: ''اپنے اس بھتیجے کو فوراً وطن واپس لے جایئے اور ان کے متعلق یہودیوں سے ہوشیار رہئیے، خدا کی قسم! اگر انہوں نے انہیں دیکھ لیا اور کچھ علامات جو میں نے پہچان لی ہیں یہ اگر وہ بھی پہچان گئے تو ضرور ان کے درپئے آزار ہو جائیں گے کیونکہ ان کا عظیم الشان مستقبل ہونے والا ہے''۔

## 4.2 جنگ فجار

جنگ فجار عرب کی ایک طویل جنگ تھی جو 580ء سے 590ء کے دوران عرب کے مختلف قبائل کے درمیان ہوئی اس جنگ کے چار دور ہوئے۔ چوتھے دور میں قریش اور قبائل کنانہ اور ہوازن کے درمیان جنگ ہوئی۔ یہ واقعہ بعثت نبویؐ سے بیس سال قبل کا ہے جب کہ حضور ﷺ کی عمر شریف تقریباً 20 سال تھی یعنی سفر شام سے تقریباً آٹھ برس بعد، آپ ﷺ اس جنگ میں شریک ہوئے اور اپنے چچاؤں کو صرف تیر نکال کر دیتے رہے، چند تیر خود بھی پھینکے مگر با دل نخواستہ، خود فرماتے تھے، میری دلی خواہش یہی تھی کہ ایسا نہ کرتا کیونکہ آپ ﷺ کو رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجا گیا تھا۔

## 4.3 حلف الفضول

قریش جب جنگ فجار سے واپس آئے تو انہوں نے ایک معاہدہ کیا جس میں حضور ﷺ نے بحیثیت قائد کے شرکت فرمائی، اس معاہدے کے الفاظ یہ ہیں:

> ''خدا کی قسم! ہم لوگ مظلوم کا اس وقت تک ساتھ دیتے رہیں گے جب تک کہ دریا ان کو تر رکھے گا (یعنی ہمیشہ ہمیشہ) اور معاشرے میں ایک دوسرے کی ہمدردی و غمگساری کیا کریں گے''

## 4.4 شام کا دوسرا سفر

595ء میں جب حضور ﷺ کی عمر 25 سال ہوئی تو چچا ابوطالب کی خواہش پر آپ تجارتی سفر کے لئے تیار ہوئے۔ مکہ معظمہ کی مشہور و معروف خاتون خدیجہ بنت خویلد اپنا سامان دے کر لوگوں کو تجارت پر بھیجتی تھیں اور ان کو معقول معاوضہ دیتی تھیں۔ چچا ابوطالب کے کہنے پر آپ ﷺ بھی اس مقصد کے لئے حضرت خدیجہ بنت خویلد کے پاس گئے۔ انہوں نے آپ ﷺ کی پیش کش فوراً قبول کر لی کیونکہ آپ ﷺ کی شخصیت جانی پہچانی اور آپ ﷺ کی برکات مشہور و

معروف تھیں۔آپ ﷺ خدیجہ کے غلام میسرہ کو ساتھ لے کر سفر پر روانہ ہوئے اور شام کے شہر بصریٰ پہنچے جو دمشق کے راستے پر واقع ہے، یہاں نسطورا پادری نے آپ کو دیکھا اور جس طرح بارہ تیرہ سال قبل بحیرہ راہب نے آپؐ کے حالات اور علامات سے آپ ﷺ کو پہچانا تھا اسی طرح اس پادری نے بھی پہچانا، کچھ حالات میسرہ غلام سے بھی دریافت کیے اور پھر کہا ”یقیناً یہ نبی اور آخری نبی ہیں“۔

پھر سب نے اپنا اپنا مال فروخت کیا۔حضور ﷺ نے بھی اپنا مال فروخت کیا،خدا کی شان کہ آپ ﷺ کو دُگنا نفع ہوا۔قافلہ مکہ معظمہ واپس روانہ ہوا، آپ ﷺ بھی ساتھ ہی واپس ہوئے اور بخیر وعافیت مکہ پہنچے اور جو نفع کمایا تھا وہ حضرت خدیجہ بنت خویلد کے سامنے رکھ دیا۔میسرہ غلام نے نسطورا راہب سے ملاقات اور گفتگو کا سارا ماجرا سنایا، راستے میں جو غیر معمولی باتیں سفر میں پیش آئیں، ان کا بھی ذکر کیا۔حضرت خدیجہ بنت خویلد بہت متاثر ہوئیں اور جو معاوضہ آپ سے طے ہوا تھا، اس سے دُگنا معاوضہ دیا۔

## 4.5 خود آزمائی نمبر 4

سوال نمبر1-درج ذیل سوالات کے جواب دیجئے۔

(الف) بحیرا راہب کون تھا اور اس نے کیا کہا؟

(ب) نسطورا راہب کون تھا؟ حضور ﷺ سے کہاں ملا اور کیا کہا؟

(ج) عبدالمطلب کا انتقال کس سن میں ہوا اور ان کے بعد آپ کی کفالت کس نے کی؟

(د) ابوطالب رشتے میں حضور ﷺ کے کون تھے؟

سوال نمبر2- جنگ فِجار پر مختصر نوٹ لکھیے۔

سوال نمبر3- حلف الفضول کس معاہدے کا نام ہے؟

# 5- شخصیت و کردار

اللہ تعالیٰ نے حضورﷺ کو اپنا آخری رسول اور نبی بنا کر بھیجا تھا اس لئے آپ ﷺ کی پوری پوری حفاظت فرمائی۔ جس طرح قرآن کی حفاظت فرمائی، اسی طرح صاحب قرآن کی بھی حفاظت فرمائی۔ دنیا تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی مگر آپ ﷺ کو تاریکی سے دور رکھا گیا کیونکہ آپ ﷺ کو ہدایت اور رہنمائی کے لیے بھیجا گیا۔ معاشرے میں آپ ﷺ کو اتنا ممتاز کر دیا گیا کہ لوگ آپ کو صادق و امین کہنے لگے۔

## 5.1 جاہلیت کی برائیوں سے دوری

حضورﷺ کا بچپن اور جوانی ایسے دَور میں گزری جب ہر طرف جہالت تھی مگر آپ ﷺ کا انداز سب سے الگ اور جداگانہ تھا۔ آپ ﷺ اپنے ہم وطنوں کی طرح نہ تھے بلکہ اپنی الگ خوبیوں کے حامل تھے۔ زندگی میں دو نازک موقع آئے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بالکل محفوظ رکھا۔ آپ ﷺ نے نہ ساز و سرود کی آواز سنی اور نہ کسی بُت کو ہاتھ لگایا۔ پورا معاشرہ برائیوں میں ملوّث تھا مگر آپ ﷺ ہر برائی سے دور رہے۔ نہ کبھی بتوں کے نام کی قربانی کا گوشت کھایا، اس معاشرے میں بعض قبائل کے ہاں لڑکیوں کو زندہ دفن کیا جاتا، آپ ﷺ لوگوں کو ایسا کرنے سے منع فرماتے۔

## 5.2 لقب صادق وامین

سچائی، امانت داری و دیانتداری یہی وہ دو خوبیاں ہیں جن سے اقوام و افراد پہچانے جاتے ہیں۔ حضورﷺ نے سب سے پہلے اپنی سچائی اور امانت داری و دیانتداری سے دوست ودشمن کے دل میں گھر کیا اور 25 سال کی عمر میں معاشرے میں وہ مقام اور وقار حاصل کر لیا کہ سب نے یک زبان ہو کر آپ ﷺ کو "امین اور صادق" کا لقب دیا اور پھر آپ ﷺ کی سچائی اور امانت داری پر پورا بھروسہ کیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اسی امانت داری کی وجہ سے لاکھوں روپے کا سامان دے کر آپ ﷺ کو تجارت کی مہم پر روانہ کیا۔ یہ آپ ﷺ کی امانت داری ہی تھی جس سے متاثر ہو کر قریش کی اس متمول خاتون نے نکاح کا پیغام بھجوایا جب کہ کئی سردارانِ قریش کی نکاح کی خواہش آپ رد کر چکی تھیں۔ تعمیر کعبہ کے موقعے پر آپ ﷺ کی امانت داری کی وجہ سے آپ ﷺ کو ثالث تسلیم کیا گیا، جب آپ ﷺ نے اسلام کا پیغام دیا تو بہت سے لوگوں نے آپ ﷺ کی صداقت و امانت کی وجہ سے اسلام قبول کیا کہ جو شخص دُنیاوی معاملات میں

جھوٹ اور خیانت سے کام نہیں لیتا، وہ اللہ پر جھوٹ کیسے باندھ سکتا ہے اور اس کے پیغام میں کیسے خیانت کر سکتا ہے؟ آپ ﷺ پر اعتماد اس حد تک تھا کہ دشمنوں سے مخالفت اور جنگ جاری تھی مگر ان کی امانتیں آپ ﷺ کے پاس رکھی تھیں چنانچہ جب آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی تو انہیں دشمنوں کی خاطر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مکہ معظمہ میں چھوڑا کہ جس جس کی امانت ہو وہ اس تک پہنچا دی جائے۔حضور ﷺ نے اپنے مال و اسباب کی کچھ پرواہ نہ کی، وہ جاتا ہے تو جائے مگر امانتیں ضائع نہ ہوں۔یہ تھی حضور ﷺ کی کمال دیانت داری و امانت داری۔

## 5.3 اخلاق حسنہ

حضور ﷺ کے اخلاق بہت بلند تھے صحابہ کرام ؓ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور ﷺ کے عادات واخلاق کے بارے میں کچھ بتائیں۔آپ نے فرمایا کہ قرآن حکیم سب کا سب آئینہ مصطفیٰ ہے، قرآن حکیم آپ کے اخلاق کی یوں گواہی دے رہا ہے کہ ''آپ ﷺ اخلاق کی اعلیٰ ترین بلندیوں پر فائز ہیں'' خود حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاقی خوبیوں کو مکمل کر دوں'' آپ ﷺ کی رفیقۂ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جنھوں نے آپ ﷺ کو قریب سے دیکھا اور پرکھا تھا، یوں خراج عقیدت پیش کرتی ہیں:

> ''خدا کی قسم! حق تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی رسوا نہ کرے گا کیونکہ آپ ﷺ صلۂ رحمی فرماتے، یتیموں محتاجوں کی کفالت اور خبر گیری فرماتے، بے روزگاروں کو روزگار مہیا کرتے، مہمانوں کی خاطر مدارات کرتے اور مصائب ومشکلات میں لوگوں کی مدد فرماتے ہیں''۔

## 5.4 سراپا (حلیہ مبارک)

حسن باطن کا عالم تو آپ نے دیکھا، حسن ظاہر کا عالم بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔حضور ﷺ نہایت ہی خوبصورت جوان تھے، سب ہی نے آپ ﷺ کے حسن و جمال کی تعریف کی ہے، ذرا آپ کا سراپا ملاحظہ ہو:

> ''چودھویں کے چاند سا دمکتا مسکراتا چہرہ، کشادہ پیشانی، باریک گنجان اور خمدار ابرو، رنگ سفید، سرخی مائل، چاندی سے ڈھلا ہوا بدن، آنکھیں سیاہ، پلکیں دراز، پتلیاں کالی، نظریں نیچی نیچی اور شرمیلی، ناک اونچی، رخسار ہموار اور ہلکے پھلکے، دہن فراخ، دندان مبارک باریک، چمکدار اور خوش نما،

ریش مبارک گھنی، بھرواں اور سینہ مبارک پر سایہ کئے ہوئے، گردن صراحی دار، چاندی کی طرح چمکتی ہوئی، دل ربا، خوش نما، سر مبارک بڑا، جسم پر موزوں اور بچا ہوا، بال سیاہ اور قدرے خمدار، کبھی کان کی لو تک، کبھی شانوں تک، کبھی چھوٹی چھوٹی زلفیں لٹکی ہوئیں، حسن کو دوبالا کرتی ہوئیں، بدن گھٹا ہوا، قد درمیانہ مگر سب سے ممتاز، پیٹ تنا ہوا، سینہ چوڑا اور فراخ پشت مہر نبوت سے آراستہ، کلائیاں دراز، ہتھیلیاں نرم ونازک فراخ، انگلیاں موزوں اور دراز، پنڈلیاں سُتی ہوئیں، پاؤں پر گوشت، تلوے قدرے گہرے، چال درمیانہ، نظر جاذبانہ، باتیں حکیمانہ، سلوک دلربانہ"۔

گویا باطن بھی حسین، ظاہر بھی حسین، صورت بھی حسین، سیرت بھی حسین، حسن و جمال کا ایسا پیکر کوئی دوسرا نہ ہوگا۔

## 5.5 خود آزمائی نمبر 5

سوال نمبر 1- مختصراً جواب دیجئے۔

(الف) حضورﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کیا فرمایا؟

(ب) حضورﷺ کو امین کا خطاب کس نے دیا؟

(ج) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضورﷺ کے اخلاق کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا؟

(د) مختصر لفظوں میں حضورﷺ کا حلیہ مبارک بیان کریں۔

# 6- گھریلو اور معاشرتی زندگی کا آغاز

فکر میں نکھار، صورت میں نکھار، اخلاق میں نکھار، آپ ﷺ سراپا ایسی مسحور کن شخصیت کے مالک تھے کہ عرب کی امیر ترین اور شریف ترین بیوہ خاتون خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے نکاح کا پیغام بھیجا۔ آپ ﷺ نے قبول فرمایا اور نکاح ہو گیا۔ آپ ﷺ نے کمال غیرت وخودداری کے ساتھ ازدواجی زندگی بسر کی، کسی کا احسان نہ اٹھایا، خود کمایا، رفیقۂ حیات پر بوجھ نہ ڈالا۔ امیر گھرانے سے تعلق ہوتے ہوئے بھی زندگی کمال سادگی سے بسر کی اور ایسی مثال قائم کی جو دوسروں کے لئے نمونۂ عمل ہے، گھر کی ساری دولت اسلام کی خاطر پر قربان کر دی گئی۔

## 6.1 حضرت خدیجہؓ سے نسبت ونکاح

سیدہ خدیجہ بنت خویلد کا نسب حضور ﷺ کے اجداد میں چوتھے دادا قصیٰ سے ملتا تھا۔ وہ نہایت دانشمند، مستقل مزاج، شریف النفس، امیر کبیر اور حسین وجمیل خاتون تھیں اور قریش میں نسب کے اعتبار سے اعلیٰ اور عزت وشرف میں سب سے بڑھ کر مانی جاتی تھیں۔

زمانۂ جاہلیت میں ''طاہرہ'' اور ''سیّدہ قریش'' کے القاب سے یاد کی جاتی تھیں۔ حضور ﷺ سے قبل ان کی دو شادیاں ہو چکی تھیں، دونوں شوہروں کا انتقال ہو گیا تھا اور ان سے اولادیں تھیں۔ سیدہ خدیجہ حضور ﷺ کے حسن معاملہ اور آپ ﷺ کے بارے میں برکتوں اور رحمتوں کی خبریں اور مستقبل کی پیش گوئیاں سن کر آپ ﷺ سے بہت متأثر تھیں۔ قبائل عرب کے بہت سے سردار آپؓ سے نکاح کرنا چاہتے تھے مگر انہوں نے ان سب کو نظر انداز کر کے حضور ﷺ کا انتخاب فرمایا اور ایک ذریعے سے پیغام بھجوایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس شادی کے لئے مال ودولت نہیں۔ پیغام لانے والی نے کہا کہ اس سے آپ ﷺ کو بے نیاز رکھا جاتا ہے اور آپ ﷺ کی خدمت میں مال ودولت، حسن وجمال اور عزت وشرافت کی پیش کش کی جاتی ہے۔ فرمایا ایسی خاتون کون ہے؟ عرض کیا گیا، سیّدہ خدیجہ۔ فرمایا ''تو مجھے منظور ہے''۔ پھر دونوں طرف کے بزرگ ایک مجلس میں اکھٹے ہوئے اور نکاح کا انعقاد ہوا۔

حضور ﷺ نے سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ سونا ادا کیا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا ہے۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مہر اونٹنیوں کی شکل میں تھا، نکاح کے بعد حضور ﷺ نے دو اونٹنیاں ذبح کر کے

ولیمہ کیا اور احباب کو کھانا کھلایا۔سیّدہ خدیجہ کی کنیزوں نے خوشی میں دف بجائے، خوب رونق رہی، حضور ﷺ کا نکاح 595ء میں سفر شام سے واپسی کے تقریباً دو ماہ بعد ہوا۔

حضور ﷺ کو سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت تھی وہ سب سے پہلے ایمان لانے والی خاتون تھیں۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ خواتینِ جنت میں سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمّد، مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم (فرعون کی زوجہ) ہیں۔

حضور ﷺ سیّدہ خدیجہ کے انتقال کے بعد برابر ان کو یاد فرماتے رہے۔ بار بار یاد کرنے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رشک آنے لگا۔ایک روز انہوں نے کہہ دیا کہ

''وہ تو بوڑھی عورت تھیں، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان کا نعم البدل عطا فرما دیا ہے''۔یعنی پھر کیوں بار بار یاد کرتے ہیں، حضور ﷺ نے جلال میں جو کچھ فرمایا اس سے بڑھ کر سیّدہ خدیجہؓ کے لئے کوئی خراج عقیدت نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

''جب لوگوں نے مجھ پر ایمان لانے سے انکار کر دیا تھا تو وہ مجھ پر ایمان لائیں، جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا تو انہوں نے مجھے سچا کہا، جب لوگوں نے مجھے معاش سے محروم کر دیا تھا تو انہوں نے اپنے مال سے میری مدد کی، جب اللہ نے دوسری بیویوں سے مجھے اولاد سے محروم رکھا تو ان سے مجھے اولاد عطا ہوئی''۔

## 6.2 اولاد

سیّدہ خدیجہ سے حضور ﷺ کے ہاں اولاد ہوئی۔

بیٹوں میں: عبداللہ۔ اور بیٹیوں میں: رقیہ، زینب، ام کلثوم اور فاطمہ۔

## 6.3 تعمیر کعبہ

حضور ﷺ کے نکاح کے تقریباً دس برس بعد 605ء میں تعمیر کعبہ میں شگاف پڑ گئے تھے۔قریش کو اندیشہ ہوا کہ کہیں دیواریں گر نہ پڑیں چنانچہ خانۂ کعبہ کی تعمیر نو کا کام شروع ہوا۔سعید بن عاص کا غلام باقوم ماہر نجار بھی تھا، تعمیر کا کام اس نے کیا۔سب لوگ پتھر اٹھا کر دیتے جاتے، حضور ﷺ نے بھی پتھر اٹھا کر دیئے۔جب تعمیر اس مقام تک پہنچی جہاں حجر اسود لگانا تھا تو قریش میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ حجر اسود لگانے کی سعادت کون حاصل کرے گا۔ ہر قبیلہ اس اعزاز

کا آرزومند تھا اور کوئی اپنے اس دعویٰ سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہ تھا چنانچہ حالات خراب ہوگئے اور جنگ وجدل تک نوبت جاپہنچی۔اس نازک صورتحال کو دیکھ کر باہم مشورے سے طے کیا گیا کہ دوسرے دن جو سب سے پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہوگا، وہی اس اختلاف کا فیصلہ کرے گا چنانچہ دوسرے روز سب سے پہلے حضورﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے، سب نے کہا یہ امین ودیانت دار ہیں چنانچہ فیصلہ آپﷺ کے سپرد کردیا گیا۔حضورﷺ نے اپنی چادر مبارک بچھائی پھر دستِ مبارک سے حجر اسود اٹھا کر اس میں رکھ دیا اور فرمایا ہر قبیلے والا اس چادر کا ایک ایک کونہ پکڑ لے پھر سب نے مل کر چادر اٹھائی اور حجر اسود کو اس جگہ تک پہنچایا جہاں اس کو لگانا تھا، حجر اسود اس مقام تک پہنچا تو حضورﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے اٹھا کر اس کو نصب کردیا۔اس طرح آپ کی دانشمندی اور دُور اندیشی سے یہ فساد رفع دفع ہوگیا اور حجر اسود کی تنصیب میں تمام قبائل شریک ہوگئے۔

## 6.4 شہری اور معاشرتی زندگی

حضورﷺ کے گھر میں ساز وسامان بہت مختصر تھا زندگی ایسی گزاری جیسے مسافر گزارتا ہے۔گھر کی آرائش وزیبائش میں صفائی کے سوا کوئی چیز قابل ذکر نہ تھی، آپﷺ کا ارشاد تھا کہ دیواروں کو کپڑے نہ پہناؤ۔ سچ ہے جب کہ انسان روٹی کپڑے کے محتاج ہوں تو گھر کے دروازوں اور دیواروں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ان کے لئے پردے مہیا کئے جائیں۔

حضورﷺ نے ہمیشہ سادہ پہنا اور سادہ کھایا۔گوشت ضرور پسند تھا مگر کبھی کبھی نوش فرماتے۔

حضورﷺ کو ٹھنڈا اور میٹھا مشروب بہت پسند تھا۔دودھ کے لئے فرماتے کہ یہ پانی ہے اور غذا کی غذا، بکری کا دودھ اکثر استعمال کرتے، مہمانوں کی خوب خاطر تواضع کرتے، کوئی دعوت دیتا تو قبول فرمالیتے، انکار نہ کرتے۔ بیٹھنے اٹھنے میں بھی بڑی سادگی تھی۔

ازواجِ مطہّرات پر مثالی شفقت فرماتے اور ان سے محبت کرتے۔بچوں پر بڑے شفیق ومہربان تھے، گود میں اٹھا کر پیار کرتے، بھری مجلس میں بچے آجاتے تو کبھی نہ دھتکارتے مگر مذاق میں حد سے نہ بڑھتے اور کبھی جھوٹ نہ بولتے۔

## 6.5 خود آزمائی نمبر 6

سوال نمبر1- مختصراً جواب تحریر کیجیے۔

(ا) حضورﷺ نے سب سے پہلے کس خاتون سے نکاح کیا؟

(ب) حضورﷺ کی اولاد کے نام تحریر کیجیے۔

(ج) حضورﷺ نے کتنا مہر ادا فرمایا؟

سوال نمبر2- مختصر لفظوں میں تعمیر کعبہ کا واقعہ قلم بند کیجیے۔

سوال نمبر3- حضورﷺ کی شہری اور معاشرتی زندگی کا مختصر جائزہ قلمبند کیجیے۔

# 7- گوشہ نشینی اور بعثتِ نبوی ﷺ

حضور ﷺ بچپن سے جوانی تک ایسے پاک صاف رہے کہ معاشرے میں کوئی دوسرا ایسا پاک صاف نہ تھا۔ جوانی سے ذرا قدم آگے بڑھایا، ماحول پر نظر ڈالی تو کچھ عجیب سا نظر آیا۔ آپ ﷺ کے اردگرد بت پرست بھی تھے، عیسائی بھی، یہودی بھی اور تجارت کے لئے آنے جانے والے بدھ مت اور ہندو مت کے ماننے والے بھی تھے۔ پورا ماحول بگڑا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کے پاک وصاف دل کو وہ ماحول پسند نہ آیا۔ آپ ﷺ کی طبیعت کی بے چینی آپ ﷺ کو تنہائیوں میں لے گئی جہاں کئی کئی روز آپ ﷺ اللہ سے لو لگائے رہتے اور بگڑے ہوئے ماحول سے الگ تھلگ ہو کر خالق کائنات کی قدرت وحکمت پر غور وفکر فرماتے۔

## 7.1 غارِ حرا

حضور ﷺ تقریباً 35 سال کی عمر سے اضطراب اور بے قراری کے اس عالم میں شہر کی رونقیں چھوڑ کر عبادت و ریاضت اور فکر و تدبّر کے لئے غار حرا میں جانے لگے (کوہ حرا کو اب جبل نور کہا جاتا ہے، انجیل میں اس کو فاران کہا گیا ہے اور یہیں سے آپ کی بعثت کی نشاندہی کی گئی ہے) غار حرا میں یوں تو کئی کئی دن مسلسل گزارتے تھے لیکن خاص طور پر رمضان المبارک میں پورا مہینہ ہی عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ کھانے پینے کے لئے تھوڑا بہت لے جاتے، جب ختم ہو جاتا تو سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آتے اور پھر ساتھ کچھ لے جاتے، کم از کم پانچ (5) سال شب و روز اسی طرح بسر ہوتے رہے۔

## 7.2 وحی کی ابتدا

رفتہ رفتہ یہ ہوا کہ خواب میں جو کچھ ملاحظہ فرماتے ہو بہ ہُو وہی سامنے آتا گویا آنے والے واقعات کا خوابوں میں عکس دکھایا جاتا، سچے خوابوں کا یہ سلسلہ کچھ عرصہ چلتا رہا اور رحمت کی پھوار پڑتی رہی۔

پھر روح الامین جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر غار حرا میں ظاہر ہوئے۔ حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کیا، ''پڑھیئے'' آپ ﷺ نے فرمایا ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں'' انہوں نے آپ کو سینے سے لگایا اور چھوڑ دیا۔ پھر وہی عرض کیا ''پڑھیئے'' آپ نے وہی جواب دیا، میں پڑھا ہوا نہیں ہوں'' انہوں نے پھر سینے سے لگایا اور چھوڑ دیا۔ پھر عرض

کیا"پڑھیئے" آپ ﷺ نے وہی جواب دیا"میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، پھر تیسری بار انہوں نے سینے سے لگایا، زور سے دبایا اور چھوڑ دیا، پھر عرض کیا:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ۝﴾ (سورۃ العلق 1تا5)

"(اے محبوب) تم اپنے رب کے نام کی برکت سے (قرآن) پڑھو، جس نے تمام (خلق) کو پیدا کیا، آدمی کو خون کی پھٹکی سے پیدا کیا، پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے کہ جس نے قلم سے لکھنا سکھایا آدمی کو، وہ سکھایا جو نہ جانتا تھا"۔

یہ عظیم واقعہ 17 رمضان المبارک 41 میلادالنبی ﷺ مطابق 6 اگست 610ء کو مکہ معظمہ کے غار حرا میں پیش آیا۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ یہی تھی کہ حضور ﷺ دنیا میں کسی سے نہ پڑھیں اور اللہ تعالیٰ خود آپ کو پڑھائیں چنانچہ قرآن حکیم میں اس سعادت کا یوں اعلان فرمایا: ﴿سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰٓی﴾ (الاعلیٰ:6)

"(اے محبوب) اب ہم تمہیں قرآن پڑھائیں گے پس تم نہ بھولو گے"۔

نزول قرآن کا سلسلہ شروع ہوا اور وہ کچھ پڑھا دیا اور سکھا دیا جو کسی نے نہ پڑھا اور نہ سیکھا تھا۔

## 7.3 وحی کی اہمیت اور ضرورت

انسان جب پیدا ہوتا ہے تو وہ بعض چیزوں کے بارے میں فطرت کی طرف سے ہدایت لے کر پیدا ہوتا ہے۔ ایک نوزائیدہ بچے کو بھی بھوک کی کیفیت اور اسے دور کرنے کا طریقہ بتانے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ فطری طور پر بعض باتوں کا علم رکھتا ہے۔ پھر بہت سی باتیں انسان اپنے حواس سے معلوم کرتا ہے، مثلاً وہ محسوسات کے بارے میں دیکھ کر، سن کر، چکھ کر، سونگھ کر اور چھو کر بہت کچھ جان لیتا ہے۔ جو چیزیں محسوسات کے زمرے میں نہیں آتیں ان کے بارے میں انسانی عقل اس کی رہنمائی کرتی ہے گویا انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے تین رہنما رکھے ہوئے ہیں:

فطرت، حواس اور عقل۔

لیکن بہت سی باتیں ایسی ہیں جن تک عقل کی رسائی بھی نہیں ہوتی مثلاً:

- انسان ہزاروں برس سے یہ جاننا چاہتا ہے کہ کائنات کیا ہے؟
- زندگی کیا ہے؟
- خیر وشر کیا ہے؟
- انسان کا آغاز وانجام کیا ہے؟
- اس کائنات کا اگر کوئی خالق ہے تو اس سے رابطہ پیدا کرنے کی صورت کیا ہے؟
- سکونِ قلب کیسے اور کہاں سے حاصل ہوسکتا ہے؟

یہ ایسے سوالات ہیں کہ ہزارہا سال کی کوشش کے باوجود انسانی عقل ان کے جواب مہیا نہیں کرسکی، اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ انسان کو اس معاملے میں اللہ کی مدد کی ضرورت ہے۔

چنانچہ انہی سوالات کا جواب دینے کے لئے اللہ نے کچھ برگزیدہ بندوں کو منتخب کیا ہے جن کی زبان سے وہ گفتگو کرتا ہے اور اسی کا نام وحی ہے۔ جب انسان اپنی بے پناہ عقلی ترقی کے باوجود قدم قدم پر خدائی ہدایات کا محتاج ہے تو ضرورت تھی کہ اللہ کی طرف سے انسانوں کی ہدایت کا انتظام کیا جاتا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام کیا اور اس کا نام نبوّت یا رسالت رکھا۔

## 7.4 پہلے پانچ مسلمان

آغاز وحی کے بعد حضور اکرم ﷺ غار حرا سے گھر تشریف لے گئے اور سیدہ خدیجہؓ سے زندگی کے اس نئے اور انوکھے تجربے کا ذکر فرمایا۔ وہ حضور اکرم ﷺ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو انجیل کے عالم تھے اور عبرانی زبان میں انجیل کا ترجمہ کیا کرتے تھے۔ انجیل میں جو کچھ حضور اکرم ﷺ کے بارے میں تھا، وہ سب کچھ جانتے تھے۔ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے سارا ماجرا سن کر انہوں نے کہا:

> ''یہ وہی فرشتہ ہے جسے اللہ نے اس سے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا، کاش میں آپ ﷺ کی نبوت کے وقت نوجوان ہوتا، کاش اس وقت تک جب آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کو وطن سے نکال دے گی، میں زندہ رہتا!''۔

ورقہ بن نوفل تو دل میں یہ حسرت لئے چلے گئے مگر سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دل میں بات گھر کرگئی۔ تاریخ

اسلام میں سب سے پہلے ایمان لانے والی یہی مقدس خاتون تھیں۔ان کے بعد جوانوں میں سب سے پہلے اسلام حضرت صدیق اکبر ؓ لائے ،لڑکوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ،حضرت زید بن حارث اور حضرت بلال حبشی ؓ آزاد کردہ غلاموں میں سب سے پہلے اسلام لائے۔

## 7.5 خاموش تبلیغ

وحی کا آغاز گویا رسالت کا آغاز تھا مگر ابھی اعلان کا حکم نہ ہوا تھا اس لئے ابتدائی تین سال پوشیدہ طور پر اسلام کی اشاعت ہوتی رہی اور نماز بھی پوشیدہ طور پر پڑھی جاتی رہی۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی کوششوں سے مزید جلیل القدر لوگ مشرّف بہ اسلام ہوئے مثلاً:

- حضرت عثمان ؓ بن عفان۔
- حضرت زبیر ؓ بن عوام۔
- حضرت عبدالرحمان ؓ بن عوف۔
- حضرت سعد ؓ بن ابی وقاص۔
- حضرت طلحہ ؓ بن عبید اللہ۔

ان میں سے ہر ایک بعد میں آفتاب و ماہتاب بن کر چمکا۔613ء میں حضور اکرم ﷺ نے برملا نبوت کا اعلان فرمایا اور آپ ﷺ کو حکم دیا گیا:

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ﴾ (سورۃ الشعراء:11)

"آپ کو جو حکم دیا گیا ہے کہہ دیجئے"۔

اس حکم کے بعد حضور اکرم ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر قریش کو پکارا۔ان کو معلوم نہ تھا کہ کیا اعلان ہونے والا ہے، وہ بے خبر تھے، دوڑے دوڑے آئے کہ انہوں نے ہی آپ کو صادق و امین کا خطاب دیا تھا۔آپ ﷺ نے ان کو اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا اور اسلام کی دعوت دی۔ سب لوگ برہم ہو گئے اور منتشر ہو گئے پھر آپ ﷺ نے خاندان عبدالمطلب کو جمع کر کے اسلام کی دعوت دی۔ جب چالیس مسلمان ہو گئے تو آپ ﷺ نے حرم کعبہ میں جا کر توحید کا اعلان کیا۔اس پر چاروں طرف سے لوگ ٹوٹ پڑے اور ایذا رسانی کے درپے ہو گئے ۔منصب رسالت پر فائز ہونے کے بعد اب مکی زندگی کا آغاز ہوتا ہے جس کی ایذا رسانیوں کے تصور سے بھی روح انسانی کانپتی ہے۔

# 7.6 خود آزمائی نمبر 7

سوال نمبر 1- مختصراً جواب تحریر کیجئے۔

(ا) بعثت سے قبل حضور اکرم ﷺ کس غار میں گوشہ نشین ہوئے؟

(ب) وحی نازل ہونے سے پہلے حضور اکرم ﷺ پر کیا کیفیت گزری؟

(ج) نزول وحی کے وقت حضور اکرم ﷺ کے ساتھ کیا صورت پیش آئی؟

(د) پہلی مسلمان عورت اور پہلے مسلمان مرد کا نام بتایئے۔

سوال نمبر 2- وحی کی اہمیت پر مختصر نوٹ لکھیئے۔

# 8۔ ابتدائی دعوت دین کے تین بنیادی نکات

اسلام کے زیادہ تر احکام بعد کے دور میں نازل ہوئے۔قرآن حکیم تیئس (23) سال تک نازل ہوتا رہا اور مختلف احکام وقتاً فوقتاً نازل ہوئے۔اس ابتدائی زمانے میں رسول اکرم ﷺ کی دعوت کے تین بنیادی نکات تھے۔

1- توحید باری پر ایمان۔　　2- نبوت ورسالت پر ایمان۔

3- آخرت پر ایمان۔

اس کے علاوہ آپ ﷺ نیکوکاری اور اخلاق حسنہ پر بھی زور دیتے جس کا ذکر آپ اسی یونٹ میں آگے ہجرت حبشہ کے زیر عنوان حضرت جعفر طیار ؓ کی تقریر میں پڑھیں گے۔

عبادات میں سے نماز شروع سے ہی فرض ہوگئی تھی لیکن جو پانچ نمازیں ہم اب پڑھتے ہیں یہ معراج کے موقع پر فرض ہوئیں۔ابتداء میں دو نمازیں پڑھنے کا حکم تھا اور وہ بھی دو دو رکعت۔

اعلانیہ تبلیغ کے بعد مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ ہر نیا مسلمان اپنی جگہ ایک مبلغ بن کر اپنے حلقے میں تبلیغ شروع کر دیتا۔ مرد اور عورتیں دونوں پورے جوش وخروش سے اس کام میں شریک ہو گئے چنانچہ اس کا ردعمل بھی شدید ہونے لگا۔

## 8.1 مخالفت اور ایذا رسانی

جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ مسلمانوں کی تعداد جب چالیس (40) تک پہنچ چکی تو آنحضرت ﷺ نے ایک دن حرم کعبہ میں جا کر توحید کا اعلان کیا۔ دفعتاً ایک ہنگامہ بپا ہو گیا۔ ہر طرف سے لوگ آپ ﷺ پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر ابو ہالہ کے بیٹے حارث کو جو آنحضرت ﷺ کی کفالت میں تھے، خبر ہوئی تو دوڑے ہوئے آئے اور آپ ﷺ کو بچانے کی کوشش میں شہید ہو گئے۔ اسلام کی راہ میں یہ پہلا خون تھا جو خانہ کعبہ کے صحن میں بہایا گیا۔

آغاز میں مشرکین نے اسلام کی دعوت کو زیادہ اہمیت نہیں دی لیکن مکہ مکرمہ میں جب اسلام کی اشاعت ہونے لگی اور اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا، جن میں نوجوانوں کی تعداد زیادہ تھی تو بڑوں کو بہت دکھ ہوا کہ ہماری اجازت اور مرضی کے بغیر یہ کیوں اپنے آبائی دین سے برگشتہ ہوئے ہیں۔ مشرکین کی مخالفت کے کئی اسباب تھے مثلاً:

1۔ اسلام ان کے عقائد اور رسوم کو غلط قرار دیتا ہے۔

2۔ ان کے جھوٹے خداؤں کو جہنم کا ایندھن بتاتا تھا۔

3۔ قریش کی بداخلاقیوں کا قرآن میں اعلانیہ ذکر کیا جاتا تھا۔

آنحضرت ﷺ دعوتِ اسلام میں مصروف تھے اور قریش نے آپ ﷺ کو طرح طرح سے ایذائیں دینا شروع کر دیں۔ابولہب کی بیوی امّ جمیل آپ ﷺ کی چچی ہونے کے باوجود خاردار درختوں کی ٹہنیاں لاتی اور آپ ﷺ کے راستے میں ڈال دیتی تاکہ آپ ﷺ رات کو باہر نکلیں تو ان سے تکلیف اٹھائیں، ابولہب غلاظت بھرے ٹوکرے آپ ﷺ کے دروازے کے سامنے انڈیل دیتا۔آپ ﷺ حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ابوجہل کی تجویز پر عقبہ بن ابی معیط اونٹ کی اوجھڑی اٹھا لایا اور جب آپ ﷺ سجدے میں گئے تو آپ ﷺ کی پشتِ مبارک پر رکھ دی۔ یہ اتنی بوجھل تھی کہ آپ ﷺ سجدے سے سر نہ اٹھا سکے۔حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بچی تھیں۔اطلاع ملی تو دوڑی آئیں اور نہ صرف غلاظت کے اس بوجھ کو دُور کیا بلکہ ابوجہل کو ملامت بھی کیا۔ابوجہل اس قدر شقی القلب تھا کہ اس نے ننھی بچی کو زور سے طمانچہ مارنے سے بھی دریغ نہ کیا جس سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں۔لیکن آپ ﷺ نے ان تمام سختیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔

آپ نے تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں بارہا پڑھا ہوگا کہ اسلام کی دعوت وتبلیغ کی راہ میں رسولِ اکرم ﷺ کو بڑی بڑی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ اس کی وجہ کیا تھی؟ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو حضور ﷺ کی پہلی دعوت پر ہی تمام لوگ مسلمان ہو جاتے اور آپ کو کسی قسم کی پریشانی نہ اٹھانا پڑتی اور اگر مسلمان نہ ہوتے تو بھی آپ ﷺ کی مخالفت نہ کرتے اور آپ ﷺ کو ان مشکلات سے نہ گزرنا پڑتا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان مشکلات سے کس لیے گزارا؟

1۔ اس لیے کہ تمام دنیا کے سامنے آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق، بلند کردار، اپنے پیغام سے اخلاص اور اپنے دعوے کی صداقت واضح ہو جائے۔ ہم بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ کوئی بہت بڑا پروگرام لے کر اٹھتے ہیں لیکن راستے کی مشکلات سے گھبرا کر اپنے پروگرام سے ہی دست بردار ہو جاتے ہیں لیکن جتنی آنحضرت ﷺ پر زیادتیاں بڑھتی گئیں، آپ ﷺ کا جوش وخروش اور آپ ﷺ کا عزم واستقلال اسی قدر بڑھتا گیا۔

2۔ آپ ﷺ کو اگر پہلے دن سے ہی لوگ نبی اور رسول مان لیتے تو پھر یہ تجزیہ ممکن نہیں تھا کہ مشکل حالات میں آپ کا اخلاق و کردار کیا ہے؟

3۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس شدید دشمنی کے باوجود جو کفار کو آپ ﷺ کی ذات سے تھی، آپ ﷺ نے ان کے خلاف باقاعدہ جنگیں تو کی ہیں لیکن کوئی ایسی خفیہ سازش اور ایسا منصوبہ نہیں بنایا جو آپ ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کے اخلاق و کردار سے مطابقت نہ رکھتا ہو یا جسے عدل کے بلند ترین معیار کے مطابق نہ قرار دیا جائے۔

4۔ اگر آپ ﷺ کو ان مشکلات سے نہ گزرنا پڑتا تو مستقبل میں دین کے کام کرنے والوں کے لیے سنگین حالات میں کوئی نمونہ اور مثال نہ ہوتی اور انہیں یہ معلوم نہ ہوتا کہ اگر دین کی راہ میں مشکلات، مخالفتوں اور ایذا رسانیوں کا سامنا کرنا پڑے تو ایک سچے مبلغ اور داعی کے لیے پیغمبر اسلام کی سیرت میں کیا نمونہ ہے؟

## 8.2 صحابہ کرام ؓ کی تعذیب

آدمی بسا اوقات اپنے اوپر ہونے والے ظلم کو صبر و سکون سے برداشت کر لیتا ہے لیکن اپنے خاندان، دوستوں اور اعزا و اقارب کے ساتھ زیادتی برداشت نہیں کر سکتا اور پھر آنحضرت ﷺ جیسا نرم دل اور شفیق انسان جو کسی کی ذرا سی تکلیف بھی برداشت نہ کر سکتے تھے، ان کی اذیتیں کیسے برداشت کرتے ہوں گے۔ آپ ﷺ کو اذیت پہنچانے اور آپ ﷺ کو تبلیغ سے باز رکھنے کے لیے مشرکین نے صحابہ و صحابیات کو بھی سخت اذیتیں دیں۔ حضرت بلال حبشیؓ، حضرت صہیب رومیؓ، حضرت عمارؓ بن یاسر اور حضرت خبابؓ بن ارت ؓ اور عورتوں میں حضرت سمیہؓ، زنیزہ، لبینہ، لندیہ اور ام عبیس کے نام اس ستم رسیدہ جماعت میں سے چند اہم افراد کے نام ہیں، انہیں ستانے کے لیے قریش نے نئے نئے طریقے ایجاد کیے۔ ٹھیک دوپہر کے وقت تپتے ہوئے سنگریزوں پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھ دیتے کہ کروٹ نہ بدل سکیں۔ لوہے کو آگ پر گرم کر کے اس سے داغتے، پانی میں ڈبکیاں دیتے، دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹاتے اور اس وقت تک جنبش نہ لینے دیتے جب تک زخموں کی رطوبت سے آگ بجھ نہ جاتی۔ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو ابوجہل نے نیزے کے ساتھ ایسا زخمی کر دیا کہ وہ زخم کی تاب نہ لا کر بالآخر شہید ہو گئیں۔

حضور ﷺ نے یہ سب کچھ دیکھا اور صحابہ کرام ؓ کو صبر کی تلقین کی لیکن آپ ﷺ نے اور نہ کسی صحابی یا صحابیہ نے ان

مصائب کی وجہ سے اپنے موٴقف میں کبھی کوئی لچک پیدا کی۔

## سرگرمی

ایسے چار غلاموں کے نام لکھیے جن کو ناقابل برداشت اذیت سے بچانے کے لیے حضرت ابوبکرؓ نے خرید کر آزاد کیا تھا(جواب کی تلاش کے لیے شبلی کی سیرت النبیﷺ ج 1 ص232 اور دیگر کتب سیرت کا مطالعہ کیجئے)

-1 ____________________

-2 ____________________

-3 ____________________

-4 ____________________

# 8.3 خود آزمائی نمبر 8

1۔ پہلی وحی کون سے مہینے میں نازل ہوئی اور کس تاریخ کو؟

2۔ پہلی وحی کے موقع پر حضورﷺ کہاں مقیم تھے؟۔(غار ثور ۔ غار حرا ۔ حرم کعبہ)

3۔ حضرت خدیجہؓ کے چچازاد کا کیا نام تھا جن کے پاس وہ حضورﷺ کو لے گئی تھیں؟
(ورقہ بن نوفل ۔مطعم بن عدی۔حکیم بن حزام)

4۔ فترتِ وحی کا کیا مطلب ہے؟

5۔ فترتِ وحی کا کتنا عرصہ ہے؟

6۔ پہلے پہل اسلام لانے والوں کا نام لکھیں۔

عورتوں میں: مردوں میں: لڑکوں میں: غلاموں میں:

7۔ وہ تیرہ سالہ لڑکا کون تھا جس نے دعوت میں حضورﷺ کی حمایت کا اعلان کیا؟

8۔ جس پہاڑی پر کھڑے ہو کر حضورﷺ نے قبائل قریش کا پکارا، اس کا نام کیا ہے؟ (صفا، مروہ، احد)

9۔ معراج سے پہلے کتنی نمازیں فرض تھیں؟

10۔ حارث بن ابی ہالہ کون تھے؟

11۔ اسلام کے لیے سب سے پہلے جان کی قربانی کس نے دی؟

12۔ ام جمیل کس کی بیوی تھی؟

13۔ حضورﷺ کی پشت پر اوجھڑی کس دشمن اسلام نے رکھی تھی؟

14۔ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کس کے ہاتھوں شہید ہوئیں؟

# 9- ہجرتِ حبشہ

قریش کا ظلم وستم جب حد سے بڑھ گیا تو رسول اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام ؓ کو اجازت دی کہ جو کوئی ہجرت کرنا چاہے حبشہ (جسے آج کل ایتھوپیا کہتے ہیں) کی طرف ہجرت کر جائے کیونکہ وہاں کا بادشاہ جس کا لقب نجاشی تھا، عیسائی تھا اور بہت انصاف پسند تھا وہ اپنے ملک میں کسی پر ظلم نہیں ہونے دیتا تھا۔

پہلی مرتبہ جن مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی ان کی تعداد سولہ تھی جن میں بارہ مرد اور چار عورتیں تھیں۔ان مہاجرین میں حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر حضرت عثمان ؓ بھی شامل تھے۔

قریش کے لوگوں کو اس ہجرت کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے مہاجروں کو گرفتار کرنے کے لیے ان کا پیچھا کیا مگر وہ اس میں ناکام رہے۔کچھ عرصے کے بعد حبشہ میں مہاجر مسلمانوں کو یہ خبر ملی کہ قریش مکہ کی اکثریت مسلمان ہو گئی ہے۔ انہیں خیال ہوا کہ اب مکہ میں امن ہو گیا ہوگا۔اس لیے یہ مہاجر واپس آ گئے مگر یہاں آ کر دیکھا تو حالات پہلے سے خراب تھے۔رسول اللہ ﷺ نے پھر مسلمانوں کو حبشہ چلے جانے کی اجازت دے دی۔اس بار 83 مسلمانوں نے جن میں 11 قریشی خواتین بھی تھیں، حبشہ کو ہجرت کی۔اس میں حضرت جعفر طیار ؓ بھی تھے۔ان کو آنحضرت ﷺ نے نجاشی کے نام ایک خط بھی دیا۔

مسلمان حبشہ میں امن وسکون سے رہنے لگے لیکن قریش مکہ کو یہ بات گوارا نہیں تھی۔انہوں نے مہاجرین کو حبشہ سے واپس لانے کے لیے دو افراد عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص پر مشتمل ایک سفارت تحفے تحائف دے کر شاہ حبشہ کی خدمت میں بھیجی۔انہوں نے بادشاہ اور درباریوں کو اپنے تحائف اور چرب زبانی سے متاثر کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور بادشاہ سے کہا کہ یہ ہمارے لونڈی غلام بددین ہو کر یہاں پناہ گزین ہو گئے ہیں، ان کو ہمارے حوالے کیا جائے مگر نیک دل بادشاہ نے کہا کہ مناسب ہے کہ ان کی بات بھی سن لی جائے چنانچہ صحابہ کرام ؓ کو بلایا گیا۔حضرت جعفر طیار ؓ نے اس موقع پر مسلمانوں کی نمائندگی کرتے ہوئے جو تقریر کی، وہ اسلام کی بہترین تصویر پیش کرتی ہے

> ''اے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، بت پوجتے تھے۔مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، ہمسایوں کو ستاتے تھے۔ بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے۔اسی اثنا میں ہم میں

ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت اور صداقت و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے۔اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور یہ سکھلایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں۔ سچ بولیں۔خون ریزی سے باز آئیں۔ یتیموں کا مال نہ کھائیں۔ ہمسایوں کو آرام دیں۔ پاکباز عورتوں پر تہمت نہ لگائیں، نماز پڑھیں۔روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں، ہم اس پر ایمان لائے، شرک اور بت پرستی چھوڑ دی اور تمام اعمال بد سے باز آئے۔
اس جرم پر ہماری قوم ہماری دشمن ہوگئی اور ہم کو مجبور کرتی ہے کہ اس گمراہی میں واپس آجائیں"

## سرگرمی

حضرت جعفر طیار ؓ کی اس تقریر میں مشرکانہ اور اسلامی اعمال وصفات کا ذکر کیا گیا ہے۔آیئے !انہیں الگ الگ کریں۔

| مشرکانہ اعمال وصفات | اسلامی اعمال وصفات |
|---|---|
| 1۔ جہالت | 1۔ صرف اللہ کی عبادت |
| 2۔ بت پرستی | 2۔ راست گوئی |
| 3۔ مردار خوری | 3۔ خون ریزی سے پرہیز |
| 4۔ بدکاری | 4۔ یتیموں کا مال نہ کھانا |
| 5۔ ہمسایوں کو ستانا (ایذارسانی) | 5۔ ہمسائے کے حقوق ادا کرنا |
| 6۔ ظلم | 6۔ پاکباز عورتوں پر تہمت لگانے سے بچنا |
| 7- بھائیوں پر ظلم | 7۔ نماز کی پابندی |
| 8- کمزوروں پر ظلم | 8۔ روزے رکھنا |
| 9۔ زکوٰۃ نہ دینا | 10۔ نبی ﷺ پر ایمان |

اس تقریر سے شاہ حبش اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے صحابہ کرام ؓ کو واپس کرنے سے انکار کردیا۔اگلے روز یہ سفارت دوبارہ نجاشی کے دربار میں پیش ہوئی اور مسلمانوں پر یہ الزام عائد کیا کہ مسلمان حضرت عیسیٰ کے منکر ہیں مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفر طیار ؓ نے سورۂ مریم کی وہ آیات تلاوت کیں جن میں یہ بتایا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام

روح اللہ وکلمۃ اللہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے پاک دامن حضرت مریم کو عنایت فرمایا تھا۔ اس جواب سے نجاشی نہ صرف مطمئن ہو گیا بلکہ اس نے ایک تنکا اٹھا کر کہا کہ: "بخدا! تم نے جو کچھ کہا ہے عیسیٰ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں"۔

نجاشی کی یہ بات سن کر درباری راہب اور عیسائی عالم برہم ہوئے لیکن اس نے کسی کی پرواہ نہیں کی اور قریش کی یہ سفارت مکمل طور پر ناکام ہوگئی۔

## سرگرمی

سورۂ مریم کی آیت 16-36 تک باترجمہ پڑھیں اور عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس رکوع میں بیان کیے گئے حقائق کو ذیل میں ترتیب وار لکھیں:

______________________________

______________________________

______________________________

______________________________

## خود آزمائی نمبر 9

1۔ حبشہ کا بادشاہ کون تھا؟

2۔ مکے والوں کے سفیروں کے نام بتائیں۔

3۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کا حضور اکرم ﷺ سے کیا رشتہ تھا؟

4۔ دوسری بار حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں کی تعداد بتائیں۔

5۔ شاہ حبشہ کے دربار میں سورہ مریم کی آیات کی تلاوت کس صحابی نے کی؟

# 10- مشکلات میں اضافہ

مسلمانوں کی ایک خاصی تعداد کے ہجرت کر جانے کے بعد مکہ معظمہ میں حضور ﷺ کے لیے حالات اور بھی دشوار ہو گئے۔ آپ ﷺ کے لیے یہ ممکن نہ رہا کہ آپ ﷺ امن وسکون سے مکے میں کوئی تبلیغی کام کر سکیں۔اس لیے آپ ﷺ مضافات میں تشریف لے جاتے۔ وہاں لوگوں تک دین کا پیغام پہنچاتے۔خصوصاً حج کے دنوں میں جو اجنبی یہاں آتے آپ ﷺ انہیں اسلام کی دعوت دیتے۔ابولہب کو آپ ﷺ سے اتنی عداوت ہو گئی تھی کہ ہر جگہ آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے جاتا اور جب بھی آپ ﷺ کسی سے مخاطب ہوتے تو شور مچا دیتا اور غلط سلط باتیں کر کے اس اجنبی کو بات سننے سے روک دیتا۔ آپ ﷺ تجارتی میلوں میں تبلیغ کے لیے تشریف لے جاتے تو پتھر لے کر آپ ﷺ کے پیچھے ہو جاتا اور پتھر مار مار کر آپ ﷺ کو لہولہان کر دیتا۔

نبوت کو تقریباً پانچ سال گزرے تھے کہ حضور ﷺ ایک مخلص مسلمان حضرت ارقم بن ابی رقم کے گھر میں (جو کہ صفا کے سامنے تھا اور اب مسجد حرام کی توسیع کے باعث مسجد میں آ گیا ہے) تشریف رکھنے لگے۔اس گھر کو جو خاصا کشادہ تھا، اسلامی مرکز بنا دیا گیا۔تمام مسلمانوں کو اس مرکز کی اطلاع تھی۔جب کوئی اجنبی مسلمان ہونے کے لیے آتا تو اسے یہیں پہنچا دیا جاتا۔ بیت الارقم اتنا کشادہ تھا کہ اس میں تیس آدمی آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز باجماعت پڑھ سکتے تھے۔

## 10.1- قریش کی معاندانہ تدبیریں

قریش حیران تھے کہ آپ یہ سب سختیاں کیوں جھیلتے ہیں۔انہوں نے آپ ﷺ کو اسلام کی تبلیغ سے باز رکھنے کے لیے دوسرے طریقے اختیار کرنے شروع کیے۔ پہلے عتبہ بن ربیعہ کے ذریعے آپ ﷺ کو خوبصورت لڑکیوں، روپے پیسے اور مکے کی بادشاہت کی پیش کش کی، صرف اس شرط پر کہ آپ ان کے بتوں کو برا نہ کہیں۔آپ ﷺ نے عتبہ کی بات کے جواب میں سورۂ حٰمٓ السجدہ کی آیات تلاوت کیں۔عتبہ لاجواب ہو کر چلا گیا۔

پھر حضور ﷺ کو پیش کش کی گئی کہ ہم آپ ﷺ کے رب پر ایمان لاتے ہیں، آپ ﷺ ہمارے خداؤں پر ایمان لائیں، اس پر سورۂ الکافرون نازل ہوئی۔

آخر تھک ہار کر قریش کے کچھ سردار جناب ابو طالب کے پاس پہنچے اور کہا کہ

''ہم تمہاری بڑی عزت کرتے ہیں لیکن تمہارا بھتیجا ہمارے اندر تفرقہ ڈال رہا ہے اور فساد پھیلا رہا

ہے۔تمہاری خاطر ہم نے اب تک اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی اگر تم نہ روکو گے تو ہم اسے جبراً خاموش کر دینے پر مجبور ہو جائیں گے"۔

ابو طالب اپنی قوم کی شدید مخالفت سے گھبرا گئے اور آپ ﷺ کو بلا کر ساری بات بتائی اور کہا کہ

"بیٹے! میری کمزوری اور بڑھاپے پر ترس کھاؤ، مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جو میں اٹھا نہ سکوں"۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

"چچا جان! بخدا اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں میں چاند بھی رکھ دیں اور مجھے اس تبلیغ سے روکیں تو میں ہرگز نہیں رکوں گا سوائے اس کے کہ یا تو یہ دین غالب ہو جائے، یا میں جان کھو دوں"۔

## 11- حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے رضاعی بھائی بھی تھے اور بنو ہاشم کے انتہائی باغیرت، بہادر اور جرات مند سپوت بھی، انہیں شکار کا بہت شوق تھا۔ایک دن شکار سے واپسی پر ایک باندی نے انہیں بتایا کہ آج تمہارے بھتیجے محمد ﷺ کو ابو جہل نے سخت تکلیف دی ہے اور برا بھلا کہا ہے۔ان کی حمیت جوش میں آ گئی۔ابو جہل کو تلاش کرتے ہوئے خانہ کعبہ کے صحن میں پہنچے جہاں وہ اپنے دوستوں اور حامیوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔جاتے ہی فولادی کمان اس کے سر پر دے ماری اور لہولہان کر دیا اور کہا "کیا تو سمجھتا ہے کہ محمد ﷺ کا کوئی محافظ نہیں، سُن لو میں بھی مسلمان ہوتا ہوں"۔ ابو جہل پر اس قدر ہیبت طاری ہوئی کہ اسی طرح خون آلودہ صحن کعبہ میں پڑا رہا اور نہ خود مزاحمت کی، نہ اس کے دوستوں میں سے کسی نے مدافعت میں ہاتھ اٹھایا۔وہاں سے حضرت حمزہ سیدھے رسول اکرم ﷺ کے پاس پہنچے اور کہا:

"بھتیجے! تم یہ سن کر خوش ہو گے کہ میں نے ابو جہل سے تمہارا بدلہ لے لیا ہے"۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

"چچا! میں ایسی باتوں سے خوش نہیں ہوتا، ہاں آپ مسلمان ہو جائیں تو مجھے بڑی خوشی ہو گی"۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے (حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسلام کی حمایت میں بڑی جرات اور بہادری کا مظاہر کیا اور غزوۂ احد میں شہید ہو گئے۔اس کی تفصیلات آپ اگلے یونٹ میں پڑھیں گے)

# 12۔ حضرت عمرؓ کا قبول اسلام

حضرت عمرؓ کو بھی آغاز میں اسلام اور اہل اسلام سے بے حد دشمنی تھی چنانچہ دیگر مشرکین کی طرح وہ بھی اسلام لانے والوں کو ستاتے لیکن جب دیکھا کہ کوئی تدبیر اسلام کی اشاعت کے خلاف کارگر نہیں ہوتی تو حضور ﷺ کو (معاذ اللہ) قتل کرنے کا فیصلہ کیا اور مسلح ہو کر گھر سے نکلے۔ راستے میں نعیم بن عبداللہ (جو مسلمان تھے) ملے۔ ان کو عمر کے ارادے کا علم ہوا تو کہا کہ تمہاری بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔ بنو ہاشم ایسے طاقت ور قبیلے سے جنگ مول لینے سے پہلے اپنے گھر کو تو درست کرلو۔

فوراً بہن کے گھر پہنچے، اندر بہن فاطمہ اور بہنوئی سعید بن زید حضرت خباب بن الارت سے قرآن پڑھ رہے تھے۔ آواز کان میں پڑی تو یقین ہو گیا کہ نعیم کی خبر درست تھی۔ غصے سے دروازہ کھٹکھٹایا، بہن نے جلدی سے قرآن کے اوراق چھپا لیے اور انہوں نے دروازہ کھول دیا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا پڑھ رہے تھے، مجھے دکھاؤ اور اس کے ساتھ ہی بہنوئی کو مارنا شروع کر دیا۔ بہن نے چھڑانا چاہا تو اس زور سے منہ پر گھونسا رسید کیا کہ خون بہنے لگ گیا۔ آخر وہ بھی عمر کی بہن تھیں۔ جوش میں آکر کہنے لگیں کہ جو چاہو کرلو، ہم مسلمان ہو گئے ہیں، عمر نے بہن کو زخمی حالت میں دیکھا تو شرمندہ ہوئے اور نرمی سے کہنے لگے کہ مجھے بتاؤ کیا پڑھ رہے تھے۔ بہن نے بھائی کو بہت کچھ تلخ و ترش سنانے کے بعد کہا تم نہا کر آؤ تب اسے ہاتھ لگا سکتے ہو۔ وہ نہا کر آئے اور قرآن کے ان اوراق کو پڑھنے لگے جو اس گھر میں تھے۔ ایک ایک لفظ دل پر اثر کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے

﴿اٰمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾　　”اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ“

تو کہا میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں، بتاؤ کس طرح مسلمان ہوتے ہیں۔

حضرت خباب بن الارت جو حضرت عمر کی آواز سن کر پردے میں پیچھے چھپ گئے تھے، باہر نکل آئے اور کہا:

اے عمر! کل ہی رسول اللہ نے دعا کی تھی کہ ”اے اللہ! عمر بن ہشام (ابوجہل) یا عمر بن خطاب سے اسلام کو تقویت دے“۔ مبارک ہو کہ یہ سعادت تمہارے حصے میں آئی۔

پھر حضرت عمرؓ کو ساتھ لے کر بیت الارقم آئے۔ حضرت عمرؓ اسی طرح مسلح تھے۔ دروازہ کھٹکھٹانے پر حضرت عمرؓ کو دیکھ کر اندر والوں کو ہچکچاہٹ ہوئی مگر حضورﷺ نے فرمایا: دروازہ کھول دو۔ جب عمرؓ اندر آئے تو حضورﷺ نے کپڑے سے پکڑ کر جھنجوڑا اور فرمایا: عمر کس ارادے سے آئے ہو؟

حضرت عمرؓ نے فوراً کلمہ شہادت پڑا۔ یہ اتنا اچانک اور غیر متوقع تھا کہ تمام صحابہ کرامؓ نے بے ساختہ "اللہ اکبر" کا نعرہ بلند کیا جس سے پورا علاقہ گونج اٹھا۔ جب حضرت عمرؓ ایمان لائے تو مسلمانوں کی تعداد خاصی ہو چکی تھی لیکن وہ بڑی بے کسی کی حالت میں تھے ان کے لیے اعلانیہ نماز پڑھنا بھی ممکن نہ تھا۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے اسلام کی تاریخ میں نیا دور شروع ہوا۔ انہوں نے بھرے مجمع میں اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ تمیں چالیس مسلمانوں کی جماعت کو قطار میں لے کر حرم کعبہ میں پہنچے، باجماعت نماز ادا کی اور کسی شخص کو ہمت نہ ہوئی کہ حضرت عمرؓ کے مقابلے میں آتا۔

# 13۔ بنو ہاشم کا مقاطعہ (بائیکاٹ)

## 13.1 شعب ابی طالب (7 نبوی)

حبشہ جانے والی سفارت ناکام واپس آئی تو مشرکین مکہ نے مسلمانوں کی ایذا رسانی میں اضافہ کرنے کے لیے ایک قرار داد تحریر کی کہ کوئی شخص بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب سے شادی بیاہ کے تعلقات نہ رکھے، ان سے خرید و فروخت نہ کرے بلکہ بات چیت تک نہ کرے۔ اس قرار داد کو اہمیت دینے کے لیے اسے خانہ کعبہ میں لٹکا دیا گیا۔ جناب ابو طالب اپنے خاندان سمیت شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے۔

اس دوران صرف حج کے دنوں میں اجنبی تاجروں سے کچھ نہ کچھ خریدا جا سکتا تھا لیکن وہ ذخیرہ بھی جلدی ختم ہو جاتا۔ کبھی کبھار حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا کوئی عزیز چوری چھپے کوئی چیز بھیج دیتا لیکن اس سے کیا بنتا، یہاں ایک دو آدمی نہیں دو قبیلوں کے افراد کی بات تھی۔ اس دوران میں بھوک مٹانے کے لیے بنو ہاشم نے جڑی بوٹیاں، گھاس کی جڑیں اور سوکھے اور بدمزہ چمڑے بھی ابال کر کھائے، ابولہب کے علاوہ خاندان بنو ہاشم کے تمام افراد اس ظلم کا شکار رہے۔

یہ بائیکاٹ تین سال تک جاری رہا۔ آخر مکہ کے کچھ نیک دل لوگوں نے ابو جہل کی شدید مخالفت کے باوجود اسے منسوخ کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس طرح 10 نبوی میں یہ بائیکاٹ ختم ہوا اور آپﷺ اپنے قبیلہ سمیت شعب ابی طالب سے باہر آئے۔

# 14- 10 نبوی کے تین اہم واقعات

## 14.1 عام الحزن (10 نبوی)

شعب ابی طالب کی محصوری نے کئی لوگوں کی صحتیں تباہ کر دی تھیں۔آنحضرت ﷺ شہر میں تشریف لائے تو جلد ہی امّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور چچا ابو طالب ؓ کی وفات ہو گئی۔ یہ دونوں افراد آپ کے لیے سہارے اور حمایت کا ذریعہ تھے۔ان کی یکے بعد دیگرے ایک سال کے اندر وفات سے آپ ﷺ کو بہت صدمہ ہوا۔آپ ﷺ اس سال کو عام الحزن یعنی غم کا سال کہا کرتے تھے۔

## 14.2 سفر طائف

چچا ابو طالب کی وفات کے بعد ابولہب بنو ہاشم کا سردار بنا۔ابولہب نے آپ ﷺ کی حمایت سے الگ ہونے کا اعلان کر دیا۔گویا معاذ اللہ اگر آپ ﷺ کو کوئی قتل کر دے تو خاندان بنو ہاشم انتقام نہیں لے گا۔اس کے ساتھ ہی قریش نے آپ کی ایذارسانی کا سلسلہ تیز کر دیا۔آپ ﷺ کے لیے مکہ معظمہ میں اپنا کام جاری رکھنا مشکل ہو گیا۔ مجبوراً آپ ﷺ 20 رشوال 10 نبوی کو اپنے خادم زید بن حارثہ کو ساتھ لے کر طائف تشریف لے گئے۔ طائف میں عمرو بن عمیر کے تین بیٹے عبد یالیل مسعود اور حبیب کا اقتدار تھا۔آپ ﷺ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا۔ان تینوں بھائیوں نے آپ ﷺ کی نہ صرف یہ کہ بات نہ سنی بلکہ شہر کے اوباشوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا جنھوں نے پتھر مار مار کر آپ ﷺ کو زخمی کر کے شہر سے باہر نکال دیا۔آپ ﷺ کو اس قدر پتھر مارے گئے کہ آپ ﷺ کے پاؤں لہولہان ہو گئے اور جوتے پاؤں کے ساتھ چپک گئے۔ طائف سے باہر ایک باغ میں ستانے کے لیے ٹھہرے۔اس بے بسی کے عالم میں آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے دُعا کے لیے اٹھائے دُعا ان الفاظ سے شروع کی۔

> ”الٰہی: میں تیرے پاس اپنی کمزوری، اپنے وسائل کی کمی اور لوگوں کی نگاہوں میں اپنی بے قدری کی شکایت کرتا ہوں“۔

آزمائش کا دور گزر چکا تھا۔دعا کی قبولیت کے آثار فوراً ظاہر ہونا شروع ہوئے۔ پہاڑوں کے فرشتے نے حاضر ہو کر عرض کی:

"حکم ہو تو طائف والوں کو ان دو (2) پہاڑیوں کے درمیان پیس دوں جن پر یہ آباد ہیں ،فرمایا!
نہیں ،اگر یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو امید ہے کہ ان کی آئندہ نسلیں ضرور ایمان لائیں گی"۔

چونکہ آپ ﷺ کی برادری کے سردار ابولہب نے آپ ﷺ کی حمایت کرنے سے انکار کر دیا تھا اس لیے واپسی پر مکہّ کے قریب پہنچ کر آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ایک رشتہ دار مطعم بن عدی کو پیغام بھیجا کہ مجھے اپنی حمایت میں لے لو۔ وہ اپنے بیٹوں کو لے کر مسلح حالت میں آپ ﷺ کو لینے کے لیے گیا اور اپنی اور اپنے بیٹوں کی تلواروں کے سائے میں خانہ کعبہ کا طواف کروایا اور اپنی حمایت کا برملا اعلان کیا تب آپ اپنے گھر جا سکے۔

## 14.3 واقعۂ معراج

27 رجب 10 نبوی کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو معراج کی سعادت سے مشرف فرمایا۔ سفر معراج پر جاتے ہوئے پہلے آپ ﷺ مسجد حرام سے بیت المقدس تشریف لے گئے، وہاں انبیاء کی جماعت کو نماز پڑھائی پھر آپ ﷺ آسمانوں کی سیر کو گئے اور انبیاء کرام سے ان کے مقامات پر ملتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المعمور تک پہنچے۔ آپ ﷺ نے جنت اور جہنم کو دیکھا اور راتوں رات واپس آ گئے۔ اسی سفر میں نماز پنجگانہ فرض ہوئی۔

آپ ﷺ نے جب قریش کو یہ واقعہ بتایا تو انہوں نے بہت مذاق اڑایا اور طرح طرح سے آپ ﷺ کو پریشان کرنے کی کوشش کی۔ وہ بیت المقدس کی عمارت کے بارے میں سوال کرنے لگے لیکن اللہ تعالیٰ نے وہ عمارت آپ ﷺ کی نگاہوں کے سامنے کر دی اور آپ ﷺ نے ان کی ایک ایک بات کا جواب دیا۔

آپ ﷺ نے راستے کے قافلوں کے بارے میں کئی نشانیاں بتائیں جن کی مشرکین نے بعد میں تحقیق کی اور وہ درست نکلیں لیکن انہیں پھر بھی ایمان کی توفیق نہ ہوئی۔

# 15- بیعتِ عَقَبہ

## 15.1 بیعتِ عقبہٴ اولیٰ

حج کے زمانے میں آپ ﷺ باہر سے آئے ہوئے قبائل تک بطور خاص اسلام کا پیغام پہنچاتے تھے۔ایک روز آپ ﷺ نے میدان منیٰ کے باہر عقبہ کے موڑ پر چھ آدمیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت دیکھی جو حج کرنے آئی ہوئی تھی۔ یہ سب مدینہ منورہ کے خزرج قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔آپ ﷺ نے انہیں تبلیغ کی تو وہ خود مسلمان ہو گئے۔انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ اپنے گھر جا کر اسلام کی تبلیغ کے لیے کوشش کریں گے۔

مدینہ میں جسے اس وقت یثرب کہتے تھے، یہود کے تین قبائل آباد تھے۔ یہود اہل کتاب تھے اور ان کے ساتھ رہنے کی وجہ سے مدینہ کے لوگ ان پیش گوئیوں سے واقف تھے جو پہلی کتابوں میں آخری نبی ﷺ کے بارے میں ہیں۔مدینہ کے یہود اوس اور خزرج کے قبائل کو دھمکاتے بھی رہتے تھے کہ جب نبی آخر الزمان آئیں گے تو ہم ان کے ساتھ مل کر تمہاری خبر لیں گے چنانچہ ان لوگوں نے اس خیال سے فوراً اسلام قبول کر لیا کہ کہیں یہود پیش قدمی کر کے ہم پر سبقت نہ لے جائیں۔مدینہ کے یہ چھ پہلے مسلمان، خزرج کی شاخ بنونجار سے تعلق رکھتے تھے جن سے آنحضرت ﷺ کی ننھیالی رشتہ داری بھی تھی۔

## 15.2 بیعتِ عقبہٴ ثانیہ

بیعتِ عقبہٴ اولیٰ میں شریک افراد نے اپنا وعدہ پورا کیا اور مدینہ جا کر انہوں نے گھر گھر حضور ﷺ کی بعثت کی خبر پہنچائی چنانچہ اگلے سال یعنی 11 نبوی میں حج کے زمانے میں 12 افراد حضور ﷺ سے ملنے آئے جن میں پانچ پرانے اور سات نئے تھے۔انہوں نے دوبارہ آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی خواہش پر آپ ﷺ نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اسلام کی تبلیغ اور تعلیم کے لیے مقرر فرمایا۔حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے مدینہ منورہ میں اسلام بہت سرعت سے پھیلنے لگا اور بعض اوقات تو پورے کا پورا خاندان بیک وقت اسلام قبول کر لیتا تھا۔

## 15.3 بیعتِ عقبہٗ ثالثہ

تیسرے سال یعنی 12 نبوی میں یثرب سے آنے والے پانچ سو(500) حاجیوں میں سے تہتر مسلمان مرد اور دو خواتین تھیں۔ یہ لوگ رات کے وقت آنحضرت ﷺ سے پہاڑ کی گھاٹی (عقبہ) میں ملے اور آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔حضور ﷺ اسلام کے مرکز کو اسی پر امن جگہ منتقل کرنے کے خواہشمند تھے تا کہ اللہ کے دین کو آزادی اور وسعت کے ساتھ پھیلا سکیں۔ دوسری طرف انصار مدینہ اس سعادت کے لیے آنکھیں فرش راہ کرنے کو تیار تھے۔ اس موقع پر آنحضرت ﷺ اپنے چچا حضرت عباس ؓ کو ساتھ لے گئے وہ اس وقت تک اگرچہ اپنے آبائی دین پر قائم تھے لیکن خونی رشتے کی وجہ سے حضور ﷺ کے ساتھ تھے انہوں نے انصار کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

> ''گروہ خزرج! محمد ﷺ اپنے خاندان میں معزز و محترم ہیں۔دشمنوں کے مقابلے میں ہم ہمیشہ ان کے لیے سینہ سپر رہے۔اب وہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں۔اگر تم مرتے دم تک ان کا ساتھ دینے کا وعدہ کرتے ہو تو بہتر ورنہ صاف جواب دے دو۔تمہیں معلوم ہے کہ قریش مکہ محمد ﷺ کے جانی دشمن ہیں۔اگر تم ان سے کوئی عہد و اقرار کرنے لگے ہو تو پہلے سمجھ لینا کہ یہ نازک اور مشکل کام ہے۔ محمد ﷺ سے عہد و پیمان کرنا سرخ و سیاہ لڑائیوں کو دعوت دینا ہے جو کچھ کرو، سوچ سمجھ کر کرو''۔

انصار نے اس موقع پر یقین دہانی حاصل کی کہ ایسا نہ ہو کہ جب مسلمانوں کو قوت و اقتدار حاصل ہو جائے تو رسول اللہ ﷺ مدینہ والوں کو چھوڑ کر اپنے وطن واپس آ جائیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں تمہارا خون، میرا خون ہے، تم میرے، میں تمہارا ہوں، اس کے بعد بیعت ہوئی۔ جب انصار بیعت کر رہے تھے تو سعد بن زرارہ نے کھڑے ہو کر کہا:

> '' بھائیو! خبر بھی ہے، کس چیز پر بیعت کر رہے ہو۔ یہ عرب و عجم اور جن وانس کے خلاف اعلان جنگ ہے۔سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ہم اسی پر بیعت کرتے ہیں''۔

تعداد کی کثرت کے باعث آنحضرت ﷺ نے ان کے بارہ خاندانوں کے لیے 12 نقیب مقرر فرمائے اور بنو نجار کے اسعد بن زرارہ کو''نقیب النقباء'' بنایا۔اس تنظیم کو تاسیس مملکت اور معاہدۂ اجتماعی کی ایک شکل قرار دیا جا سکتا ہے۔

## 15.4 بیعتِ عقبہ اور مقاصد نبوی ﷺ

معاہدہ کی مذکورہ تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ یہ محض قبول اسلام ہی کی بیعت نہ تھی بلکہ یہ ایک عظیم سیاسی ودفاعی معاہدہ تھا جس کی ذریعے ایک طرف نبی ﷺ نے مکہ کے مسلمانوں کی پرامن رہائش کا مسئلہ حل فرمادیا تو دوسری طرف اسلامی ریاست کے مرکز کے لیے پرامن جگہ بھی حاصل کر لی۔

قبل از اسلام انصارِ مدینہ (اوس وخزرج) باہمی انتشار کا شکار تھے۔ وہ آپس کی لڑائیوں میں طاقت حاصل کرنے کے لیے یہود اور دیگر قبائل کو حلیف (دوست) بناتے تھے، اس معاہدہ سے نبی ﷺ نے ان کے باہمی انتشار ودشمنی کو ختم کر کے انہیں آپس میں جوڑنے کا بندوبست بھی فرمایا چنانچہ اوس وخزرج کو ایک مرکزی کمیٹی (نقباء) کے تحت جمع کیا گیا۔ اس کمیٹی کے ممبران (نقباء) اپنے قبیلوں میں غیر معمولی حیثیت رکھتے تھے۔ ان نقباء کو سیاسی قائد ومنتظم کا درجہ دے کر اوس و خزرج کو ایک وفاق میں باندھ دینا مقصود تھا چنانچہ انصار نے ان (قائدین) کو اپنا سیاسی قائد تسلیم کر لیا۔ اس طرح اوس اور خزرج کی شیرازہ بندی کی صورت ممکن ہوئی۔

## عمومی جائزہ

1۔ اس معاہدہ کے ذریعے اسلامی ریاست کا قیام ممکن ہوا اور مرکز ریاست کا بندوبست ہوا۔ دوسرے لفظوں میں بیعتِ عقبہ ثالثہ اسلامی مملکت کا سنگِ بنیاد ثابت ہوئی۔

2۔ نبی اکرم ﷺ کو قائد اعلیٰ کی حیثیت سے بھی تسلیم کر لیا گیا۔

3۔ اس معاہدے کے ذریعے مسلمانوں کی بکھری ہوئی قوت کو ایک جگہ جمع کیا گیا اور ان کے لیے امن اور عزت سے رہنے کا انتظام کیا گیا۔

4۔ ایک غیر سیاسی، منتشر اور غیر منضبط معاشرے کو ایک منظم اور متحد سیاسی معاشرے میں تبدیل کرنے کے عمل کی بنیاد رکھ دی گئی۔

# 16- ہجرتِ مدینہ

ہجرت عقبۂ ثالثہ کے بعد ذوالحجہ 12 نبوی کا واقعہ ہے، آنحضرت ﷺ کی ہدایت پر مکہ مکرمہ سے مسلمان چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی شکل میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ جانے لگے۔قریش کو معلوم ہوا تو انہوں نے مزاحمت کی۔کئی مسلمانوں کو بدنی اور مالی نقصان پہنچالیکن رفتہ رفتہ سب صحابہ کرام ؓ نکل گئے ،صرف آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کا خاندان، حضرت علیؓ اور کچھ کمزور لوگ باقی رہ گئے یا وہ نوجوان جنہیں مکے والوں نے ایذادہی کے لیے قید کر رکھا تھا۔

قریش مکہ نے محسوس کیا کہ مسلمان مدینہ میں مجتمع ہو رہے ہیں اور اس بات کا خطرہ ہے کہ وہ کسی وقت طاقت حاصل کر کے مکہ پر ٹوٹ پڑیں چنانچہ انہوں نے دارالندوہ میں صورتحال پر بحث کے لیے عام اجلاس بلایا جس میں تقریباً تمام اسلام دشمن رؤساءِ قریش شریک تھے۔کئی ایک تجاویز زیرِ غور آئیں۔آخر ابو جہل کی اس تجویز پر اتفاق ہو گیا کہ مکہ مکرمہ کے تمام قبائل سے ایک ایک کڑیل جوان لیا جائے اور یہ لوگ مشترکہ طور پر حضور ﷺ کو معاذ اللہ قتل کر دیں تا کہ بنو ہاشم اور مسلمان ان بہت سے قبائل سے جنگ نہ کر سکیں اور خون بہا پر راضی ہو جائیں۔

اس تجویز کے مطابق جھٹ پٹے میں آپ ﷺ کے مکان کا محاصرہ کر لیا گیا۔اہل عرب زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھتے تھے، اس لیے باہر ٹھہر کر آپ ﷺ کے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگے۔

ادھر نبی اکرم ﷺ کو اس تجویز کی اطلاع ہو گئی تھی اور آپ ﷺ دن کے وقت حضرت ابو بکرؓ کے گھر جا کر سفر ہجرت کا پروگرام طے کر آئے تھے کہ آپ ﷺ رات کو حضرت ابو بکرؓ کے گھر آجائیں گے پھر دونوں شہر کے جنوب میں واقع ایک پہاڑ غارِ ثور میں چلے جائیں گے۔حضرت ابو بکرؓ نے یہ انتظام بھی کر لیا کہ انہیں مکہ مکرمہ سے کھانا جاتا رہے اور روز روز کی تازہ خبریں موصول ہوتی رہیں۔پھر چوتھے روز غار پر دو اونٹ اور ایک ماہر رہنما موجود ہوتا کہ مدینہ کے سفر میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔

قریش کو آنحضرت ﷺ سے جو عداوت تھی، اس کا اندازہ مشکل نہیں ہے۔اس کے باوجود انہیں آپ ﷺ کی امانت و دیانت پر اس قدر اعتماد تھا کہ اپنی قیمتی اشیاء آپ ﷺ کے پاس بطور امانت رکھوائی ہوئی تھیں۔اس وقت بھی آپ ﷺ کے پاس بہت سی امانتیں تھیں۔آپ ﷺ نے وہ امانتیں حضرت علیؓ کے سپرد کیں تا کہ وہ مالکوں کو واپس کر کے مدینہ منورہ آجائیں۔

حضرت علیؓ حضورﷺ کے پلنگ پر چادر لے کر سو گئے اور حضورﷺ محاصرہ کرنے والوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے حضرت ابو بکرؓ کے گھر پہنچ گئے لیکن محاصرین کو خبر تک نہ ہوئی۔ یہ لوگ تھوڑی تھوڑی دیر بعد کھڑکی سے جھانک کر اپنا اطمینان کر لیتے کہ اندر کوئی شخص سو رہا ہے۔صبح ہوئی تو اس چارپائی پر سے حضورﷺ کے بجائے حضرت علیؓ اٹھ کر باہر آئے تو دشمنوں نے برہمی کا اظہار کیا لیکن ان کا خون نہ بہایا۔

پھر آپﷺ کی اور حضرت ابو بکرؓ کی تلاش شروع ہوئی۔گرفتاری کے لیے ایک سو اونٹ انعام مقرر ہوا۔آپ کی تلاش کرنے والے غار ثور کے دہانے تک پہنچ گئے۔حضرت ابو بکرؓ انہیں سامنے پا کر گھبرا گئے لیکن حضورﷺ نے فرمایا

﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾

''گھبراؤ نہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے''

آپﷺ تین دن تک غار میں رہے۔اس دوران حضرت ابو بکرؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ غار میں آجاتے اور صبح سویرے واپس چلے جاتے اور انہیں قریش کے عزائم سے آگاہ کر جاتے۔حضرت ابو بکرؓ کا غلام عامر بن فہیرہ روزانہ بکریاں چرانے اسی طرف آتا اور تازہ دودھ پہنچا دیتا۔

چوتھے دن آنحضرتﷺ حضرت ابو بکرؓ کو لے کر غار سے نکلے اور عبداللہ بن اریقط کو رہنمائی کے لیے اجرت پر ساتھ لے لیا جو آپ کو راستہ بتاتا جاتا تھا۔اس مختصر سے قافلے نے ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ نامانوس راستوں سے ہو کر مدینہ منورہ کا سفر کیا۔

بنو مدلج کے سردار سراقہ بن مالک نے آپ کو دیکھا تو انعام کے لالچ میں تعاقب کیا۔جب سراقہ کا گھوڑا اس مقدس قافلے کے قریب پہنچا تو اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ گرتے گرتے بچا۔پھر آگے بڑھا تو گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔آخر سراقہ نے معافی مانگ کر آپﷺ سے امان طلب کی جو دے دی گئی۔

آٹھ روز کے سفر کے بعد یہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچا۔اس کی تفصیلات آپ اگلے یونٹ میں پڑھیں گے۔

# خود آزمائی نمبر 10

1۔ بیت ارقم کہاں واقع ہے؟
2۔ حضرت حمزہؓ نے ابوجہل کی پٹائی کیوں کی؟
3۔ حضرت عمرؓ کی بہن اور بہنوئی کا نام کیا تھا؟
4۔ حضرت عمرؓ کی بہن اور بہنوئی استاد کون تھے؟
5۔ بنو ہاشم کتنے سال شعب ابی طالب میں رہے؟
6۔ عام الحزن کا کیا مطلب ہے؟
7۔ طائف کے رؤساء کے نام کیا تھے؟
8۔ طائف کے لوگوں کے لیے حضورﷺ نے کیا فرمایا؟
9۔ ابو طالب کی وفات کے بعد بنو ہاشم کا سردار کون بنا تھا؟
10۔ حضورﷺ نے مطعم بن عدی سے پناہ کیوں مانگی؟
11۔ معراج کا واقعہ کب پیش آیا؟
12۔ سفر معراج میں کون سی عبادت فرض ہوئی؟
13۔ بیعتِ عقبہ اولیٰ میں کتنے لوگ شریک تھے؟
14۔ بیعتِ عقبہ ثالثہ میں کتنے آدمی شریک تھے؟
15۔ بیعتِ عقبہ ثالثہ میں مسلمانوں کی تعداد کیا تھی؟
16۔ ہجرت مدینہ کے موقع پر حضورﷺ کو قتل کرنے کی تجویز کس کی تھی؟
17۔ حضورﷺ کے ساتھ سفر ہجرت میں کون ساتھی رہے؟
18۔ حضورﷺ حضرت علیؓ کو مکہ معظمہ میں کیوں چھوڑ گئے تھے؟
19۔ آپﷺ کتنے دن کے سفر کے بعد مدینہ پہنچے؟
20۔ مدینہ منورہ کا پہلا نام کیا تھا؟
21۔ عامر بن فہیرہ کون تھا؟
22۔ سفر ہجرت میں حضورﷺ کے رہبر کا کیا نام تھا؟

# 17- جوابات

## خود آزمائی نمبر 1

1- (ا) دنیا کفر و شرک اور ظلم و جور سے بھری ہوئی تھی۔ (ب) دو حصوں میں

(ج) زبان دانی اور دشت وصحرا (د) یمن، حجاز، تہامہ، نجد، یمامہ اور بحرین۔

(ر) دین ابراہیمی کے پیروکار (س) تجارت

2- (ا) ہرقل (ب) افریقہ

(ج) دس لاکھ مربع میل (د) بحیرہ ہند اور خلیج عدن

## خود آزمائی نمبر 2

1- دیکھیے: 2.3 صفحہ نمبر 50,49

2-(ا) پیر کے روز (ب) شفاء آپ ﷺ کی دایہ کا نام ہے۔ (ج) محمد ﷺ

## خود آزمائی نمبر 3

1- (ا) انہوں نے آنحضرت کو دودھ پلایا تھا۔ (ب) حلیمہ سعدیہ۔

(ج) حبشہ کا حاکم، اس نے آنحضرت کی نشانیاں عبدالمطلب کو گنوائی تھیں۔

(د) امّ ایمن آپ کی والدہ کی کنیز تھیں۔

2- دیکھیے: 3.2

3-(ا) حضرت آمنہ (ب) امّ ایمن (ج) بچے.....شان

## خود آزمائی نمبر4

1-(ا) بصریٰ کا راہب جس نے آنحضرت ﷺ کو پہچان لیا تھا کہ آپ نبی ہونے والے ہیں۔

(ب) بصریٰ کا ہی ایک اور پادری جس نے کہا "یقیناً! یہ نبی اور آخری نبی ہیں"

(ج) 578ء میں، ان کی وفات کے بعد ابو طالب نے آپ ﷺ کی کفالت کی۔

(د) حقیقی چچا۔

2- دیکھیے: 4.2 (صفحہ 58)

3- دیکھیے: 4.3 (صفحہ:58)

## خود آزمائی نمبر5

1- (ا) "میں نے کبھی کسی ایسی برائی کا ارادہ بھی نہیں کیا جس کا زمانہ جاہلیت میں لوگ ارتکاب کرتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے منصب نبوت سے سرفراز فرمایا"۔ (ب) مکہ والوں نے۔

(ج) "خدا کی قسم! حق تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی رسوا نہ کرے گا کیونکہ آپ ﷺ صلۂ رحمی فرماتے، یتیموں محتاجوں کی کفالت اور خبر گیری فرماتے، بے روزگاروں کو روزگار مہیا کرتے، مہمانوں کی خاطر مدارات کرتے اور مصائب ومشکلات میں لوگوں کی مدد فرماتے ہیں"۔ (د) دیکھیے: (ص 61-62)

## خود آزمائی نمبر6

1 (ا) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے۔ (ب) بیٹوں میں: عبداللہ اور بیٹیوں میں: رقیہ، زینب، ام کلثوم، فاطمہ

(ج) ساڑھے بارہ اوقیہ سونا۔

2- دیکھیے: 6.3 (ص 64)

3- دیکھیے: 6.6 (ص 65)

# خود آزمائی نمبر7

1- (ا) غار حرا۔

(ب) مکاشفات کا سلسلہ جاری رہتا۔ (ج) دیکھیے:7.2(ص:68,67)

(د) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابو بکر صدیق ؓ۔

2- دیکھیے:7.3(ص:69,68)

# خود آزمائی نمبر8

1- رمضان مبارک کی 17 تاریخ کو۔ 2- غار حرا میں۔

3- ورقہ بن نوفل۔ 4- وحی کا سلسلہ رک گیا تھا اسے فترتِ وحی کہتے ہیں۔

5- 3سال 6- حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابو بکر ؓ، حضرت علی ؓ، حضرت زید بن ثابت ؓ

7- حضرت علی ؓ 8- کوہ صفا

9- 2نمازیں 10- حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر ابو ہالہ کے بیٹے۔

11- حضرت حارث بن ابی ہالہ نے۔ 12- ابو لہب کی۔

13- عقبہ بن ابی معیط نے۔ 14- ابو جہل کے ہاتھوں۔

# خود آزمائی نمبر9

1- نجاشی۔ 2- عبد اللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص۔

3- چچا زاد بھائی۔ 4- 83 مسلمانوں نے۔

ا5- حضرت جعفر طیار

# خود آزمائی نمبر10

1- کوہ صفا کے دامن میں۔
2- ابوجہل نے حضورﷺ کو برا بھلا کہا تھا۔
3- سعید بن زید اور فاطمہ۔
4- خباب بن ارت۔
5- 3سال
6- غم کا سال۔ جس سال ابوطالب ؓ اور خدیجہ کبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔
7- عبد یالیل، مسعود اور حبیب
8- اگر یہ ایمان نہیں لاتے تو ہوسکتا ہے ان کی آئندہ نسلیں ایمان لے آئیں۔
9- ابولہب۔
10- وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے رشتہ دار تھے۔
11- 27رجب10نبوی کو۔
12- نماز۔
13- 6 آدمی۔
14- 12افراد۔
15- تہتر مرد اور دو عورتیں۔
16- ابوجہل کی۔
17- حضرت ابوبکر ؓ
18- لوگوں کی امانتیں واپس کرنے کے لیے۔
19- روز کے سفر کے بعد۔
20- یثرب۔
21- حضرت ابوبکر کے غلام۔
22- عبداللہ بن اریقط۔

یونٹ......3

# حیاتِ طیّبہ

# مدنی دَور ❶

# ہجرت مدینہ تا صلح حدیبیہ

تحریر: ڈاکٹر شاہ معین الدین ہاشمی
مسز نصرت ضیاء
نظر ثانی: محمد رفیق صادق

# فہرستِ مضامین



| | |
|---|---|
| ○ یونٹ کا تعارف | 100 |
| ○ یونٹ کے مقاصد | 101 |
| 1- مدینہ میں آمد | 102 |
| 1.1 قبا میں آمد | 102 |
| 1.2 مسجد نبوی کی تعمیر | 103 |
| 1.3 اذان کی ابتداء | 104 |
| 1.4 عقد مواخات | 104 |
| 1.5 مواخات کے اثرات | 105 |
| 1.5.1 عقدِ مواخاۃ اور مہاجرین کی آبادکاری | 105 |
| 1.5.2 عقدِ مواخاۃ اور مدینہ میں یہود کی معاشی اجارہ داری کا خاتمہ | 105 |
| 1.5.3 عقدِ مواخاۃ اور مہاجرین کی نفسیاتی حوصلہ افزائی | 105 |
| 1.5.4 عقدِ مواخاۃ کا اصلاحی اور تبلیغی پہلو | 106 |
| 1.6 میثاق مدینہ | 106 |
| 1.6.1 میثاق مدینہ کا متن | 107 |
| 1.6.2 میثاق مدینہ کی دفعات | 108 |
| 1.6.3 میثاق مدینہ کا خلاصہ | 112 |
| 1.6.4 میثاق مدینہ کے اثرات | 113 |

| | |
|---|---|
| 1.6.5 یکم ہجری کے اہم واقعات | 113 |
| خود آزمائی نمبر1 | 114 |
| -2 غزوۂ بدر | 115 |
| 2.1 جنگ بدر کے فوری اسباب | 116 |
| 2.2 جنگ بدر کے واقعات | 116 |
| 2.3 جنگ بدر کے نتائج | 117 |
| 2.4 جہاد کی اجازت | 118 |
| 2.5 جنگ بدر کی تاریخی اہمیت | 118 |
| -3 2ھ کے دیگر واقعات | 119 |
| 3.1 تحویل قبلہ | 119 |
| 3.2 غزوۂ بنی قینقاع | 119 |
| 3.3 2ھ کے چند متفرق واقعات | 120 |
| خود آزمائی نمبر2 | 121 |
| -4 غزوۂ احد (شوال 3ہجری) | 122 |
| 4.1 پس منظر | 122 |
| 4.2 غزوۂ اُحد کے اسباب | 123 |
| 4.3 غزوۂ اُحد کے واقعات | 124 |
| 4.4 جنگ احد میں مسلمان خواتین کا کردار | 125 |

| | | |
|---|---|---|
| | 4.5 لشکرِ کفار کا تعاقب | 126 |
| -5 | 3ھ کے دیگر واقعات | 126 |
| | خود آزمائی نمبر3 | 127 |
| -6 | 4ھ کے اہم واقعات | 128 |
| | 6.1 رجیع کا المناک واقعہ | 128 |
| | 6.2 بیرمعونہ کا واقعہ | 128 |
| | 6.3 غزوۂ بنونضیر | 129 |
| | 6.4 غزوۂ ذات الرقاع | 130 |
| | 6.5 4ھ کے اہم متفرق واقعات | 131 |
| | خود آزمائی نمبر4 | 131 |
| -7 | 5ھ کے اہم واقعات | 132 |
| | 7.1 غزوہ بنوالمصطلق | 132 |
| | 7.2 واقعہ افک | 133 |
| | 7.3 غزوۂ خندق یا جنگ احزاب | 133 |
| | 7.4 بنوقریظہ کا خاتمہ | 136 |
| | 7.5 5ھ کے دیگر اہم واقعات | 137 |
| | خود آزمائی نمبر5 | 138 |
| -8 | صلح حدیبیہ (ذیقعد 6ہجری) | 139 |

| | | |
|---|---|---|
| 8.1 | پس منظر | 139 |
| 8.2 | بیعت رضوان | 140 |
| 8.3 | معاہدہ حدیبیہ | 141 |
| 8.4 | معاہدہ صلح کی ضرورت | 142 |
| 8.5 | مشرکین مکہ سے صلح کیوں؟ | 142 |
| 8.6 | معاہدہ حدیبیہ: اہمیت وافادیت | 144 |
| 8.7 | معاہدہ حدیبیہ اور اسلام کی ترقی وترویج | 144 |
| 8.8 | معاہدہ حدیبیہ کے مجموعی فوائد واثرات | 145 |
| | خود آزمائی نمبر6 | 145 |
| -9 | یونٹ کے مضامین کا خلاصہ | 146 |
| -10 | جوابات | 148 |

# یونٹ کا تعارف

زیر نظر یونٹ یکم ہجری سے 6 ہجری تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔اس دور کے واقعات پڑھ کر آپ کو اندازہ ہوگا کہ حق کس طرح اپنے آپ کو منوالیتا ہے۔کہاں وہ وقت تھا کہ اللہ تعالیٰ کا پیارا نبیؐ اپنے ایک ساتھی کے ساتھ رات کے اندھیرے میں اپنے محبوب وطن کو چھوڑ دیتا ہے، اور اہل وطن اس کے اور اس کے ساتھیوں کے جانی دشمن بھی بن جاتے ہیں۔پھر مدینہ میں آپ نے کس فراست سے مقامی باشندوں یہود پر سیاسی برتری حاصل کی۔

مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ کیسے حل فرمایا حتیٰ کہ جب باطل مسلح ہو کر یہاں بھی آپ ﷺ کے مقابلے میں آیا تو کس جرأت و حکمت عملی سے آپ ﷺ نے اس کا مقابلہ کیا۔یہاں تک کہ صرف پانچ برس میں ہی اہل مکہ کی سیاسی، مذہبی اور معاشی برتری ختم ہوگئی اور ان مسلمانوں کے ساتھ جنہیں وہ کوئی اہمیت ہی نہ دیتے تھے، برابر کے سطح پر معاہدہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔تاریخ نے ثابت کر دیا کہ معاہدے کی شرائط جو بظاہر مسلمانوں کے خلاف نظر آنے والی تھیں، مسلمانوں کی ''فتح مبین'' میں بدل گئیں۔یہ سب حیرت انگیز بھی ہے اور سبق آموز بھی کیونکہ اس سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ مشکل ترین حالات میں بھی حق کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے کیونکہ فتح بالآخر حق کی ہی ہوتی ہے۔

# یونٹ کے مقاصد

ہمیں اُمید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1۔ ہجرت مدینہ کے نتائج بیان کر سکیں۔

2۔ تحویل قبلہ کا مفہوم اور اس کی اہمیت واضح کر سکیں۔

3۔ انصار مدینہ نے جس طرح مہاجرین کو خوش آمدید کہا اور ان کی آباد کاری کے لیے قربانیاں دیں ان کے چیدہ چیدہ واقعات بیان کر سکیں اور جب کبھی آپ کو کسی کی مدد کا موقع ملے تو آپ انصار مدینہ کے نقش قدم پر عمل پیرا ہو سکیں۔

4۔ ہجرت مدینہ کے بعد سن 6 ہجری تک کے غزوات کی تفصیلات معلوم کر سکیں۔

5۔ صلح حدیبیہ جو کہ فتح مبین ثابت ہوئی کی تفصیلات جان سکیں۔

6۔ منافقت کا مفہوم اور منافقت کے دنیوی اور اخروی نقصانات کی وضاحت کر سکیں اور اپنی عملی زندگی میں منافقانہ طرزِ عمل سے بچ سکیں۔

7۔ صحابہ کرام ﷡ کی اطاعت شعاری کے واقعات بیان کر سکیں، صحابہ کی بے مثال اطاعت کے نتائج پر روشنی ڈال سکیں اور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کے سلسلے میں اپنے فرائض کا جائزہ لے سکیں۔

# 1- مدینہ میں آمد

## 1.1 قبا میں آمد

رسول پاک ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے تین دن تک غارِ ثور میں رہے اور پھر عام راستوں کی بجائے تقریباً غیر آباد راستوں سے ہوتے ہوئے آٹھ روز کے سفر کے بعد 8 ربیع الاول 14 نبوی کو دوپہر کے وقت قبا پہنچے۔قبا مدینہ سے چند میل کے فاصلے پر ہے اور مدینہ کا ہی ایک محلہ سمجھا جاتا ہے۔مکہ سے آپ ﷺ کی روانگی کی خبر کئی روز پہلے مدینہ پہنچ چکی تھی اس لیے انصار مدینہ روزانہ صبح سے دوپہر تک بستی سے باہر نکل کر آپ ﷺ کے انتظار میں کھڑے رہتے تھے کہ آپ ﷺ دُور سے تشریف لاتے ہوئے نظر آئیں گے۔ جب دھوپ بہت تیز ہو جاتی تو واپس اپنے گھروں کو چلے جاتے۔حضور ﷺ چونکہ قباء کے نزدیک دوپہر کے وقت پہنچے اس لیے اہل قبا اپنے گھروں کو جا چکے تھے۔ اتنے میں ایک یہودی کی نظر آپ ﷺ پر پڑی اور اس نے پکار کر لوگوں کو اطلاع دی کہ جن کا انتظار تھا وہ تشریف لے آئے ہیں۔ یہ آواز سنتے ہی لوگ اپنے گھروں سے نکل پڑے اور سارے قبا میں خوشی سے شور مچ گیا۔

اس وقت حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے فوراً پیچھے سے ہو کر آپ ﷺ پر اپنی چادر کا سایہ کر دیا۔اس طرح لوگوں کو آسانی سے معلوم ہو گیا کہ آنے والے قافلے میں نبی کون ہے۔انصار کی چھوٹی چھوٹی بچیاں خوشی سے گیت گا رہی تھیں۔ غرض اہل مدینہ نے آپ ﷺ کا استقبال بہت شاندار طریقے سے کیا۔حضور ﷺ قبا میں کلثومؓ بن ہدم کے مکان میں ٹھہرے اور لوگوں کو اسلام کی تعلیم دی۔یہیں آپ ﷺ نے ایک چھوٹی سی مسجد کی تعمیر کرائی۔ یہ اسلام کی سب سے پہلی مسجد ہے قبا میں آپ ﷺ نے چودہ دن قیام فرمایا۔

آپ کو یاد ہوگا کہ حضور ﷺ نے ہجرت کی رات حضرت علی ؓ کو اپنے بستر پر سلایا تھا، بعد میں حضرت علی ؓ بھی لوگوں کی امانتیں واپس کر کے مدینہ کو ہجرت کر آئے اور قبا میں ہی حضور ﷺ سے آ ملے۔ چودہ دن حضور ﷺ قبا میں قیام کرنے کے بعد شہر کی طرف روانہ ہوئے راستے میں بنو سالم کے محلے میں نماز کا وقت آ گیا۔اتفاق سے اس دن جمعہ تھا اور حضور ﷺ نے نماز یہیں ادا فرمائی۔ نماز سے پہلے خطبہ بھی دیا۔

اس طرح حضورﷺ کی سب سے پہلی نماز جمعہ تھی جو آپ ﷺ نے ادا فرمائی۔ مدینہ شہر میں آپ ﷺ کی آمد کے وقت لوگوں کو خوشی اپنی انتہا پر تھی۔ عورتیں مکانوں کی چھتوں پر چڑھ آئی تھیں۔ سب لوگوں کی خواہش تھی کہ حضورﷺ ان کے گھر آ کر ٹھہریں۔ سب بڑھ کر آپ ﷺ سے درخواست کرتے تھے کہ آپ ﷺ ہمارے مہمان بنئے۔ ہماری جان و مال سب کچھ حاضر ہے۔

اس پر آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ میری اونٹنی کو چھوڑ دو، یہ اللہ کے حکم سے جہاں کہیں ٹھہرے گی وہیں میرا قیام ہوگا۔ آخر حضرت ابوایوب انصاری ؓ کے گھر کے سامنے اونٹنی بیٹھ گئی اس طرح وہ آپ ﷺ کے میزبان بنے۔ آپ ﷺ نے سات ماہ تک یہاں قیام فرمایا۔ یہاں تک کہ مسجد نبوی اور آپ ﷺ کی ازواج کے حجرے تعمیر ہو گئے تو آپ ﷺ وہاں منتقل ہو گئے۔

## 1.2 مسجد نبوی کی تعمیر

مدینہ میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد رسول اللہ نے مسجد کی تعمیر کا فیصلہ کیا۔ اس کے لیے جو زمین منتخب کی گئی وہ بنی نجار کے قبیلے کے دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی۔ انہوں نے مسجد کے لیے یہ زمین بلا قیمت نذر کرنا چاہی مگر آپ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا اور حضرت ابوایوب انصاری ؓ نے اس کی قیمت ادا کر دی اس طرح مسجد کی تعمیر کا آغاز ہوا۔

مسجد بالکل سادہ بنائی گئی، فرش بالکل کچا تھا، اینٹیں کچی مٹی کی تھیں جن سے دیواریں بنائی گئیں۔ چھت کھجور کے پتوں اور لکڑی سے بنائی گئی تھی۔ مسجد کے ایک سرے پر ایک چبوترہ بنایا گیا اسے ''صفہ'' کہتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کے لیے تھا جو اسلام قبول کرتے تھے لیکن ان کا کوئی گھر نہیں ہوتا تھا۔ اس مسجد کی تعمیر میں حضورﷺ نے ایک عام مزدور کی حیثیت سے کام کیا اور صحابہ کرام ؓ کے ساتھ مٹی کھودتے اور اینٹیں اور پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے رہے۔

مسجد نبوی کی تعمیر جب ہو چکی تو مسجد کے بالکل ساتھ ہی آپ ﷺ نے ازواج مطہرات ؓ کے لیے حجرے بنوائے۔ اس وقت حضرت عائشہ ؓ اور حضرت سودہ ؓ ہی آپ کے نکاح میں تھیں۔ اس لیے دو ہی حجرے بنے بعد میں جب دوسری بیبیاں آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں تو ان کی ضرورت کے مطابق اور حجرے بنائے گئے۔ یہ سب بھی کچی اینٹوں کے تھے اور چھت اتنی اونچی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو آسانی سے چھو سکتا تھا۔

## 1.3 اذان کی ابتداء

اب تک کسی خاص علامت کے نہ ہونے کی وجہ سے نماز باجماعت کا کوئی انتظام نہیں تھا۔لوگ وقت کا اندازہ کر کے آتے اور نماز پڑھتے تھے۔حضور ﷺ کو یہ طریقہ پسند نہ آیا چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ لوگوں کو کیسے نماز کے وقت کی اطلاع دی جائے تا کہ سب ایک ہی وقت میں مسجد میں آ جائیں۔لوگوں نے مختلف آراء کا اظہار کیا لیکن آپ ﷺ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے پسند آئی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ نماز کے وقت اذان دیا کریں۔اس طرح ایک طرف تو نماز کی اطلاع عام ہو جاتی تھی دوسری طرف دن میں پانچ مرتبہ اسلام کا اعلان ہو جاتا تھا۔

### اہم نکات

1۔ حضور پاک ﷺ ہجرت کر کے 8 ربیع الاوّل 14 نبوی کو قبا پہنچے۔

2۔ قبا میں حضور ﷺ نے اسلام کی سب سے پہلی مسجد تعمیر کرائی۔

3۔ قبا میں مدینہ شہر کی طرف جاتے ہوئے بنی سالم کے محلے میں آپ ﷺ نے سب سے پہلے جمعہ کی نماز پڑھی اور خطبہ دیا۔

4۔ مدینہ میں آپ ﷺ نے حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر میں سات ماہ تک قیام فرمایا۔

5۔ مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے مسجد نبوی کی تعمیر کروائی اور اس میں خود بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

6۔ یکم ہجری میں ہی اذان کی ابتدائی ہوئی۔

## 1.4 عقد مواخات

آنحضرت ﷺ ایک نبی اور تسلیم شدہ قائد کی حیثیت سے مدینہ منورہ میں تشریف لائے۔حضور ﷺ نے مدینہ میں جس چیز کی طرف خصوصی توجہ دی، وہ مہاجرین کی آبادکاری اور شہر کے امن وامان کا قیام تھا۔آپ ﷺ نے جاتے ہی اس بات کو محسوس فرمایا کہ مکہ سے آنے والے مہاجرین، وہ اہل مدینہ کے لیے باعث اذیت نہ ہوں۔اس کے ساتھ ہی آپ کو یہ خیال بھی تھا کہ مہاجرین، جنہوں نے دین کی خاطر انتہائی تکلیفیں برداشت کی ہیں، اپنے گھر، وطن، رشتہ دار، مال و دولت سب کچھ چھوڑ کر مدینہ آ گئے ہیں، اب زیادہ پریشان نہ ہوں۔

چنانچہ آپ ﷺ نے تمام انصار و مہاجرین کے درمیان عقد مواخاۃ (بھائی چارہ کا معاہدہ) قائم فرما دیا کہ حق پر ساتھ دیں گے اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی وغم خواری کریں گے۔اس مواخاۃ سے آپ ﷺ نے مسلمانوں میں مہاجرین اور انصار کے تعلقات کو نہایت خوشگوار بنا دیا۔عموماً ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کے درمیان مواخات قائم ہوگئی۔مثلاً حضرت ابو بکر ؓ کے دینی بھائی خارجہ بن زبیر انصاری ؓ ہوئے اور عمار بن یاسر ؓ اور حذیفہ بن یمان ؓ میں بھائی چارہ مستحکم ہوا۔اس عہد مواخات کو انصار مدینہ نے اس خلوص اور احتیاط سے نبھایا کہ تاریخ میں کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔

## 1.5 مواخات کے اثرات

اس مواخاۃ سے جہاں ایک طرف بہت بڑی مسلم قوت وجود میں آگئی وہاں اس کے بہت سے مثبت اثرات بھی مرتب ہوئے۔

### 1.5.1 عقدِ مواخاۃ اور مہاجرین کی آبادکاری

عقدِ مواخاۃ کی صورت میں مہاجرین کے لیے مدینہ میں آباد ہونا آسان ہوگیا۔اس معاہدے کی وجہ سے انصار نے مہاجرین کو اپنے برابر کی سطح پر اموال وغیرہ کی پیشکش بھی کی چنانچہ انہوں نے اپنی بعض زمینیں مہاجرین کو دے دیں۔ بعض مہاجرین نے وہاں رہائش بھی اختیار کی۔مواخاۃ کا یہ سلسلہ بعد تک جاری رہا اور لوگ مدینہ میں آکر آباد ہوتے رہے۔

### 1.5.2 عقدِ مواخاۃ اور مدینہ میں یہود کی معاشی اجارہ داری کا خاتمہ

انصارِ مدینہ کی اکثریت زراعت کے پیشے سے منسلک تھی جبکہ دوسری طرف یہود تمام تجارتی مراکز اور بازاروں پر قابض تھے اور سود کا کاروبار بھی کرتے تھے چنانچہ معیشت پر ان کی اجارہ داری تھی۔ادھر مدینہ ہجرت کرنے والوں میں بھی زیادہ تر لوگ تاجر پیشہ تھے چنانچہ جلد ہی انہوں نے مسلمانانِ مدینہ میں تجارت کو فروغ دیا جس سے یہود کی معاشی اجارہ داری کا خاتمہ ہوا۔

### 1.5.3 عقدِ مواخاۃ اور مہاجرین کی نفسیاتی حوصلہ افزائی

فرد بڑی سے بڑی قربانی دے کر اپنے گھربار، مال ومتاع کو قربان کر دیتا ہے لیکن وہ تعلق جو فطرت نے باہمی عصبیت کا جوڑ رکھا ہے وہ نہیں ٹوٹ پاتا۔مہاجرین نے بھی اگرچہ گھربار، عزیز واقارب اور مال واسباب قربان

کر کے ہجرت کی تھی لیکن ان تمام بیش قیمت اشیاء کے چھوٹ جانے کا فطری وطبعی ملال، اور مدینہ کی اجنبیت بہر حال باقی تھی ۔اس مواخات سے ان کو اپنائیت کا ایک خاص انداز میسر ہوا اور طبعی ونفسیاتی اعتبار سے ان کی حوصلہ افزائی ہوئی۔

## 1.5.4 عقدِ مواخاۃ کا اصلاحی اور تبلیغی پہلو

مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے آنے والے اکثر مہاجرین کا تعلق عدنانی قبائل سے تھا جو مکہ مکرمہ، حجاز اور اطراف کے صحرائی علاقوں میں آباد تھے ان میں شہری لوگ تاجر پیشہ تھے اور صحرائی لوگوں کا اپنا الگ تمدن تھا جبکہ دوسری طرف مدینہ منورہ میں آباد اوس وخزرج کا تعلق قحطانی قبائل سے تھا۔ان کی تہذیب وثقافت صحرائی عربوں اور مکہ کے شہری تاجروں سے مختلف تھی۔

ان دونوں مختلف قبیلوں کے تہذیبی وتمدنی فرق کو ختم کرنا بھی ضروری تھا۔تاکہ ان کے درمیان اتحاد وقربت ہوجائے۔علاوہ ازیں ان کے لیے ایسا انداز تربیت اختیار کرنا بھی ضروری تھا کہ جس سے یہ دونوں (عدنانی وقحطانی) قبائل ایک دوسرے کی اچھی خصلتوں اور مفید باتوں کو ایسے اختیار کرلیں کہ آپس میں کسی قسم کا نسلی تعصب بھی نہ ابھرے۔

عقدِ مواخاۃ کے ذریعے آنحضرت ﷺ نے مہاجرین وانصار کے درمیان ہر قسم کی ایسی دیواروں کو گرادیا جو اتحاد واتفاق اور باہمی تعلق کے راستے میں رکاوٹ کا سبب تھیں ۔گویا عقدِ مواخاۃ کے ذریعے امت مسلمہ کو اس اصول پر پابند کیا گیا کہ انسانوں کے باہمی تعلق اور ہم آہنگی ،اتحاد واتفاق اور دیگر تمام وابستگیوں کی بنیاد وطن ، رنگ ونسل اور پیشہ پر نہیں بلکہ صرف اسلام پر ہے۔

## 1.6 میثاق مدینہ (پس منظر)

رسول اکرم ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو وہاں کا حال یہ تھا کہ اس میں مختلف رنگ ونسل اور مختلف مذاہب کے لوگ بستے تھے مثلاً اوس وخزرج کے بارہ قبائل، مدینہ کے تقریباً بیس یہودی قبائل اور مسلمان مہاجرین جو مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔۔اوس، خزرج کے درمیان کئی نسلوں سے لڑائی جھگڑے چلے آرہے تھے جب کہ یہود کے بعض قبائل اوس اور بعض خزرج کے حلیف بنے ہوئے تھے اور جنگوں میں ان کو اسلحہ فروخت کرتے یا کرایہ پر دیتے تھے۔ مدینہ کے باسی ان طویل لڑائیوں سے تنگ آچکے تھے اور امن وآشتی کے خواہاں تھے۔اگر چہ ہجرت سے

قبل رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں مرکزیت پیدا کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی اور بارہ نمائندوں کا تقرر فرمایا تھا مگر پھر بھی مدینہ میں ہر قبیلے کا الگ ہی راج تھا۔ ہر قبیلہ اپنے حجرے میں ہی اپنے امور طے کیا کرتا تھا۔ کوئی مرکزی شہری نظام نہ تھا۔ اگرچہ مبلغین اسلام کی کوششوں سے تین سال کے اندر شہر میں بہت سے لوگ مسلمان ہو چکے تھے مگر مذہب ابھی تک خانگی ادارہ ہی تھا اور اس کی سیاسی حیثیت وہاں کچھ نہ تھی۔

رسول اللہ ﷺ کے سامنے ان حالات میں متعدد فوری ضرورتیں یہ تھیں۔

1۔ اپنے اور مقامی باشندوں کے حقوق و فرائض کا تعین۔

2۔ مہاجرین مکہ کی آبادکاری اور نئی شہریت کے اصول وضوابط کا تعین۔

3۔ شہر کے غیر مسلم عربوں اور خاص کر یہودیوں سے سمجھوتہ

4۔ شہر کی سیاسی تنظیم اور فوجی مدافعت کا اہتمام

5۔ قریش مکہ سے مہاجرین کو پہنچے ہوئے جانی و مالی نقصانات کا ازالہ۔

ان اغراض کو مدنظر رکھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کر کے مدینہ آنے کے چند مہینے بعد ہی ایک دستاویز مرتب فرمائی جو کہ وہاں کے باسیوں کا دستور العمل قرار پایا اور میثاق مدینہ کے نام سے معروف ہوا۔ اس کی حیثیت اگرچہ ایک آئینی حکم نامے (Constitutional Charter) کی سی ہے مگر چونکہ آئین ایک طرح کا عہد نامہ ہوتا ہے جو ایک طرف حکومت اور دوسری طرف افراد کے حقوق و فرائض کا تعین کرتا ہے بنابریں اس کو معاہدہ بھی کہا جا سکتا ہے۔

## 1.6.1 میثاق مدینہ کا متن

اس دستاویز کا متن الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ مختلف کتب حدیث و سیرت میں ملتا ہے۔ قدیم ترین سیرت نگار ابن اسحاق نے اس دستاویز کا مکمل متن نقل کیا ہے۔ علاوہ ازیں امام ابو عبید نے ایک دوسری سند کے ساتھ بھی اس کا متن نقل کیا ہے۔ مؤرخین اور سیرت نگاروں میں ابن سعد، بلاذری، طبری، زرقانی، ابن کثیر وغیرہ نے بھی اس کے متن کے حصے نقل کیے ہیں۔ کتب حدیث میں بخاری و مسلم کے علاوہ مسند احمد، سنن داری، سنن ابی داؤد میں بھی اس میثاق کا ذکر موجود ہے۔

اس دستاویز کے دو نمایاں حصے ہیں:

حصہ اول، دفعہ نمبر ایک تا تیئس پر مشتمل ہے۔ حصہ دوم دفعہ نمبر چوبیس تا باون پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں مہاجرین

والانصار کے متعلق جب کہ دوسرے حصے میں غیر مسلموں بالخصوص یہودی قبائل وغیرہ کے حقوق و فرائض بیان کیے گئے ہیں۔

## 1.6.2 میثاقِ مدینہ کی دفعات

1۔ یہ ایک دستاویز ہے نبی اور اللہ کے رسول محمد ﷺ کا قریش اور اہل یثرب میں سے ایمان اور اسلام لانے والوں اور ان لوگوں کے مابین جو ان کے تابع ہوں اور ان کے ساتھ شامل ہو جائیں اور ان کے ہمراہ جنگ میں حصہ لیں۔

2۔ وہ دوسرے تمام لوگوں سے علیحدہ ایک وحدت (امت) ہیں۔

3۔ قریش سے ہجرت کر کے آنے والے اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائیں گے تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

4۔ بنی عوف اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

5۔ اور بنی الحارث بن خزرج اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

6۔ اور بنی ساعدہ اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

7۔ بنو حشم اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

8۔ بنو نجار اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

9۔ اور بنی عمرو بن عوف اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

10۔ اور بنی النبیت اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

11۔ اور بنی الاوس اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

12۔ (الف)۔ اور ایمان والے کسی قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے کو مدد دیئے بغیر چھوڑ نہ دیں گے کہ ہمدردی کے ساتھ اس کا فدیہ و دیت ادا نہ کریں۔

(ب)۔ اور یہ کہ کوئی مومن کسی دوسرے مومن کے مولا (معاہداتی بھائی) سے خود معاہدہ برادری نہیں پیدا کرے گا۔

13۔ اور متقی ایمان والوں کے ہاتھ ہر اس شخص کے خلاف اٹھیں گے جو ان میں سرکشی کرے یا جبری استحصال کرنا چاہے یا گناہ یا تعدی کا ارتکاب کرے یا ایمان والوں میں فساد پھیلانا چاہے اور ان کے ہاتھ سب مل کر ایسے شخص کے خلاف اٹھیں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

14۔ اور کوئی ایمان والا غیر مسلم کی خاطر کسی ایمان والے کو قتل نہیں کرے گا اور نہ کسی کافر کی کسی ایمان والے کے خلاف مدد کرے گا۔

15۔ اور اللہ کا ذمہ ایک ہی ہے ان (مسلمانوں) کا ادنیٰ ترین فرد بھی کسی کو پناہ دے کر سب پر پابندی عائد کر سکے گا اور (ساری دنیا کے) لوگوں کے مقابل ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

16۔ اور یہ کہ یہودیوں میں سے جو ہماری اتباع کرے گا تو اسے مدد اور مساوات حاصل ہو گی۔ نہ اس پر ظلم کیا جائے گا اور نہ اس کے خلاف کسی کو مدد دی جائے گی۔

17۔ اور ایمان والوں کی صلح ایک ہی ہو گی۔ اللہ کی راہ میں لڑائی ہو تو کوئی ایمان والا کسی دوسرے ایمان والے کو چھوڑ کر (دشمن سے) صلح نہیں کرے گا، جب تک کہ (یہ صلح) ان سب کے لیے برابر اور یکساں نہ ہو۔

18۔ اور ان تمام ٹکڑیوں کو جو ہمارے ہمراہ جنگ کریں اپنی اپنی باری پر چھٹی دلائی جائے گی۔

19۔ اور ایمان والے باہم اس خون کا انتقام لیں گے جو اللہ کی راہ میں بہایا گیا ہو۔

20۔ (الف)۔ اور بے شبہ متقی ایمان والے سب سے اچھے اور سب سے سیدھے راستے پر ہیں۔

(ب)۔ اور یہ کہ کوئی مشرک (غیر مسلم رعیت) قریش کی جان اور مال کو کوئی پناہ نہ دے گا اور نہ اس سلسلے میں کسی مومن کے آڑے آئے گا۔

21۔ اور جو شخص کسی مومن کو عمداً قتل کرے اور جرم ثابت ہو جائے تو اس سے قصاص لیا جائے گا، بجز اس کے کہ مقتول کا ولی خون بہا پر راضی ہو جائے اور تمام ایمان والے اس کی تعمیل کے لیے اٹھیں گے اور ان کے لیے اس کے علاوہ کوئی اور چیز جائز نہ ہوگی۔

22۔ اور کسی ایسے ایمان والے کے لیے جو اس دستاویز کا پابند ہو اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لا چکا ہو، یہ بات جائز نہ ہوگی کہ کسی قاتل کو مدد یا پناہ دے اور جو اسے مدد یا پناہ دے گا تو قیامت کے دن وہ اللہ کی لعنت اور غضب کا مستحق ہوگا اور اس سے کوئی رقم یا معاوضہ قبول نہ ہوگا۔

23۔ اور یہ کہ جب کبھی تم میں کسی معاملے کے متعلق اختلاف ہو تو اس میں اللہ اور محمد ﷺ سے رجوع کیا جائے گا۔

24۔ اور یہودی اس وقت تک مؤمنین کے ساتھ جنگی اخراجات برداشت کرتے رہیں گے جب تک وہ (مسلمانوں کے ساتھ) مل کر جنگ کرتے رہیں۔

25۔ اور بنی عوف کے یہودی، مؤمنین کے ساتھ ایک سیاسی وحدت تسلیم کیے جاتے ہیں۔ یہودیوں کا اپنا دین ہے اور مسلمانوں کا اپنا دین، ان کے آزاد کردہ لوگ ہوں کہ اصل۔ ہاں جو ظلم یا عہد شکنی کا ارتکاب کرے تو اس کی ذات یا گھرانے کے سوا کوئی اور مصیبت میں نہیں پڑے گا۔

26۔ اور بنی النجار کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق و مراعات حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

27۔ اور بنی الحارث کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق و مراعات حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

28۔ اور بنی ساعدہ کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق و مراعات حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

29۔ اور بنی جشم کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق و مراعات حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

30۔ اور بنی الاوس کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق و مراعات حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

31۔ اور بنی ثعلبہ کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق و مراعات حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔ ہاں جو ظلم یا عہد شکنی کا ارتکاب کرے تو خود اس کی ذات یا گھرانے کے سوا کوئی مصیبت میں نہیں پڑے گا۔

32۔ اور جفنہ کو بھی، جو (قبیلہ) ثعلبہ کی ایک شاخ ہے، وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو۔

33۔ اور بنی الشطیبہ کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو اور وفا شعاری ہو نہ کہ عہد شکنی۔

34۔ اور ثعلبہ کے موالی کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو۔

35۔ اور یہودیوں (کے قبائل) کی ذیلی شاخوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو۔

36۔ (الف)۔اور یہ کہ ان میں سے کوئی بھی محمد ﷺ کی اجازت کے بغیر (جنگ کے لیے) نہیں نکلے گا۔

(ب)۔اور کسی ضرب، زخم کا بدلہ لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی اور جو خونریزی کرے تو اس کی ذات اور اس کا گھرانہ ذمہ دار ہوگا۔ ورنہ ظلم ہوگا اور اللہ اس کے ساتھ ہے جو اس (دستور العمل) کی زیادہ سے زیادہ وفا شعارانہ تعمیل کرے۔

37۔ (الف)۔اور یہودیوں پر ان کے خرچ کا بار ہوگا اور مسلمانوں پر ان کے خرچ کا اور جو کوئی اس دستور کے ماننے والوں سے جنگ کرے تو ان (شرکاء معاہدہ) میں باہم امداد عمل میں آئے گی اور انہیں باہمی مشاورت سے کام لینا ہوگا اور وفا شعاری ہوگی نہ کہ عہد شکنی۔

(ب)۔کوئی شخص اپنے حلیف کی بداعمالیوں کا ذمہ دار نہیں ہوگا اور مظلوم کی مدد لازم ہوگی۔

38۔ اور یہودی اس وقت تک مؤمنین کے ساتھ اخراجات برداشت کرتے رہیں گے جب تک کہ جنگ جاری رہے گی۔

39۔ اور یثرب مدینہ کا جوف (یعنی میدان جو پہاڑوں سے گھرا ہوا ہو) اس دستور والوں کے لیے ایک حرم (مقدس اور محترم مقام) ہوگا۔

40۔ پناہ گزیں سے وہی برتاؤ ہوگا جو اصل (پناہ دہندہ) کے ساتھ۔ نہ اس کو ضرر پہنچایا جائے اور نہ خود وہ عہد شکنی کرے گا۔

41۔ اور کسی پناہ گاہ میں وہاں والوں کی اجازت کے بغیر کسی کو پناہ نہیں دی جائے گی (یعنی پناہ دینے کا حق پناہ گزین کو نہیں بلکہ اصل کو ہے)۔

42۔ اور یہ کہ اس دستور والوں میں جو کوئی قتل یا جھگڑا رونما ہو جس سے فساد کا ڈر ہو تو اللہ اور اللہ کے رسول محمد ﷺ سے رجوع کیا جائے گا اور اللہ اس شخص کے ساتھ ہے جو اس دستور کی زیادہ سے زیادہ احتیاط اور وفا شعاری کے ساتھ تعمیل کرے۔

43۔ اور قریش اور ان کی مدد کرنے والوں کو امان نہیں دی جائے گی۔

44۔ اور یہ کہ معاہدہ کرنے والے فریق، یثرب پر حملہ ہونے کی صورت میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کے پابند ہوں گے۔

45۔ (الف)۔ان (مسلمانوں میں سے جو اپنے حلیف کے ساتھ صلح کرنے (امن قائم کرنے) کے لیے یہود کو دعوت دے تو یہود اس سے صلح کر لیں گے۔ اسی طرح اگر وہ (یہود) کسی ایسی ہی صلح کی دعوت دیں تو مؤمنین بھی اس دعوت کو قبول کریں گے سوائے اس صورت کے کہ وہ (حلیف) دین کی خاطر جنگ میں مشغول ہو۔

45۔ (ب)۔ ہر گروہ کے حصے میں اسی رخ کی (مدافعت) آئے گی جو اس کے بالمقابل ہو۔

46۔ اور قبیلہ اوس کے یہودیوں کو، موالی ہوں کہ اصل، وہی حقوق حاصل گے جو اس دستور والوں کو اور وہ (بنو اوس) بھی اس دستور والوں کے ساتھ خالص وفا شعاری کا برتاؤ کریں گے۔ اور وفا شعاری ہو گی نہ کہ عہد شکنی۔ جو جیسا کرے گا ویسا خود ہی بھرے گا۔ اور اللہ اس کے ساتھ ہے جو اس دستور کی زیادہ سے زیادہ صداقت اور زیادہ سے زیادہ وفا شعاری کے ساتھ تعمیل کرے۔

47۔ یہ معاہدہ ظالم اور گنہگار کو تحفظ نہیں دے گا۔ جو (مدینہ سے) باہر نکل جائے وہ مامون رہے گا اور جو (مدینہ) میں ہو گا وہ بھی مامون ہو گا، لیکن جو ظلم و گناہ کا مرتکب ہو گا وہ مامون نہیں رہے گا اور اللہ بھی اس کا نگہبان ہے جو وفا شعاری اور احتیاط (سے تعمیل عہد) کرے اور اللہ کا رسول محمد ﷺ بھی۔

## 1.6.3 میثاق مدینہ کا خلاصہ

مذکورہ بالا سطور میں آپ نے میثاق مدینہ کی تمام دفعات کا تفصیلی مطالعہ کیا، اب ان دفعات کا خلاصہ ملاحظہ کریں۔

1۔ یہ سب مسلمان (مہاجرین و انصار) دوسرے لوگوں کے مقابلے میں ایک امت ہیں۔

2۔ خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا تھا، اب بھی قائم رہے گا۔

3۔ معاہدے کے تمام فریق خواہ مسلمان ہوں یا یہودی اپنے اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے میں آزاد ہوں گے۔

4۔ یہود اور مسلمان آپس میں اچھا تعلق رکھیں گے اور ایک سیاسی وحدت کے طور پر اکھٹے رہیں گے۔

5۔ یہود یا مسلمانوں میں سے کسی ایک فریق کو لڑائی پیش آجائے تو دوسرا فریق اس کی مدد کرے گا۔

6۔ کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا۔

7۔ مدینے پر حملے کی صورت میں دونوں فریق مل کر اس کا دفاع کریں گے۔

8۔ کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہو گا لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہو گی۔

9۔ اس عہدنامے کے پابند لوگوں میں جب بھی کسی معاملے میں اختلاف پیدا ہو گا تو آخری فیصلہ حضور ﷺ کا مانا جائے گا۔

10۔ کوئی بھی حضور ﷺ کی اجازت کے بغیر جنگ کے لیے نہ نکلے گا۔

## 1.6.4 میثاق مدینہ کے اثرات

رسول پاکﷺ نے مقامی آبادی سے جو معاہدہ فرمایا اسے ہم سیاسی زبان میں "دستور" کہہ سکتے ہیں۔ بلاشبہ یہ دُنیا کا پہلا تحریری دستور ہے۔ اس میں شامل جماعتوں نے خوشی سے اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ اس کے اہم نتائج حسب ذیل تھے۔

- مدینہ کے اس نئے منظم معاشرے میں اللہ تعالٰی کی حاکمیت اور اس کے قانون کو بنیادی اہمیت حاصل ہوگئی۔
- سیاسی، قانونی اور عدالتی لحاظ سے آخری اختیار حضرت محمدﷺ کے ہاتھ آ گیا۔
- دفاعی لحاظ سے مدینہ اور اس کے اردگرد کی پوری آبادی ایک متحدہ طاقت بن گئی اور دفاعی لحاظ سے بھی مرکزی اور فیصلہ کن اختیار حضورﷺ کے پاس آ گیا۔
- اس دستوری معاہدے سے باضابطہ طور پر اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔

## 1.6.5 یکم ہجری کے اہم واقعات

- مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی اور باقاعدہ اذان کی ابتداء ہوئی۔
- مہاجرین وانصار میں بھائی چارے کا معاہدہ ہوا جسے "مواخات مدینہ" کہتے ہیں۔
- حضورﷺ نے مقامی آبادی یعنی یہود کے ساتھ بھی معاہدہ فرمایا جسے "میثاق مدینہ" کہتے ہیں۔
- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضورﷺ کا نکاح ہو چکا تھا۔ یکم ہجری کو رخصتی ہوئی۔

# خود آزمائی نمبر1

1۔ حضور پاک ﷺ نے قبا میں کس صحابی ؓ کے گھر میں قیام فرمایا؟

2۔ اسلام کی پہلی مسجد کہاں بنی؟

3۔ سب سے پہلی نماز جمعہ کہاں ادا کی گئی؟

4۔ مدینہ میں قیام کے بعد آپ ﷺ نے سب سے پہلے کیا کام کیا؟

5۔ مسجد نبوی کے ساتھ سب سے پہلے کن دو ازواجِ مطہرات کے حجرے بنائے گئے؟

6۔ اذان کا طریقہ کس صحابی ؓ کے مشورے پر اختیار کیا گیا؟

7۔ مواخاتِ مدینہ کیا ہے؟ اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟

8۔ میثاقِ مدینہ کیا مراد ہے؟ اس کی اہم دفعات کیا تھیں؟

9۔ میثاقِ مدینہ کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟

# 2- غزوۂ بدر

قریش مکہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے سخت دشمن تھے۔ مکے میں انہوں نے اللہ کے سچے دین کو برباد کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی یہاں تک کہ مسلمانوں کو مجبوراً ہجرت کر کے مدینہ آنا پڑا۔ مدینہ میں اسلام تیزی سے پھیلنے لگا اور مسلمانوں کی چھوٹی سی باقاعدہ ریاست قائم ہوگی۔ یہ بات قریش کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ وہ رات دن یہ منصوبے بنانے لگے کہ کسی طرح مدینہ کی اس نئی حکومت کا خاتمہ کر دیا جائے۔ مسلمانوں کو قریش کے ان ارادوں کا علم تھا اس لیے انہوں نے یہود کے ساتھ دفاعی معاہدہ بھی کر لیا تھا۔ مدینہ میں عبداللہ بن ابی نام کا ایک سردار تھا۔ حضور ﷺ کی مدینہ تشریف آوری سے پہلے مدینہ کے لوگ اسے اپنا حکمران بنانے پر آمادہ تھے لیکن حضور ﷺ کی آمد کے بعد سب لوگوں نے آپ ﷺ کو اپنا حکمران مان لیا۔ اس لیے مجبوراً عبداللہ بن ابی بھی بظاہر مسلمان بن گیا لیکن دل میں مسلمانوں سے سخت بغض رکھتا تھا۔ قریش مکہ نے اسے لکھا کہ

> ”تم نے ہمارے آدمی کو اپنے یہاں پناہ دی ہے یا تو اسے قتل کر دو یا اپنے یہاں سے نکال دو ورنہ ہم مدینے پر حملہ کر کے تمہیں فنا کر دیں گے“۔

حضور ﷺ کو اس بات کا علم ہو گیا تو آپؐ نے عبداللہ بن ابی کو سمجھایا کہ اکثر اہل مدینہ مسلمان ہو چکے ہیں اس لیے تم اپنے بھائیوں بھتیجوں سے کیسے لڑو گے؟ چنانچہ عبداللہ قریش کی خواہش پر عمل نہ کر سکا، اس پر قریش مکہ کا غصہ اور بھی بڑھ گیا۔

قریش مکہ کے تجارتی قافلے شام کو جاتے ہوئے مدینہ کے نواح سے گزرتے تھے۔ مسلمانوں کو خدشہ تھا کہ کہیں یہ قافلے انہیں نقصان نہ پہنچائیں اس لیے مدینہ کے نواح میں رہنے والے قبائل سے معاہدے کیے گئے تھے۔ اسی اثناء میں مکہ کے ایک سردار کرز بن جابر فہری نے مدینے کی چراگاہ پر حملہ کیا اور مسلمانوں کے مویشی ہانک کر لے گیا۔ اسی دوران اطلاع مدینہ پہنچ گئی اور مسلمانوں نے تعاقب کر کے مویشی چھین لیے لیکن کرز بن جابر بچ کر نکل گیا۔ اب مسلمانوں نے قریش کے تجارتی قافلوں کی نقل و حرکت کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ رجب 2 ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن جحش کو بارہ آدمیوں کی مختصر جماعت کے ساتھ قریش کے ایک تجارتی قافلے کا سراغ لگانے بھیجا۔ اتفاق سے وہ قریش کی ایک چھوٹی سی جماعت سے دوچار ہوئے جو مال تجارت لا رہی تھی۔ حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے حضور ﷺ کی اجازت کے بغیر

اس پر حملہ کر دیا اور مال و اسباب لوٹ لیا۔ اس حملے میں قریش کا ایک شخص عمر بن حضرمی مارا گیا۔ حضورﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ عبداللہ بن جحش پر بہت ناراض ہوئے کہ میں نے تمھیں اس کی اجازت نہیں دی تھی لیکن قریش کو بہانہ ہاتھ آ گیا اور عمر بن حضرمی کا بدلہ لینے کے نام پر جنگ کی تیاری شروع کر دی۔

## 2.1 جنگ بدر کے فوری اسباب

عمر بن حضرمی کے قتل کے بعد کا واقعہ ہے کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ جو ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا، ابوسفیان کی قیادت میں شام سے آ رہا تھا۔ ابوسفیان کو مدینہ کے نواح میں کچھ خطرہ محسوس ہوا اور اس نے اہل مکہ سے مدد طلب کی اس پر مکہ کے سردار ابوجہل نے مسلمانوں کے خلاف لشکر جمع کیا اور مدینہ کو روانہ ہوا۔

حضورﷺ کو کفار کی ان تیاریوں کی اطلاع ملی تو صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ مہاجرین نے جوشیلی تقریریں کیں۔ اسی طرح انصار کی جانب سے حضرت سعد بن عبادہ نے اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ اب حضورﷺ تین سو تیرہ جانثاروں کے ساتھ شہر سے باہر نکلے اور مدینہ سے تقریباً تیس میل کے فاصلے پر بدر کے میدان میں پہنچے۔ اسی اثناء میں قریش کی امدادی فوج مکہ سے روانہ ہو کر بدر کے نواح میں پہنچ گئی۔ یہیں انھیں اطلاع ملی کہ ابوسفیان کا قافلہ بخیریت مکہ پہنچ گیا ہے۔ اس لیے بعض سرداروں کا خیال تھا کہ اب جنگ کرنے کی بجائے مسلمانوں سے صلح کر لینی چاہیئے اور عمر بن حضرمی کا خون بہا لینا چاہیے لیکن اس تجویز کی ابوجہل نے مخالفت کی دراصل مسلمانوں کی انتہائی کم تعداد کے مقابلے میں اسے اپنے ایک ہزار جنگجو جوانوں پر ناز تھا۔ اس کے پاس اسلحہ بھی بہت سا تھا اس لیے اس نے لڑائی کی حمایت کی۔

## 2.2 جنگ بدر کے واقعات

قریش مکہ کی آمد کی خبر سن کر حضورﷺ نے اپنے بعض صحابہ کرامؓ کے پڑاؤ کو بدلا۔ پانی پر اپنی بہتر دسترس خاص طور پر مدِ نظر تھی۔ اسی طرح یہ بھی خیال رکھا گیا کہ دن چڑھے تو سورج آنکھوں پر نہ آئے۔ لڑائی 17 رمضان المبارک 2 ہجری کو ہوئی۔ اس سے پہلے رات بھر حضورﷺ اللہ تعالیٰ سے فتح کی دعائیں مانگتے رہے۔ صبح آپﷺ نے نماز پڑھائی اور اپنے وعظ سے مسلمانوں کو نیا جذبہ عطا فرمایا پھر مسلمانوں کی صف بندی فرمائی۔ اسلامی فوج تین حصوں میں منقسم تھی۔ مہاجرین، بنی اوس اور بنی خزرج کے الگ الگ علمبردار مقرر کیے گئے۔ حضورﷺ نے حکم دیا کہ مسلمان

صف بندی کو نہ توڑیں اور جب تک حکم نہ ملے جنگ شروع نہ کریں۔

یہ جنگ بڑی آزمائش کی جنگ تھی۔حق و باطل، نور و ظلمت یعنی اسلام اور کفر کی جنگ تھی اور مسلمانوں کو اپنے ہی کافر رشتہ داروں کے خلاف تلوار اٹھانا پڑی۔صف بندی کے انتظامات مکمل کرنے کے بعد حضور اپنے چند خاص مشیروں جن میں حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی شامل تھے، کے ساتھ ایک ٹیلے پر چلے گئے جہاں سے میدان جنگ صاف نظر آتا تھا۔

سب سے پہلے عمر بن حضرمی کا بھائی عامر خون کا بدلہ لینے کے لیے نکلا۔ایک مسلمان نے آگے بڑھ کر اپنی تلوار سے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔پھر دستور عرب کے مطابق قریش کی صفوں میں سے تین سردار عتبہ، ولید اور شیبہ نکلے۔ ان کے مقابلے کے لیے حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ ؓ کو روانہ کیا گیا۔حضرت حمزہ اور حضرت علیؓ نے عتبہ اور ولید کو جہنم واصل کر دیا لیکن شیبہ نے حضرت عبیدہؓ کو زخمی کر دیا۔اس پر حضرت علیؓ آگے بڑھے اور تلوار کی ضرب سے شیبہ کے دو ٹکڑے کر دیئے۔اس کے بعد عام لڑائی شروع ہوئی۔مسلمان انتہائی بہادری سے لڑے۔انصار کے دو نوعمر لڑکوں نے ابو جہل پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ابو جہل کی موت سے قریش مکہ کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ گئے۔

## 2.3 جنگ بدر کے نتائج

اس جنگ میں مسلمانوں کے صرف چودہ آدمی شہید ہوئے جب کہ کفار کے ستر آدمی مارے گئے جن میں گیارہ سردار وہ تھے جنھوں نے ہجرت سے پہلے حضور ﷺ کے قتل کے منصوبے میں حصہ لیا تھا۔اس کے علاوہ مسلمانوں کو بہت سا جنگی سامان اور جنگی قیدی بھی ہاتھ آئے۔

اس جنگ کے نتیجے میں اہل عرب کی نظروں میں مسلمانوں کا اقتدار بہت بڑھ گیا۔اب وہ محض ایک مذہبی جماعت نہ تھے بلکہ سیاسی قوت بن گئے تھے چنانچہ قریش کی شکست اور ان کے بڑے بڑے سرداروں کی موت سے وقتی طور پر مدینہ کی حکومت محفوظ ہوگئی، یہود بھی دب گئے اور مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوگئے اور انہوں نے اسلام کی وسعت کے لئے کھل کر کام کرنا شروع کر دیا۔

## 2.4 جہاد کی اجازت

غزوہ بدر تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو جنگ کی اجازت نہ تھی کیونکہ اسلام تو امن وسلامتی سکھاتا ہے اسی لیے حضورﷺ نے مکہ میں پورے تیرہ سال انتہائی صبر سے کفار کے مظالم برداشت کیے۔آخر مجبور ہو کر مسلمانوں نے اپنا گھر بار چھوڑ کر نئے وطن میں قیام کیا تو انہیں یہاں بھی چین نہ لینے دیا۔اب صورت حال یہ تھی کہ اگر مسلمان جنگ نہ کرتے تو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح ہو جاتے اور دنیا میں توحید کا پیغام سنانے والا کوئی نہ رہتا۔

جنگ بدر پہلی جنگ تھی جس میں مسلمانوں نے تلوار چلائی۔اس میں بھی وہ خود حملہ آور نہ ہوئے بلکہ ان کے دشمن فوج لے کر نواح مدینہ میں پہنچ گئے اور مسلمانوں نے اپنی حفاظت کے لیے تلوار سے مقابلہ کیا۔اس بات کی نشاندہی اس آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں مسلمانوں کو باقاعدہ لڑائی کی اجازت دی گئی۔فرمایا:

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۝

ترجمہ:''وہ جن لوگوں سے جنگ کی جارہی ہے انھیں اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم ہوا اور بے شک اللہ ان کی مدد پر قادر ہے یہ لوگ بلا سبب اپنے وطن سے اس لیے نکالے گئے کہ انہوں نے اللہ کو اپنا رب مان لیا ہے''۔

## 2.5 جنگ بدر کی تاریخی اہمیت

جنگ بدر تاریخ عالم کا ایک حیرت انگیز واقعہ ہے۔اس میں تین سو تیرہ آدمیوں نے جو ظاہری ساز وسامان سے محروم تھے ایک مہاجر سردار کی قیادت میں عرب کی سب سے بڑی سیاسی و مذہبی جماعت کے ایک ہزار جوانوں کو جو سامان جنگ سے پوری طرح لیس تھے،شکست دی۔

اس جنگ نے ثابت کر دیا کہ دنیا کی جدوجہد میں ظاہری ساز وسامان کچھ اہمیت نہیں رکھتا۔دنیاوی جاہ وجلال اور فوجوں کی کثرت فتح کا نشان نہیں ہے بلکہ دنیا میں غلبہ اہل ایمان کو حاصل ہوتا ہے جو خلوص دل سے اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں چنانچہ اسلامی تاریخ میں ایسے بے شمار واقعات ملتے ہیں جن میں تھوڑے سے مسلمانوں نے اپنے سے کئی گنا زیادہ مخالفین کو شکست دی۔

# 3- دوسری ہجری کے دیگر واقعات

## 3.1 تحویل قبلہ۔شعبان 2ہجری

ہجرت سے پہلے مکہ میں مسلمانوں کی حیثیت ایک کمزور انقلابی گروہ کی تھی، جو قریش کی نظروں میں دینی وسیاسی لحاظ سے باغی تھا اسی لیے قریش نے مسلمانوں پر بے انتہا ظلم ڈھائے لیکن اس کے باوجود مسلمانوں نے اپنی دینی وملی حیثیت کو مکہ کے مشرکوں سے، الگ کرنے کے لیے اپنا قبلہ بیت المقدس بنایا۔قومی وسیاسی لحاظ سے ایسا کرنا بہت ضروری تھا لیکن مدینہ میں حالات بالکل مختلف تھے۔ یہاں ایک تو مسلمان خود سیاسی اور دینی اعتبار سے آزاد تھے، دوسرا دینی وثقافتی اعتبار سے یہود ان کے کھلے دشمن تھے اس لیے مسلمانوں کو ان سے الگ کرنے کے لیے اور ان میں الگ قومی جذبہ بیدار کرنے کے لیے ضروری تھا کہ ان کا اور یہود کا قبلہ ایک نہ ہو چنانچہ آپؐ یہود کے قبلے بیت المقدس کے مقابلے میں کعبے کو مسلمانوں کا قبلہ بنانا چاہتے تھے۔اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہجرت کے 18ماہ بعد 2ہجری میں بذریعہ وحی تحویل قبلہ کی اجازت دے دی گئی۔

تحویل قبلہ کا یہ واقعہ یہود کے لیے غیر معمولی اہمیت کا حامل تھا۔ انہوں نے بیت المقدس کی بجائے کعبہ کو قبلہ بنانے کی خبر سنتے ہی بھانپ لیا کہ مسلمانوں میں جذبہ قومیت بیدار ہو گیا ہے اور آگے چل کر وہ ان کے زبردست دشمن بن جائیں گے اس کے علاوہ منافقین جو بظاہر مسلمانوں میں شامل تھے، اپنا نفاق چھپا نہ سکے اور کھل کر پیغمبر اسلام کے خلاف بولنا شروع کر دیا کہ ان کا قبلہ روز تبدیل ہو جاتا ہے اس طرح ان کی منافقت ظاہر ہو گئی۔ ان کے مقابلے میں صحیح العقیدہ مسلمانوں کا طرزِ عمل بھی سامنے آیا جنہوں نے اللہ کے حکم کے مطابق فوراً اپنا رخ کعبہ کی جانب کر لیا۔

## 3.2 غزوۂ بنی قینقاع

مدینہ میں یہود کے تین قبیلے آباد تھے۔قینقاع، نضیر اور قریظہ۔ یہ لوگ زمیندار، دولت مند، تجارت پیشہ اور صنعت کار تھے۔ ان میں قینقاع زرگری کا پیشہ کرتے تھے اور ان کے پاس جنگی سازوسامان بھی بہت سا تھا۔ اس لیے مقامی آبادی میں ان کا بہت رعب تھا لیکن مسلمانوں کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہ رہی۔ایک تو مہاجرین کی آمد کی وجہ سے ان کی تجارت متاثر ہوئی دوسرا ایسی آیات بھی نازل ہو رہی تھیں جن کی آمد کی وجہ سے ان کا مذہبی رعب ختم ہو گیا

اوران کی بداعمالیاں کھل کر سامنے آگئیں۔ یہاں تک کہ تحویل قبلہ کے واقعہ نے انہیں بہت بھڑکا دیا۔ ایسے وقت میں جب مسلمانوں کو بدر کے میدان میں فتح نصیب ہوئی تو یہود بہت فکر مند ہوئے اور انہیں صاف نظر آگیا کہ اب اسلام ایک طاقت بن گیا ہے اس لیے انہیں اس کے مقابلے کی فکر ہوئی۔ اسی اثناء میں ایک واقعہ جنگ کا فوری سبب بن گیا۔ ایک مسلمان انصاری خاتون کسی کام سے بنوقینقاع کے محلے میں گئیں، وہاں یہودیوں نے ان کی بے حرمتی کی، ایک مسلمان یہ سب دیکھ رہا تھا۔ اس نے جوش میں آکر ایک یہودی کو مارڈالا جس کے جواب میں یہودیوں نے اس مسلمان کو قتل کردیا۔ اس واقعے کی اطلاع حضور ﷺ کو ملی تو آپ ﷺ بنوقینقاع کے پاس گئے اور فرمایا کہ

"اللہ سے ڈرو، ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی بدر والوں کی طرح عذاب آئے"۔

وہ بولے ہم قریش نہیں ہیں۔ ہم سے معاملہ ہوا تو ہم دکھادیں گے کہ لڑائی کس چیز کا نام ہے۔ چونکہ ان کی طرف سے معاہدے کی خلاف ورزی اور اعلان جنگ ہو گیا تھا اس لیے مجبوراً مسلمانوں نے لڑائی کی اور وہ قلعہ بند ہو گئے۔ پندرہ دن تک محاصرہ رہا۔ آخر وہ اس پر راضی ہوئے کہ حضور ﷺ جو فیصلہ کریں گے انہیں منظور ہوگا۔ عبداللہ بن ابی منافق ان کا حلیف تھا۔ اس نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ وہ جلاوطن کردیئے جائیں چنانچہ آپ ﷺ نے اس کی بات مان لی اور یہود کا یہ قبیلہ شام کے علاقے کی طرف جلاوطن کردیا گیا۔ یہ تقریباً سات سو لوگ تھے۔

## 3.3 دوسری ہجری کے چند متفرق واقعات

-1 حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

-2 اسی سال رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے۔

-3 صدقہ عید الفطر کا حکم نازل ہوا اور عید الفطر کی نماز با جماعت ادا کی گئی۔

-4 اسی سال ابوسفیان نے رات کے اندھیرے میں چھپ کر مدینہ پر حملہ کرنا چاہا لیکن مسلمانوں کی حفاظتی تدابیر کی وجہ سے ناکام رہا۔ آخر مدینہ کے نواح میں ایک نخلستان کو تباہ کیا اور اس لڑائی میں ایک مسلمان شہید ہوا مسلمانوں کو اطلاع ہوئی تو اس کا پیچھا کیا جس پر ابوسفیان مکہ بھاگ گیا۔ اس لڑائی کو "غزوہ سویق" کہتے ہیں۔

-5 "غزوہ سویق" سے واپسی پر مسلمانوں نے پہلی بار عید الاضحیٰ منائی اور حضرت ابراہیمؑ کی پیروی میں جانوروں کی قربانی کی۔

# خود آزمائی نمبر 2

-1　مکہ کے کس سردار نے مسلمانوں کی چراہ گاہ پر حملہ کیا؟

-2　حضورﷺ نے عبداللہ بن جحش کو کس مقصد سے بھیجا اور انہوں نے کیا کیا؟

-3　جنگ بدر کے فوری اسباب کیا تھے؟

-4　جنگ میں سب سے پہلے کن سرداروں کا آپس میں مقابلہ ہوا؟

-5　اس جنگ میں دونوں فریقوں کا کتنا جانی نقصان ہوا؟

-6　جنگ بدر کا نتیجہ کیا نکلا؟

-7　جنگ بدر کی تاریخی اہمیت کیا ہے؟

-8　مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنگ کرنے کی اجازت کیوں ملی؟

-9　تحویل قبلہ کا واقعہ کیوں پیش آیا اور اس پر یہود کی ناراضگی کا سبب کیا تھا؟

-10　حضورﷺ نے بنو قینقاع کے خلاف کیوں محاصرہ کیا اور اس کا کیا نتیجہ نکلا؟

# 4- غزوۂ اُحد (شوال 3ہجری)

## 4.1 پس منظر

### (ا) کعب بن اشرف کا قتل (16 ربیع الاول 2ھ ہجری)

بدر میں مسلمانوں کی شاندار فتح کی خبر سے مدینہ کے یہود کو سخت صدمہ پہنچا۔ایک تو وہ تصور ہی نہیں کر سکتے تھے کہ مسلمان قریش جیسی عظیم قوت کو شکست دے سکتے ہیں ،دوسرے انہیں مسلمانوں کی عسکری قوت کا بھی اندازہ ہوگیا تھا چنانچہ وہ پہلے سے زیادہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔ان باغیانہ سرگرمیوں کا سرغنہ یہود کا ایک سردار کعب بن اشرف تھا۔وہ مسلمان عورتوں کے فرضی عشقیہ قصے بیان کرتا اور اپنے شعروں میں حضور ﷺ کی ہجو (برائی) بیان کرتا۔قریش کی شکست کی خبر سن کر اس سے رہا نہ گیا۔

وہ بدر کے مقتولین کے افسوس کے لیے مکہ گیا، ان کے مرثیے کہے پھر مختلف قبائل کا دورہ کر کے مسلمانوں سے بدلہ لینے پر اکسایا چنانچہ حضور ﷺ نے اس سازشی کی نیت کو بھانپتے ہوئے اس کا خاتمہ ضروری سمجھا اور اپنے ایک صحابی محمد بن مسلمہؓ کی قیادت میں ایک چھوٹی سی چھاپہ مار جماعت کو اس کے خلاف بھیجا۔انہوں نے کعب بن اشرف کو قتل کر دیا۔اس سے یہود میں خوف پھیل گیا اور انہوں نے تحریری طور پر عہد کیا کہ آئندہ ایسی حرکتوں اور باغیانہ سرگرمیوں سے باز رہیں گے۔

### (ب) قریش کی تجارتی ناکہ بندی توڑنے کی کوشش (جمادی الآخر 3ہجری)

چونکہ قریش کی معیشت کا انحصار شام و عراق کی تجارت پر تھا۔بدر کی فتح کے بعد مسلمانوں نے شام اور مکہ کی قدیم تجارتی شاہراہ قریش پر بند کر دی تو انہیں مجبوراً عراق کی طرف رخ کرنا پڑا۔ان کا ایک قافلہ بھاری مالِ تجارت لے کر عراق کی طرف روانہ ہوا۔آپ ﷺ کو اپنے مخبروں کے ذریعے بروقت اس قافلے کی اطلاع مل گئی۔

قریش کو معاشی طور پر کمزور کرنے کا یہ بہت اچھا موقع تھا جس سے آپ ﷺ نے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور حضرت زید بن حارثہؓ کی قیادت میں ایک دستہ نے کفار کے لاکھوں روپے کے سامان پر قبضہ کر لیا۔اس کاروانِ تجارت کے لٹ جانے کے بعد قریش پر شام و عراق کی دونوں شاہراہیں بند ہو گئیں چنانچہ اپنے معاشی تسلط کو قائم رکھنے کے لیے انہوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاریاں تیز کر دیں۔عرب کی بیرونی اور اندرونی تجارت پر قریش مکہ کی اجارہ داری تھی جو

ان کی خوشحالی کا ایک بہت بڑا ذریعہ تھی۔ مسلمانوں نے ان کی تجارتی شاہراہوں کی ناکہ بندی کر کے ایک تو ان کی تجارتی اجارہ داری ختم کر دی اور دوسرا ان کی جگہ خود لے لی۔اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ قریشکو جنگ کی تیاریوں کے لیے مال کی ضرورت تھی اور اس طرح ان کے وسائل محدود ہو گئے۔

## 4.2 غزوۂ احد کے اسباب

1- جنگ بدر کے لیے محض عمر بن حضرمی کے قتل کو بہانہ بنایا گیا تھا لیکن میدان میں بڑے بڑے سردار مثلاً ابو جہل، ولید، عتبہ، شیبہ وغیرہ مارے گئے تھے اب مکہ کے نئے سردار ابو سفیان نے ان کا بدلہ لینے کے لیے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔

2- شام کی تجارتی شاہراہ جس پر مکہ کی معیشت کا انحصار تھا، اسے محفوظ کرنے کے لیے مدینہ کی اسلامی حکومت کا خاتمہ ضروری سمجھا۔

3- مذہبی اور سیاسی اعتبار سے قریش کو تمام قبائل عرب پر خاص امتیاز حاصل تھا۔ بدر کی شکست نے قریش کی شہرت کو بہت نقصان پہنچایا اور قبائل عرب میں ان کی اہمیت کم ہو گئی۔اس بات کا تقاضا تھا کہ شکست کا بدلہ لے کر اپنے گرتے ہوئے وقار کو سنبھالا جائے۔

مکہ کے نئے سردار ابو سفیان نے بدر کے مقتولوں کا بدلہ لینے کی قسم کھائی چنانچہ شام سے آنے والے قافلے کا تمام سرمایہ جنگی تیاریوں کے لیے وقف کر دیا گیا۔شاعروں نے جذبات بھڑکانے والی نظمیں کہیں اور عورتوں نے انہیں طعنے دیئے۔اس طرح ایک سال میں تین ہزار آدمیوں کی فوج لڑائی کے لئے تیار ہو گئی۔

رسول پاک ﷺ کو مکہ میں مقیم اپنے چچا حضرت عباس کے ذریعے سے قریش کی جنگی تیاریوں کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کو مشورے کے لیے مسجد نبوی میں بلایا۔ عبداللہ بن ابی منافق نے رائے دی کہ شہر میں رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری رائے میں شہر بند ہونے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ معلوم نہیں دشمن کب تک محاصرہ جاری رکھے اس لیے شہر سے نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی ان کی رائے کی تائید کی۔ آخر اکثریت کی رائے کے حق میں فیصلہ ہوا کہ دشمن کا کھلے میدان میں مقابلہ کیا جائے۔

قریش کا لشکر اُحد کے میدان میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔حضور ﷺ جمعہ کی نماز کے بعد ایک ہزار سپاہیوں کے ہمراہ شہر سے نکلے۔شہر سے باہر عبداللہ بن ابی منافق اپنے تین سو سپاہیوں کو لے کر اسلامی لشکر سے الگ ہو گیا کہ چونکہ میری

بات نہیں مانی گئی اس لیے میں آپ لوگوں کا ساتھ نہیں دوں گا۔اس طرح کفار کے تین ہزار کے مقابلے میں سات سو مسلمان رہ گئے۔مسلمان عورتوں کی کافی تعداد بھی ساتھ تھی تاکہ زخمی سپاہیوں کی مرہم پٹی کریں، انہیں پانی پلائیں اور تیر وغیرہ لاکر دینے میں سپاہیوں کی مدد کریں۔

## 4.3 غزوۂ احد کے واقعات

احد کے میدان میں پہنچ کر حضور ﷺ نے پہاڑ کو پشت پر رکھ کر پڑاؤ ڈالا۔ احد کی پہاڑی کے جنوبی حصے میں ایک وادی تھی۔حضور ﷺ نے اس پہاڑی پر پچاس تیرانداز حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں مقرر کیے اور انہیں حکم دیا کہ جب تک کہا نہ جائے کسی حال میں اپنی جگہ سے نہ ہلیں۔ باقی سپاہیوں کو آپ ﷺ نے میدان میں ترتیب سے صفوں میں کھڑا کیا۔ اسی دوران قریش کی عورتیں رزمیہ گیت (جنگی ترانے) گاتی ہوئی آگے بڑھیں۔ پھر جنگ شروع ہوئی تو عرب کے دستور کے مطابق ان کا علمبردار طلحہ صف سے آگے آیا اور مقابلے کے لیے للکارا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے کے لیے نکلے اور اسے قتل کر دیا۔ اس پر طلحہ کا لڑکا جوش انتقام سے نکلا۔حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اس کا خاتمہ کر دیا۔ اب عام لڑائی شروع ہوئی ۔حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت ابودجانہ انصاری رضی اللہ عنہ دشمن کی فوج کی صفوں میں گھس گئے اور دشمن کے سپاہیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کی بہادری پر حضور ﷺ نے ایک تلوار بطور انعام عطا فرمائی۔

جنگ بدر میں ابوسفیان کی بیوی ہندہ کا باپ عتبہ اور چچا شیبہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارے گئے تھے اور اس کے بھائی ولید کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا اس لیے وہ انتقام کی آگ میں جل رہی تھی اس نے حبشی غلام وحشی کو انعام کا لالچ دے کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے پر آمادہ کر لیا۔ وہ نیزہ پھینکنے میں بہت ماہر تھا۔ اس نے دور سے نیزہ پھینکا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ ہندہ نے جوش انتقام میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکال کر دانتوں تلے چبا ڈالا۔

اگرچہ مسلمانوں کی تعداد کم تھی، ان کے پاس ہتھیار بھی کافی نہ تھے لیکن جوش ایمانی سے انہوں نے ایسے جنگ کی کہ کفار کے قدم اکھڑ گئے اور وہ میدان سے بھاگ نکلے۔ اس پر مسلمانوں نے ان کا پیچھا کرنے کی بجائے غنیمت کا مال جمع کرنا شروع کر دیا۔ درے پر جن پچاس آدمیوں کو آپ ﷺ نے مقرر کیا تھا وہ بھی مال غنیمت جمع کرنے میں شریک ہو گئے ان کے سردار نے کافی سمجھایا کہ حضور ﷺ کے حکم کے بغیر کسی حال میں تم اس جگہ سے نہیں ہٹ سکتے لیکن انہوں نے

یہ خیال کرتے ہوئے کہ اب تو جنگ ختم ہو چکی ہے امیر کی بات نہ سنی۔ خالد بن ولید اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے انہوں نے درے کو خالی دیکھا تو اپنے سو سواروں کو ساتھ لے کر پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ اب سامنے سے بھی دشمن پلٹ آیا اور مسلمانوں کو اچانک آگے پیچھے دونوں طرف سے دشمن کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس بدحواسی میں مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت شہید ہو گئی۔

اب کفار کا سارا زور حضور ﷺ کی جانب تھا کہ کسی طرح سے آپ کو شہید کر دیں۔ اس پر صحابہ کرام ؓ کی ایک بہادر جماعت نے آپ ﷺ کو گھیرے میں لے لیا۔ اسی اثناء میں حضرت مصعب بن عمیر ؓ شہید ہو گئے چونکہ ان کی صورت حضور ﷺ سے کافی ملتی تھی۔ اس لیے کفار نے شور مچا دیا کہ نعوذ باللہ حضور شہید ہو گئے اس پر مسلمانوں نے شدت سے جنگ شروع کر دی کہ حضور ﷺ کے بعد زندہ رہ کر کیا کریں گے۔

اسی دوران ایک صحابی کی آپ ﷺ پر نظر پڑی اور اس نے دوسروں کو آگاہ کیا کہ حضور ﷺ ہم میں موجود ہیں۔ اس پر کچھ اور لوگ آپ ﷺ کے گرد جمع ہوئے۔ کفار ہر طرف سے آپ ﷺ پر حملہ کر رہے تھے لیکن جانثار صحابہ ؓ ہر وار کو اپنے اوپر برداشت کرتے۔ اسی اثناء میں حضور ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی ہوا دو دندان مبارک شہید ہو گئے اور خود کی کڑیاں چہرے میں چبھ گئیں لیکن اس حالت میں بھی آپ ﷺ کی زبان مبارک پر جو الفاظ تھے، وہ آپ کی وسعت قلبی کی واضح دلیل ہیں:

"اے اللہ! میری قوم کے قصوروں کو معاف فرما، وہ نادان ہیں اور نہیں جانتے کہ وہ کیا کر رہے ہیں"

چند جاں نثار صحابہ کرام ؓ آپ ﷺ کو لے کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے کفار نے پیچھا کرنا چاہا لیکن پتھر برسا کر ان کا حملہ پسپا کر دیا گیا اس پر ابو سفیان ایک پہاڑی پر چڑھ کر ہبل دیوتا کے نعرے لگانے لگا جواب میں مسلمانوں نے اللہ اکبر کے نعرے لگائے۔

## 4.4 جنگ احد میں مسلمان خواتین کا کردار

جنگ احد میں مسلمان خواتین نے جن میں ام سلیطؓ، ام سلیمؓ اور حضرت عائشہؓ شامل تھیں، زخمیوں کو پانی پلانے کی خدمات سرانجام دیں۔ چونکہ نبی کریم ﷺ زخمی ہو گئے تھے اس لیے آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ میدان میں پہنچیں اور آپ ﷺ کے زخموں کو دھو کر ان پر چٹائی کا ٹکڑا جلا کر رکھا اور اس پر پٹی باندھی جس سے خون بہنا بند ہو گیا۔ اسی طرح ایک انصاری خاتون کو یکے بعد دیگرے ان کے باپ، بھائی اور شوہر کی شہادت کی خبر ملی لیکن وہ ہر بار حضور ﷺ کے بارے میں

پوچھتی تھیں جب آپ ﷺ کو سلامت دیکھا تو کہا کہ آپ ﷺ خیریت سے ہیں تو پھر سب کی تکلیفیں ہیچ ہیں۔

## 4.5 لشکر کفار کا تعاقب

ابوسفیان نے اگرچہ مسلمانوں کو پھر لڑنے کا چیلنج دیا لیکن مسلمانوں کے خوف سے اپنی باقی فوج کو اکٹھا کر کے مکہ کی طرف بھاگ گیا۔ اس خیال سے کہ یہ لوگ پلٹ کر مدینے پر حملہ نہ کردیں۔ آپ ﷺ اپنے ستر صحابہ کرام ؓ کے ہمراہ جو زخمی بھی تھے، ابوسفیان کے لشکر کے تعاقب میں نکلے۔ حمراء الاسد تک ان کا تعاقب کیا۔ اس مہم کا ایک اور مقصد یہ تھا کہ شہر مدینہ کے آس پاس کے قبیلے یہ نہ سمجھیں کہ مسلمانوں کا زور ٹوٹ چکا ہے اور مدینہ پر حملہ نہ کریں اس لیے اس بات کا اظہار ضروری تھا کہ مسلمانوں نے دشمن کا تعاقب کر کے انہیں مار بھگا دیا ہے۔

اس جنگ میں مسلمانوں کے ستر آدمی شہید ہوئے جن میں حضور ﷺ کے چچا حضرت حمزہ ؓ بھی شامل تھے۔ کفار کے 22 آدمی مارے گئے۔ اس امر کے متعلق مؤرخین میں اختلاف ہے کہ جنگ احد میں شکست کیسے ہوئی بعض لوگ مسلمانوں کے جانی نقصان کی زیادتی کی وجہ سے اسے مسلمانوں کی شکست کہتے ہیں۔

دراصل محض جانی نقصان کی زیادتی فتح یا شکست کی علامت نہیں ہوتی۔ سب سے پہلے قریش نے میدان جنگ چھوڑ کر مکہ کا رخ کیا۔ مسلمان بعد تک وہاں موجود رہے بلکہ اسلامی لشکر نے حمراء الاسد تک دشمن کا تعاقب کیا اور مسلمانوں کا کوئی سپاہی گرفتار نہیں ہوا۔ ان حالات میں ہم مسلمانوں کو جنگ احد میں شکست خوردہ نہیں کہہ سکتے البتہ ان کا جانی نقصان زیادہ ضرور تھا اور اس کا سبب بھی یہ تھا کہ انہوں نے اپنے سپہ سالار کی ہدایات نظر انداز کر کے درے کو خالی چھوڑ دیا اور ابھی دشمن میدان میں موجود ہی تھا کہ مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔

# 5- تیسری ہجری کے دیگر واقعات

1۔ اس سال رمضان المبارک میں حضرت علی ؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن ؓ کی پیدائش ہوئی۔
2۔ حضور ﷺ نے حضرت عمر ؓ کی صاحبزادی حضرت حفصہ ؓ سے نکاح فرمایا جو غزوہ بدر میں بیوہ ہو گئی تھیں۔
3۔ حضور ﷺ نے حضرت عثمان ؓ سے اپنی صاحبزادی ام کلثوم ؓ کا نکاح کیا۔
4۔ قانون وراثت نازل ہوا۔

5۔ اب تک مشرکہ عورتوں سے مسلمان مردوں کا نکاح جائز تھا۔اس سال ان سے نکاح کرنا حرام ٹھہرا۔

6۔ اس سال کے آخر میں حضرت زینب بنت خزیمہؓ جو پہلے تین بار بیوہ ہو چکی تھیں، آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ وہ نکاح کے دو تین ماہ بعد ہی انتقال کر گئیں۔حضورﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

## خود آزمائی نمبر3

1۔ کعب بن اشرف کو کس صحابیؓ نے کیوں قتل کیا۔

2۔ کفار پر عراق کی تجارتی شاہراہ کیسے بند ہوئی؟

3۔ قریش کی تجارتی ناکہ بندی سے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچا؟

4۔ غزوۂ احد میں اسباب جنگ کیا تھے؟

5۔ اس جنگ میں عبداللہ بن ابی منافق نے کیا طرز عمل اختیار کیا؟

6۔ کفار کے علم بردار کا نام کیا تھا؟

7۔ حضرت حمزہؓ کو کس نے شہید کیا؟

8۔ جنگ میں کچھ مسلمانوں نے حضورﷺ کے کس حکم کی نافرمانی کی؟

9۔ حضورﷺ زخمی ہونے کے باوجود کیا دعا مانگ رہے تھے؟

10۔ اس جنگ میں مسلمان خواتین نے کیا خدمات سرانجام دیں؟

11۔ مسلمانوں نے کہاں تک کفار کا تعاقب کیا؟

12۔ کیا جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی؟

13۔ اس سال کون سی دو خواتین حضورﷺ کے نکاح میں آئیں؟

# 6- چوتھی ہجری کے اہم واقعات

## 6.1 رجیع کا المناک واقعہ (صفر 4ہجری)

رجیع کا المناک واقعہ دراصل غزوہ احد کا ردّعمل تھا۔ اس جنگ میں قریش کی نام نہاد کامیابی کے مبالغہ آمیز قصے سن کر دشمن اسلام خالد بن سفیان انہیں مبارکباد دینے مکہ گیا۔ اس نے وہاں سنا کہ اس کی بیوی نے منت مانی ہے کہ حضرت عاصم بن ثابت ؓ کے کاسہ سر کو جام شراب بنائے گی جنہوں نے جنگ احد میں اس کے بیٹے کو تیر مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ ایسا کرنے والے کے لیے سو اونٹوں کے انعام کا اعلان بھی کیا تھا۔ خالد بن سفیان سنگدل بھی تھا اور لالچی بھی۔ اس نے انعام کے لالچ میں حضرت عاصم بن ثابت ؓ کو دھوکے سے گرفتار کرنے کا منصوبہ بنایا۔ وہ خود تو قتل ہو گیا لیکن اس کے قبیلے والوں نے یعنی بنولحیان نے اس کے منصوبے کو عملی جامہ پہنایا۔

ان لوگوں نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ ہمارے لوگ اسلام کی طرف رجحان رکھتے ہیں اس لیے آپ مسلمانوں کی ایک جماعت تبلیغ کے لیے روانہ فرمائیں انہوں نے خاص طور پر عاصم بن ثابت ؓ کا نام لیا۔ حضور ﷺ نے سات افراد کو ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔ بنولحیان کے مسلح گروہ نے اچانک ان پر حملہ کر دیا اور چار افراد کو شہید اور تین کو قیدی بنا لیا۔ بہر حال انہوں نے جس انعام کے لالچ میں ایسا کیا تھا وہ انہیں حاصل نہ ہو سکا پہلے تو حضرت عاصم بن ثابت ؓ کی نعش پر شہد کی مکھیوں نے ہجوم کیا جس کی وجہ سے کفار کوشش کے باوجود ان کے قریب نہ جا سکے پھر اتنی تیز بارش ہوئی کہ ان کی لاش کو بہا لے گئی۔ اس طرح یہ کفار حسرت لے کر لوٹے۔

## 6.2 بیر معونہ کا واقعہ (صفر 4ہجری)

اسی مہینے میں مسلمانوں کو ایک اور المناک حادثہ بھی پیش آیا۔ قبیلہ کلاب کا سردار ابو براء بن مالک آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے پہلے تو خاموشی اختیار کی پھر کہا کہ آپ ﷺ مبلغین کی ایک جماعت اہل نجد کے پاس بھیجیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ دعوت اسلام قبول کر لیں گے۔ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ اہل نجد کی طرف سے مجھے اپنے آدمیوں کے متعلق خدشہ ہے۔ اس نے کہا کہ میں ان کا ضامن ہوں۔ آپ ﷺ نے چالیس یا ستر آدمیوں کی ایک جماعت جن میں اکثریت اہل صفہ کی تھی، اس کے ساتھ روانہ کر دی۔ بیر معونہ کے مقام پر صحابہ کرام ؓ

کی اس مقدس جماعت نے قیام کیا اور حضرت حرام بن ملحان کو حضورؐ کا خط دے کر بنو عامر کے سردار عامر بن طفیل کے پاس بھیجا لیکن اس نے سفارتی آداب کا بھی خیال نہ کیا اور حضرت حرام ؓ کو شہید کر دیا پھر باقی قافلے پر حملے کے لیے اپنے ساتھیوں کو کہا۔ بنو سلیم نے مسلمانوں کی اس مختصر جماعت پر حملہ کر دیا۔ سوائے دو اشخاص کے سب شہید ہو گئے۔ ایک تو کعب بن زیاد انصاریؓ زندہ بچے جنہیں مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا گیا تھا، دوسرے عمرو بن امیہ ضمری ؓ جنہیں عامر بن طفیل نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ اس کی ماں نے قبیلۂ ضمر کے کسی شخص کو آزاد کرنے کی قسم کھائی تھی۔

حضرت عمرو بن امیہؓ اپنے مقدس ساتھیوں کے قتل عام کے نظارے کے صدمے سے نڈھال مدینہ واپس آ رہے تھے کہ راستے میں انہوں نے بنو کلاب کے دو اشخاص کو جوش انتقام میں قتل کر دیا۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ حضورؐ انہیں امان دے چکے تھے جب حضورؐ کو اس کی خبر ملی تو آپؐ نے ان دو اشخاص کا خون بہا دینے کا اعلان کیا۔

## 6.3 غزوۂ بنو نضیر (ربیع الاوّل 4 ہجری)

حضرت عمرو بن امیہؓ نے جن دو اشخاص کو قتل کیا تھا، ان کا خون بہا واجب الادا تھا۔ اس کا ایک حصہ معاہدے کی رو سے یہود کے قبیلہ بنو نضیر کو ادا کرنا تھا کیونکہ بنو نضیر بنو کلاب کے حلیف بھی تھے۔ اس کے مطالبے کے لیے حضور ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ انہوں نے بظاہر قبول کر لیا لیکن خفیہ طور پر آپ ﷺ کی جان لینے کی سازش کر لی۔ آپ ﷺ کو بڑے احترام سے ایک دیوار کے سائے میں بٹھایا۔ اور ایک شخص کو چھت پر سے بھاری پتھر آپ ﷺ پر گرانے کو کہا۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت سے آپ ﷺ کو اس ارادے کا حال معلوم ہو گیا اور آپ ﷺ فوراً مدینہ واپس آ گئے۔

اس کے بعد انہوں نے رجیع اور بیر معونہ کے واقعات کی روشنی میں سازشیں تیار کیں اور حضور ﷺ کو کہلا بھیجا کہ ہم آپ ﷺ سے مناظرہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ تشریف لائیں۔ یہود کا منصوبہ یہ تھا کہ ان کے آدمی خنجروں وغیرہ سے مسلح ہوں گے اور مناظرے کے دوران حملہ کر کے آپ ﷺ کو شہید کر دیں گے لیکن آپ ﷺ کو ان کے اس منصوبے کے بارے میں بھی علم ہو گیا اور مناظرے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اسی دوران آپ ﷺ کو قریش کے ایک خفیہ خط کی اطلاع ملی جس میں انہوں نے بنو نضیر کو لکھا تھا کہ محمد ﷺ کو ختم کر دو ورنہ ہم تم سے جنگ کریں گے اب اس بات کا بہت خدشہ تھا کہ قریش کے کہنے پر بنو نضیر مسلمانوں پر حملہ کریں گے۔ آپ نے بنو نضیر کو پہل کرنے کا موقع نہ دیا۔ وہ بنو قریظہ سے معاہدہ کرنا چاہتے تھے لیکن حضور ﷺ نے بنو قریظہ سے معاہدہ کر کے بنو نضیر کو اس مدد سے محروم کر دیا۔

پھر بنونضیر کو معاہدے کی تجدید کے لیے کہا لیکن انہوں نے اس سے انکار کر دیا۔ یہ میثاق بند ہو گئے کوئی بھی یہودی قبیلہ ان کی مدد کو نہ آیا۔ اس لیے پندرہ دن کے بعد مایوس ہو کر جلا وطنی پر رضا مند ہو گئے اور چھ سو اونٹوں پر اپنا سامان لاد کر ترک وطن کر گئے۔ ان میں سے کچھ لوگ تو وادی قریٰ اور شام کی طرف چلے گئے اور باقی خیبر میں جا بسے۔

مدینہ سے بنونضیر کے چلے جانے سے مسلمانوں کو سیاسی اور معاشی فوائد حاصل ہوئے۔ مدینے کا دفاع پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گیا۔ ان کی فوجی قوت میں بھی اضافہ ہوا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں ایک خطرناک دشمن سے نجات مل گئی۔ اگر آپ ﷺ بنونضیر کے خلاف بروقت کارروائی نہ کرتے اور انہیں مدینہ میں رہنے کی مہلت مل جاتی تو جنگ خندق میں ان کیمدینہ میں موجودگی مسلمانوں کے لیے بہت پریشانی کا باعث بنتی۔ اسی قسم کے واقعات سے آپ ؐ کی سیاسی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

## 6.4 غزوۂ ذات الرقاع (جمادی الاول 4 ہجری)

بنونضیر کے فتنے سے فراغت ملے ابھی چند ہفتے ہی ہوئے تھے کہ آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنوغطفان مدینہ پر حملے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ بہت جنگ جو قبیلے تھے، اگر انہیں مہلت ملتی تو سخت خونریزی کے امکانات تھے پھر یہ بھی خدشہ تھا کہ یہود ان کی مدد کریں گے چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت عثمان ؓ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا اور خود چار سو ساتھیوں کے ساتھ اس بغاوت کے خاتمے کے لیے نکلے وہ لوگ آپ ﷺ کی اس غیر متوقع پیش قدمی سے ایسے متاثر ہوئے کہ بھاگ کر پہاڑوں میں چھپ گئے اس پیش قدمی کی غرض بھی یہی تھی کہ ان لوگوں کو مسلمانوں کی جنگی طاقت سے مرعوب کر کے مدینے پر حملے سے روکا جائے۔

## 6.5 چوتھی ہجری کے متفرق واقعات

1- اس سال شعبان کے مہینے میں حضرت حسینؓ پیدا ہوئے۔

2- امّ المومنین حضرت زینب بنت خزیمہؓ کا انتقال ہوا۔

3- حضرت زید بن ثابتؓ نے حضورﷺ کے حکم پر عبرانی زبان سیکھی۔

4- ماہ شوال میں حضورﷺ نے حضرت امّ سلمہؓ سے نکاح فرمایا۔

5- اسی سال شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا۔

## خود آزمائی نمبر 4

1- واقعہ رجیع کیا ہے۔

2- کافر عورت نے کس مسلمان صحابیؓ کے قتل کے انعام کا اعلان کیا تھا؟

3- کس قبیلے والوں نے مسلمان مبلغین پر حملہ کیا تھا؟

4- کیا قبیلے والے انعام حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے؟

5- بیر معونہ کے واقعہ میں کون سا سردار حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا؟

6- واقعہ بیر معونہ میں کون سے دو صحابیؓ زندہ بچے؟

7- عمرو بن امیہ نے جن دو اشخاص کو قتل کیا تھا، اس پر حضورﷺ کیوں ناراض ہوئے؟

8- بنو نضیر کے مدینہ سے نکل جانے سے مسلمانوں کو کیا فائدہ ہوا؟

9- غزوۂ ذات الرقاع کیا ہے؟

10- حضرت زید بن ثابتؓ نے حضورﷺ کے حکم پر کون سی زبان سیکھی تھی۔

# 7- پانچویں ہجری کے اہم واقعات

## 7.1 غزوۂ بنوالمصطلق (شعبان 5 ہجری)

اس پر آشوب دور میں ایک فتنہ ختم ہوتا تھا تو دوسرا کھڑا ہو جاتا تھا۔ آپ ﷺ اب اصلاحی، تعمیری، تعلیمی اور تربیتی سرگرمیوں میں مشغول ہوئے تھے کہ بنوالمصطلق کی طرف سے بغاوت کی خبریں آنے لگیں پھر حضرت زید بن خصیبؓ کے ذریعے سے اس بات کی تصدیق ہوئی کہ واقعی وہ لوگ مدینے پر حملے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ یہ لوگ پانی کے ایک چشمے مریسیع کے کنارے آباد تھے۔

یہ خبر ملتے ہی آپ ﷺ نے خود تیاری شروع کر دی اور زید بن حارثہ ؓ کو مدینہ میں قائم مقام بنا کر بہت تیزی اور خفیہ طریقے سے پیش قدمی فرمائی جس سے دشمن مرعوب ہو گیا اور اکثر لوگ تو بھاگ گئے البتہ ایک گروہ نے مقابلہ کیا اور تیر اندازی کی۔ اس کے نتیجے میں خود انہیں کے دس آدمی مارے گئے۔ جب کہ چھ سو کے قریب جنگی قیدی ہوئے اور مال غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں بعد میں آپ نے بنوالمصطلق کے رئیس کی بیٹی حضرت جویریہؓ سے نکاح کر لیا جس کے نتیجے میں تمام قیدی بھی رہا کر دیئے گئے۔

یہ ایک معمولی لڑائی تھی لیکن بعض ایسے واقعات ہوئے جن کی وجہ سے اسے خاص طور پر یاد رکھا جاتا ہے۔ اس جنگ کا ایک واقعہ یہ ہے کہ غنیمت کے لالچ میں بہت سے منافقین بھی فوج میں شامل ہو گئے۔ یہ لوگ ہر وقت فساد پھیلانے کی فکر میں رہتے تھے۔ ایک دن چشمے سے پانی لینے پر ایک مہاجر اور ایک انصاری میں جھگڑا پیدا ہو گیا۔ انصاری نے عرب کے قدیم طریقے پر انصار کو مدد کے لیے پکارا جس کے جواب میں مہاجر نے اپنے باقی مہاجر بھائیوں کو نعرہ لگا کر خبر کی۔ یہ نعرے سن کر قریش و انصار نے تلواریں نکال لیں۔ قریب تھا کہ جنگ چھڑ جائے لیکن چند لوگوں نے بیچ بچاؤ کرا دیا۔ عبداللہ بن ابی جو منافقین کا سردار تھا اسے موقع ہاتھ آیا۔

اس نے انصار سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم نے خود یہ مصیبت مول لی ہے۔ مہاجرین کو تم نے اتنا دیا کہ اب وہ تم سے برابر کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اب بھی وقت ہے، مدد سے ہاتھ کھینچ لو، وہ خود یہاں سے نکل جائیں گے۔ اس نے یہ بھی

کہا کہ "مدینے پہنچ کر عزت والے (یعنی انصار) ذلت والوں (مہاجرین) کو نکال دیں گے" یہ واقعہ لوگوں نے حضورﷺ سے آ کر بیان کیا۔ عبداللہ بن ابی کو راز کھل جانے کا علم ہوا تو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قسمیں کھا کر مکر گیا آپ ﷺ نے سیاسی مصلحت اور فطری حلم کی بناء پر اسے معاف کر دیا۔

## 7.2 واقعۂ افک

واقعۂ افک (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے جو تہمت لگائی تھی) اس لڑائی سے واپسی پر پیش آیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی بے گناہ، معصوم اور پاکیزہ خاتون پر منافقین نے بدکاری کا الزام لگایا اور اپنی چرب زبانی سے کئی مسلمانوں کو بھی اس میں شامل کر لیا۔ ایک ماہ تک وہ اس من گھڑت واقعے کا چرچا کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ نور میں ان کی برات کا اعلان فرمایا اور ساتھ ہی اس فتنے میں پڑنے والوں کے لیے سزا مقرر کی جو بعد میں بھی کسی ایسے واقعے پر دی جا سکتی ہے۔ یعنی بغیر دیکھے بھالے محض سنی سنائی باتوں پر یقین کر کے اسے آگے پھیلانا کس قدر خطرناک بات ہے، اس کا اندازہ اسی ایک واقعے سے ہو جاتا ہے۔

کسی معاشرے اور کسی نظام جماعت کی، خاص طور پر اس وقت جب کہ وہ دنیا بھر کی اخلاقی اصلاح کے لیے قائم ہوا ہو، یہ بھاری ذمہ داری ہے کہ محض سنی سنائی باتوں پر یقین نہ کرے۔ یہ خطرناک بات ہو گی کہ معاشرے میں افواہیں اور غیر ذمہ دارانہ باتیں آسانی سے پھیل جائیں جن پر نہ غور و فکر کیا جائے، نہ تحقیق ہو اور ہر شخص کو آزادی ہو کہ جہاں چاہے جس کی چاہے، بے عزتی کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام ایسے واقعات کا سختی سے نوٹس لیتا ہے اور ایسا کرنے والوں کے لیے سزا بھی سخت رکھی گئی ہے تاکہ فتنہ پھیلانے والوں کو جرات ہی نہ ہو سکے۔

اصول: ہمیں بھی چاہیے کہ جب بھی کوئی شخص ہمیں کوئی خبر سنائے تو جب تک اس کی تصدیق نہ ہو جائے، آگے کسی کو نہ بتائیں کیونکہ اس طرح افواہیں پھیلتی ہیں اور معاشرے میں پریشانی کا باعث بنتی ہیں۔

## 7.3 غزوۂ خندق یا جنگ احزاب (ذیقعد 5 ہجری)

### (ا) اسباب جنگ

1۔ احد کے میدان میں قریش نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا تھا اور وہ کہتے تھے کہ ہم نے بدر کی شکست کا بدلہ لے

لیا ہے لیکن پھر بھی وہ جانتے تھے کہ اسلام مدینہ میں اب بھی ترقی کر رہا ہے اور ان کا اصل مقصد یعنی اسلام کی اشاعت کو روکنا پورا نہیں ہوا۔اس لیے وہ حسد کے مارے جل رہے تھے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے۔

2۔ دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کا اثر و رسوخ مدینہ سے نکل کر دور دور تک پھیل گیا تھا جس کی وجہ سے شام، مصر اور عراق جانے والے تجارتی راستوں میں ان کا اختیار تھا اور قریش کو بہت مالی نقصان بھی اٹھانا پڑتا تھا۔

3۔ مدینہ کے جو یہودی قبائل اپنی ہی بداعمالیوں کی وجہ سے جلا وطن کر دیئے گئے تھے وہ مشرکین مکہ سے مل گئے اس کے علاوہ بھی مکہ کے آس پاس کے قبیلے قریش سے مل گئے۔اس طرح ایک بہت بڑا لشکر تیار ہو گیا اور 2 سال تک مسلسل جنگ کی تیاری کے بعد مدینہ پر حملے کے لیے روانہ ہو گیا۔

حضورﷺ کو جب ان تیاریوں کا علم ہوا تو صحابہؓ کو مشورے کے لیے بلایا۔اتنی بڑی تعداد کے مقابلے میں کھلے میدان میں لڑنا بہت مشکل تھا اس لیے حضرت سلمان فارسیؓ نے رائے دی کہ ایران کے دستور کے مطابق شہر کے گرد خندق کھود کر اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔آپ نے اس تجویز سے اتفاق فرمایا اور اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ شہر کے گرد چکر لگا کر فوجی اہمیت کے مقامات کا جائزہ لیا۔آخر طے پایا کہ عورتوں، بچوں، مویشیوں اور قیمتی سامان وغیرہ کو ان گڑھیوں و چھوٹے چھوٹے قلعوں میں منتقل کر دیا جائے جو مدینہ میں بکثرت تھے اسی طرح مدینہ کے تین اطراف میں باغات اور محلے تھے جن کی حد بندی دیواروں سے کی جاتی تھی۔اس طرح دشمن کے اس طرف سے حملے کا خطرہ نہیں تھا، صرف شمالی حصہ کھلا تھا۔اس لیے اس طرف نیم دائرہ نما خندق کھودی گئی۔اس کی تیاری میں حضورؐ نے سب صحابہؓ کے ساتھ حصہ لیا، مٹی کھودی، پتھر ڈھوئے اور بھوک و پیاس کی شدت برداشت کی۔

دشمن کا لشکر جب مدینہ کے قریب پہنچا تو خندق دیکھ کر حیران رہ گیا کیونکہ اہل عرب کے نزدیک یہ نئی چیز تھی۔آخر وہ خندق کی دوسری جانب ٹھہر گئے۔مسلمانوں کے مختلف گروہ باری باری پہرہ دیتے کبھی کبھی دشمن خندق کے زیادہ نزدیک آنے کی کوشش کرتا تو تیر اندازی کی جاتی کبھی کوئی خندق پھلانگنے کی کوشش کرتا تو تلوار سے حملہ کر کے اسے جان سے مار دیتے۔

### (ب) بنو قریظہ کی بدعہدی

میثاق مدینہ کی رو سے یہود اس بات کے پابند تھے کہ مدینہ پر حملہ کی صورت میں مسلمانوں کے ساتھ مل کر دفاع کریں

گے۔آغاز میں تو انہوں نے کچھ تعاون کیا لیکن جب تحویل قبلہ ہو گیا تو وہ بھی غداری کرنے لگے۔اس پر حضور ﷺ نے تقریباً دوسو آدمیوں کا ایک دستہ ان کے مقابلے کے لیے مخصوص کر لیا تاکہ بوقت ضرورت ان اندرونی دشمنوں سے نمٹا جا سکے۔

یہودی قبیلہ بنو قریظہ نے جب دیکھا کہ مسلمانوں سے مقابلہ آسان نہیں ہے تو ایک دن وہ ان گڑھیوں کی طرف گئے جہاں مسلمان عورتیں اور بچے تھے تاکہ وہ جائزہ لے سکیں کہ ان پر کیسے حملہ کیا جا سکتا ہے۔ایک یہودی حالات کا جائزہ لینے کے لیے گڑھی میں اترا۔ اتفاق سے حضور ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ نے اسے دیکھ لیا۔وہ لکڑی کا ایک بڑا لٹھ لے کر آئیں اور اس کے سر پر دے مارا جس سے وہ وہیں مر گیا۔آپؓ نے اس کا سر کاٹ کر باہر پھینک دیا جس سے یہودی خوف زدہ ہوئے شائد یہاں بھی کچھ فوج موجود ہے۔اس طرح وہ گڑھیوں میں حملہ کرنے سے باز رہے۔

## (ج) ایک نئی حکمت عملی

دشمن سے جان چھڑانے کی ایک صورت یہ تھی کہ اس کے مختلف گروہوں کو آپس میں بدگمان کر دیا جائے چنانچہ اس حکمت عملی پر عمل کیا گیا نعیم بن مسعود قبیلہ غطفان کے سردار تھے اور اسلام قبول کر چکے تھے لیکن اس بات کا ابھی کسی کو علم نہیں تھا۔انہوں نے بنو قریظہ سے کہا کہ قریش کی فتح یقینی نہیں ہے، اگر تم نے ان کا ساتھ دیا اور اسی دوران وہ محاصرہ اٹھا کر چلے گئے تو تم تنہا مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکو گے اس لیے ضمانت کے طور پر ان کے کچھ آدمیوں کو طلب کر لو۔ دوسری طرف قریش تک یہ بات پہنچائی کہ بنو قریظہ مسلمانوں سے ملے ہوئے ہیں اور کسی بہانے تمہارے سرداروں کو بلا کر مسلمانوں کے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔اب بنو قریظہ نے جب کچھ سردار بطور ضمانت طلب کیے تو انہیں نعیم بن مسعود کی بات سچ لگی۔اس طرح بے اعتمادی کی فضا قائم ہو گئی۔

اسی طرح انہی دنوں بہت زور کی آندھی آئی۔سردی کی شدت میں اضافہ ہوا اور بنو غطفان اپنے گھروں کو چلے گئے۔ قریش کے پاس سامان رسد کم ہو رہا تھا۔ان میں مختلف قبیلوں کے لوگ تھے جن کی آپس میں دشمنیاں تھیں، محاصرے کی طوالت سے وہ پھر سر اٹھا رہی تھیں فتح کے امکانات بہت کم تھے، آخر ایک مہینے کے بعد بددل ہو کر قریش بھی واپس مکہ چلے گئے۔

اس جنگ میں مسلمانوں نے سامان جنگ اور خوراک کی کمی کے باوجود ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا جس کے نتیجے میں دشمن کی فوج میں پھوٹ پڑ گئی، اوپر سے سامان رسد بھی کم ہونے لگا اور سردی میں حیرت انگیز اضافہ ہو گیا۔اس کے علاوہ قریش کے مقدس مہینے ذیقعد کی آمد تھی، شوال ختم ہو رہا تھا۔اس مہینے میں وہ لڑائی نہیں کرتے تھے۔ان سب وجوہات کی

بناء پر قریش ناکام واپس چلے گئے۔

### (د) جنگ خندق کی وجہ تسمیہ

اسے جنگ خندق یا جنگ احزاب اس لیے کہتے ہیں کیونکہ مسلمانوں نے اپنی حفاظت کے لیے خندق کھودی تھی۔ اسی طرح کفار کے مختلف گروہ اکٹھے ہو کر مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے آئے تھے اس لیے اسے "جنگ احزاب" یعنی مختلف گروہوں کی متفقہ لڑائی بھی کہا جاتا ہے"

### (ر) جنگ کے نتائج

یہ لڑائی فیصلہ کن ثابت ہوئی۔ کفار کے مختلف گروہ مل کر بھی مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ اب مسلمانوں کو بھی یقین ہو گیا کہ عرب کی کوئی طاقت انہیں ختم نہیں کر سکتی۔ اب قریش کی جانب سے حملے کا خطرہ ٹل گیا اور مدینہ ان کی طرف سے محفوظ ہو گیا۔ آس پاس کے قبیلوں پر بھی مسلمانوں کا رعب بڑھ گیا۔ ان میں سے جو شخص قریش کے ڈر سے مسلمانوں کے قریب نہیں آتے تھے اب آزادانہ مدینہ آنے لگے اور بہت سوں نے تو اسلام بھی قبول کر لیا جن میں یمامہ کا سردار بھی شامل تھا۔ قریش کی تجارت شام، عراق کے بعد یہیں ہوتی تھی۔ اب وہ معاشی اعتبار سے بالکل تباہ ہو کر مسلمانوں کے رحم و کرم پر تھے۔ اسی جنگ میں بدعہدی کے نتیجے میں یہود کے قبیلے بنو قریظہ سے مسلمانوں کی لڑائی ہوئی اور ان کا خاتمہ ہو گیا یہود کے دو قبیلے پہلے ہی جلا وطن کر دیئے گئے تھے اس طرح پورا مدینہ یہود سے پاک ہو گیا۔

## 7.4 بنو قریظہ کا خاتمہ

رسول پاکؐ نے مدینہ آتے ہی یہود کے ساتھ معاہدۂ امن کیا تھا لیکن انہوں نے خود ہی اس کو توڑ ڈالا۔ اس کی پاداش میں ان کے دو قبیلے بنو قینقاع اور بنو نضیر جلا وطن کر دیئے گئے۔ جنگ احزاب میں انہوں نے بھی حصہ لیا تھا۔ اب غزوۂ خندق میں بنو قریظہ نے کھل کر کفار کا ساتھ دیا اور معاہدہ کی خلاف ورزی کی۔ اب اس کے سوا اور کوئی صورت نہ تھی کہ اس کے ساتھ دو ٹوک بات کی جائے۔ حضورﷺ نے غزوہ خندق سے فارغ ہوتے ہی حکم دیا کہ ہتھیار اتارنے سے پہلے بنو قریظہ کی طرف بڑھیں۔ اگر وہ صلح سے پیش آتے تو ان سے نرمی کا برتاؤ کیا جاتا لیکن وہ تو جنگ کا ارادہ کر چکے تھے اس لیے وہ قلعہ بند ہو گئے اور حضورﷺ کے خلاف اعلانیہ باتیں کرنے لگے۔ ایک مہینے تک ان کا محاصرہ جاری رہا۔ آخر انہوں نے کہا کہ ہم سعد بن معاذ کو اپنا حکم بناتے ہیں، وہ جو بھی فیصلہ کریں گے ہمیں منظور ہو گا۔

حضرت سعد بن معاذؓ اور ان کا قبیلہ اوس بنو قریظہ کا حلیف رہ چکا تھا اس لیے ان کا خیال تھا کہ وہ ان کے حق میں فیصلہ دیں گے۔ اگر وہ حضور ﷺ کو اپنا حکم بناتے تو رحمتہ اللعالمین یقیناً وہی فیصلہ فرماتے جو پہلے دو قبیلوں کے لیے کیا تھا یعنی اپنے ساز و سامان سمیت مدینہ سے نکل جائیں۔ اب حضرت سعدؓ نے توریت کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا یعنی توریت کا حکم تھا کہ جب دشمن صلح پر آمادہ نہ ہو اس کا محاصرہ کر کے اسے مغلوب کر لیا جائے پھر لڑائی کے قابل تمام مرد قتل کر دیے جائیں جب کہ عورتیں اور بچے قیدی بنا لیے جائیں۔ چونکہ یہ فیصلہ ان کے اپنے عقیدے کے مطابق تھا اس لیے اب اسے قبول کرنے کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا چنانچہ اس فیصلہ پر عمل کیا گیا اور ان کے چار سو کے قریب مرد قتل کر دیے گئے اور عورتیں اور بچے غلام بنا لیے گئے ان کے مال پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

## 7.5 پانچویں ہجری کے دیگر اہم واقعات

1- حضور ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد حضرت زینبؓ سے نکاح فرمایا۔ وہ اس سے پہلے آپ کے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہؓ کے نکاح میں تھیں۔ منافقین نے اس واقعے کو بہت اچھالا لیکن آپ ﷺ کے اس عمل سے ثابت ہو گیا کہ اسلام میں منہ بولے بیٹے کی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح جائز ہے۔

2- معصوم عورتوں پر تہمت کی سزا مقرر ہوئی۔ بدکاری کے لیے سو کوڑوں کی سزا نازل ہوئی۔ اسی طرح شوہر یا بیوی کے پاس اگر بدکاری کا ثبوت نہ ہو تو الزام کی صورت میں ''لعان'' کا طریقہ جاری ہوا یعنی قسمیں کھانے کے بعد ہمیشہ کے لیے انہیں ایک دوسرے سے الگ کر دیا جائے۔

3- عورتوں کے لیے پردے کا حکم نازل ہوا۔

4- ظہار (بیوی کو ماں، بہن کی طرح کہنا یعنی جس طرح وہ حرام ہیں اسی طرح اسے بھی کہنا) پر ''کفارہ'' کی سزا مقرر کی۔

5- پانی کی عدم موجودگی میں غسل یا وضو کی حاجت کے وقت تیمم کی سہولت دی گئی۔

6- صلوٰۃ خوف و حالت جنگ میں نماز پڑھنے کے طریقے کا حکم بتایا گیا۔

# خود آزمائی نمبر5

1- غزوۂ بنو المصطلق اگرچہ ایک عام لڑائی تھی لیکن اسے تاریخ میں کیوں خاص اہمیت دی جاتی ہے؟

2- واقعۂ افک کیا ہے؟ ہمیں اس سے کیا سبق ملتا ہے؟

3- غزوۂ خندق میں کس صحابی ﷺ نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا تھا؟

4- اس جنگ میں یہود کے کس قبیلے نے عہد شکنی کی؟

5- جس مسلمان عورت نے ایک یہودی کو قتل کیا، ان کا نام کیا تھا؟

6- کس مسلمان نے سیاسی حکمت عملی سے یہود و کفار میں پھوٹ ڈلوادی اور کیا طریقہ اختیار کیا؟

7- بنو قریظہ کو قینقاع اور بنو نضیر کی طرح جلاوطن کیوں نہ کر دیا گیا؟

8- اس جنگ کو "جنگ احزاب" کیوں کہتے ہیں؟

# 8- صلح حدیبیہ (ذیقعد 6 ہجری)

## 8.1 پس منظر

چھ برس سے مسلمانوں نے خانہ کعبہ کی زیارت نہ کی تھی۔ان کے دل میں اور خصوصاً مہاجرین مکہ کے دل میں حج کعبہ کا شوق روز بہ روز بڑھ رہا تھا چنانچہ آپ ﷺ صحابہ کرام ؓ کی بہت بڑی تعداد کے ساتھ زیارت حرم کے لیے مدینہ سے نکلے۔مسلمانوں کے ساتھ صرف قربانی کے اونٹ تھے اور اسلحہ میں تلوار کے سوا جسے عرب کسی حالت میں اپنے تن سے جدا نہ کرتے تھے، اور کوئی چیز ان کے پاس نہ تھی۔عرب کے دستور کے مطابق بدترین مجرم کو بھی حج سے روکا نہ جاسکتا تھا اور ایام حج میں حرم کی حدود میں لڑائی جھگڑا منع تھا اسی لیے عرب کی اس روایت کے پیش نظر آپؐ نے احرام کی حالت میں اپنے جانی دشمن قبائل کے شہر میں جانے کا جرات مندانہ قدم اٹھایا تھا۔

قریش کو مسلمانوں کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ حیران رہ گئے اور مرعوب بھی ہوئے۔کسی کو عمرہ سے روکنا عرب کی روایت کے خلاف اور قریش کے لیے باعث بدنامی تھا لیکن ایک بھاری جمعیت کے ساتھ آپ ﷺ کا مکہ کی طرف بے خوف وخطر کوچ کرنا ان کے لیے بدر اور خندق کی جنگوں میں ناکامی سے بھی زیادہ ذلت آمیز تھا اس لیے انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ مسلمانوں کو کسی قیمت پر مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے چنانچہ انہوں نے خالد بن ولید کو مسلمانوں کی پیش قدمی روکنے کے لیے دو سو سواروں کے دستے کا سالار بنا کر بھیجا اور خود بڑے حملے کی تیاری کرنے لگے۔ اس پر حضور ﷺ نے قریش کے پاس اپنے ایک سفیر کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ہماری نیت صرف طواف کعبہ، زیارت حرم اور قربانی کی ہے، ہم لڑنے نہیں آئے مگر قریش نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔اسی دوران حضور ﷺ نے حدیبیہ نامی ایک کنوئیں کے پاس پڑاؤ ڈالا۔قریش کے کچھ نوجوان حضور ﷺ پر حملے کی نیت سے آئے۔صحابہ کرام ؓ نے انہیں دیکھا تو گرفتار کرلیا مگر جب وہ رسول اکرم ﷺ کے سامنے لائے گئے تو آپ ﷺ نے ان کا جرم معاف کر کے انہیں رہا کر دیا۔

اس اثناء میں عروہ بن مسعود ثقفی قریش کی طرف سے مسلمانوں کو سمجھانے آیا کہ وہ واپس چلے جائیں ورنہ قریش کا لشکر انہیں موت کے گھاٹ اتار دے گا۔مگر حضور ﷺ نے جواب دیا کہ ہم صرف عمرے کے لیے آئے ہیں، ہمارا مقصد فساد نہیں۔اس پر وہ واپس چلا گیا اور مسلمانوں کے حسن سلوک سے بے حد متاثر ہوا۔اس نے اپنی قوم سے جا کر کہا کہ

میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں مگر جو عزت اور عقیدت مسلمانوں کے دلوں میں محمد ﷺ کی ہے، وہ کہیں بھی نظر نہیں آئی۔ وہ بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے ادب کی وجہ سے کوئی نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ وہ وضو کرتے ہیں تو نیچے گرنے والے قطروں کو لوگ عقیدت سے ہاتھوں میں لے کر منہ پر ملتے ہیں۔ اس پر بھی مسلمانوں کو اجازت نہ ملی تو حضور ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا قاصد بنا کر بھیجا۔ وہ اپنے ایک عزیز ابان بن سعید کی پناہ میں مکہ گئے مگر قریش نے انہیں نظر بند کر دیا۔ ادھر مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔

## 8.2 بیعت رضوان

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر نے مسلمانوں میں بے حد جوش و خروش پیدا کر دیا۔ رسول ﷺ نے فرمایا کہ خون عثمان کا بدلہ لینا ضروری ہے چنانچہ آپ ﷺ ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جانثاری کا عہد لیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے خود اپنا دست مبارک رکھا۔ اسے یعنی "بیعت رضوان" کو اللہ کی خوشنودی کی بیعت کہتے ہیں۔ اس بیعت کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیا ہے۔

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (الفتح : 18)

"یعنی جب مسلمان درخت کے نیچے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا۔"

بعد میں معلوم ہوا کہ شہادت عثمان کی خبر غلط تھی لیکن بیعت رضوان کے بعد آپ ﷺ نے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لیے تیزی سے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں اور مسلمانوں کو تیار رہنے کا حکم دے دیا۔ کچھ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سفارتی کوششوں سے اور کچھ بیعت رضوان کی خبر اور مجاہدین کی جنگی تیاریوں سے قریش گھبرا گئے۔ وہ جنگ خندق کی ناکامی کے بعد اب اپنے ہی گھر میں ایک اور جنگ کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہ تھے اس لیے اب قریش نے مذاکرات کے ذریعے سے جنگ کو ٹالنے کا فیصلہ کیا اور اپنے سفیر آپ کی خدمت میں بھیجنا شروع کیے۔ سفارتی سطح پر یہ آپ ﷺ کی بڑی کامیابی تھی۔ آخر میں قریش نے عرب کے مشہور خطیب سہیل بن عمرو کو بھیجا۔ اس نے قریش کی طرف سے باقاعدہ صلح کی شرائط پیش کیں جو بظاہر مسلمانوں کے وقار اور مفاد کے خلاف تھیں لیکن درحقیقت وہ ایسی نہ تھیں بلکہ ان میں مشرکین کی شکست و ناکامی اور مسلمانوں کی فتح اور تحریک اسلام کی کامیابی کے عوامل چھپے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر سے یہ بات پوشیدہ تھی اس لیے ان کے لیے یہ شرائط قابل قبول نہ تھیں لیکن حضور ﷺ نے یہ شرائط قبول فرما لیں۔

## 8.3 معاہدۂ حدیبیہ

قریش مکہ اور مسلمانوں کے مابین طے ہونے والے معاہدہ کا اردو متن حسب ذیل ہے:

1۔ اے اللہ! تیرے نام کے ساتھ

2۔ یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد بن عبداللہ میں طے ہوا۔

3۔ یہ صلح اس بات پر ہے کہ دس سال تک (فریقین کے مابین) جنگ روک دی جائے۔ جس کے دوران میں لوگ امن سے رہیں اور ایک دوسرے سے رکے رہیں۔

4۔ یہ کہ محمد ﷺ کے ساتھیوں میں سے جو حج یا عمرہ یا تجارت کے لیے مکہ آئے تو اسے جان و مال کی امان ہوگی اور قریش کا جو آدمی تجارت کے لیے مصر یا شام (بروایت ابوعبید، شام یا مشرق) جاتے ہوئے مدینہ سے گزرے تو اسے جان و مال کی امان حاصل ہوگی۔

5۔ یہ کہ قریش کا جو فرد اپنے ولی (سرپرست) کی اجازت کے بغیر محمد (ﷺ) کے پاس آئے گا تو اسے ان (قریش کی طرف واپس کر دیا جائے گا اور محمد (ﷺ) کے ساتھیوں میں سے جو فرد قریش کے پاس آ جائے گا وہ اسے ان کے سپرد نہیں کریں گے۔

6۔ اور یہ کہ ہم میں باہم سینہ بندی رہے گی۔ نہ ایک دوسرے کے خلاف جنگ کی جائے گی نہ ہی خفیہ کارروائی۔

7۔ جو شخص محمد (ﷺ) کے ساتھ معاہدے اور ذمہ داری میں شامل ہونا چاہے وہ ان کے ساتھ شامل ہو جائے اور جو قریش کے ساتھ معاہدے اور ذمہ داری میں شریک بننا چاہے وہ ان کے ساتھ شریک بن سکتا ہے۔

8۔ اور اس سال تم کو ہمارے پاس سے واپس جانا پڑے گا اور (تم) ہمارے ہاں مکہ میں داخل نہ ہو گے البتہ اگلے سال ہم باہر چلے جائیں گے اور تم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہاں (مکہ) داخل ہو کر تین راتیں ٹھہر سکو گے۔ تمہارے پاس سوار کا ہتھیار ہوگا (یعنی تلوار نیام میں پڑی ہو، اس کے سوا کوئی اور ہتھیار لے کر تم وہاں (مکہ میں) داخل نہیں ہو سکو گے۔

9۔ اور یہ کہ قربانی کے جانور وہیں رہیں گے۔ جہاں ہم نے ان کو پایا (حدیبیہ) اور ان کو ہمارے پاس (مکہ میں) نہیں لایا جائے گا۔

شرائط بظاہر کڑی تھیں اور مسلمانوں کی شکست لگتی تھیں اس لیے جوشیلے مسلمان ان کو پسند نہ کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت عمرؓ بھی ان کو ماننے پر آمادہ نہ تھے مگر رسول اللہ ﷺ کے سامنے کون انکار کر سکتا تھا۔آخرکار معاہدے پر دونوں فریقوں کے دستخط ہو گئے۔

## 8.4 معاہدۂ صلح کی ضرورت

اس معاہدہ صلح کے پس منظر میں کئی اسباب وعوامل کارفرما تھے مثلاً:

- ۶/ھ میں روم وفارس کی لڑائی فارس کی شکست پر ختم ہوئی اور مسلمانوں کے لیے اس بات کا بہترین موقع میسر آیا کہ وہ فارس کے ماتحت علاقوں پر توجہ بڑھائیں جس کے لیے اہل مکہ سے امن وصلح ضروری تھا۔
- یہود مدینہ کی فطری شیطانیوں اور معاہدہ توڑنے کے سبب رسول اکرم ﷺ نے انہیں مدینہ سے نکال باہر کیا۔ یہ یہودی مدینہ کے آس پاس کے علاقوں،خیبر تا شام بکھر گئے اور انہوں نے دوسرے یہود ومشرکین کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف متحدہ محاذ قائم کر لیا۔
- مدینہ کے شمال مشرق میں غطفان وفزارہ وغیرہ قبائل (جو کہ یہود کے حلیف بھی تھے) نے مسلمانوں کے خلاف مشرکین کے ساتھ اتحاد کر لیا۔
- مدینہ کے منافقین،مسلمانوں کے طاقتور اور اہم ترین دشمن تھے مسلمانوں کے خلاف مسلسل ریشہ دوانیوں کا مرکز بنے ہوئے تھے۔

علامہ سرخسی کے مطابق صورتحال یہ تھی کہ "اگر مسلمان مکہ جاتے ہیں تو خیبر وغطفان مدینے پر چڑھ دوڑتے اور اگر مسلمان خیبر جائیں تو مکہ والے آکر مدینہ لوٹ لیں" کیونکہ مدینہ بیچوں واقع ہے۔

مذکورہ بالا حالات کے مطابق مسلمانوں کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ایک ہی وقت میں تمام دشمنوں کے ساتھ مقابلہ کرسکیں چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ضروری سمجھا کہ کسی ایک دشمن کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر لیا جائے۔

## 8.5 مشرکین مکہ سے صلح کیوں؟

مسلمانوں کے سامنے یہ اہم مسئلہ تھا کہ کسی ایک دشمن کے ساتھ صلح کی جائے لیکن سوال یہ بھی تھا کہ صلح کس کے ساتھ کی جائے؟

مسلمانوں کے دشمنوں میں ایک طرف قبائل غطفان وفزارہ تھے جن کا معیار یہ تھا کہ وہ محض لوٹ مار کے شائق، اور بے اصول خانہ بدوش عرب تھے چنانچہ ان کی دوستی پر اعتبار کرنا مناسب ہی نہ تھا۔شمال میں یہود خیبر اور بعض دیگر یہود تھے جو تمدنی اور نسلی وجوہ سے عربوں سے الگ تھے نیز انہیں مدینہ سے اپنی جلاوطنی اور جائیداد کا غم بھی تھا جو اس کے بغیر نہیں مٹ سکتا تھا کہ وہ اپنی جائیداد مسلمانوں سے واپس لیں چنانچہ ان کے ساتھ بھی صلح کے آثار نہ تھے۔دوسری طرف مشرکین مکہ تھے جو کہ مکہ کے مستقل رہائشی وشہری باشندے تھے اور سیاسی شعور رکھتے تھے،اور ان کے ساتھ صلح کے لیے میدان بہت سی وجوہات کے بنا پر کسی قدر ہموار بھی تھا۔مثلاً

- مسلمان مہاجرین کی اکثریت مکہ سے تعلق رکھتی تھی۔
- صلح حدیبیہ سے قبل رسول ﷺ نے مکہ کے انتہائی با اثر سردار ابوسفیان بن حرب کی صاحبزادی سے عقد فرمالیا۔
- مشرکین مکہ کی عراق وشام کی تجارتی گزرگاہ پر مسلمانوں نے اثر ورسوخ جمالیا جس سے اہل مکہ کو خاصا معاشی نقصان پہنچ رہا تھا جو کہ جانبین کی صلح سے ہی دور ہوسکتا تھا۔
- ذیقعد کا مہینہ تھا نیز آگے ایسے مہینے آرہے تھے جو قریش کے نزدیک بھی مقدس سمجھے جاتے تھے ان مہینوں میں دشمنوں کے ساتھ جنگ حرام سمجھی جاتی تھی۔
- قریش کو اپنی بدنامی کا اندیشہ تھا کہ مبادا، دنیا والے یہ نہ کہیں کہ قریش،لوگوں کو حج بیت اللہ سے روکتے ہیں۔
- حج کعبہ پر اتفاق اور قریش کے ساتھ ہم قبلہ ہونا وغیرہ یہ تمام وہ اسباب تھے جن کی بنیاد پر قریش کے ساتھ صلح کے واضح آثار نظر آرہے تھے۔آپ ﷺ نے ہر ممکن کوشش کی کہ مشرکین مکہ کے ساتھ جنگ سے بچا جائے اور صلح ہی کی جائے۔اس کا اظہار کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے آج قریش مجھ سے جو مطالبہ کریں گے میں اسے قبول کروں گا۔چنانچہ حدیبیہ کے مقام پر سفارتیں شروع ہوگئیں بالآخر سہیل بن عمرو کے ساتھ طویل گفت وشنید کے بعد معاہدہ طے پایا۔

## 8.6 معاہدہ حدیبیہ۔اہمیت وافادیت

قریش کی پسندیدہ شرائط کا یہ معاہدہ بظاہر تو مسلمانوں کے مفاد میں نہ تھا لیکن بعد میں ثابت ہوا کہ دراصل یہ معاہدہ مسلمانوں کے لیے فتح مبین تھا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾

"بے شک (اے نبی) ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی ہے"

امام زہری کے مطابق اسلام میں اس سے قبل کوئی بڑی فتح نہ تھی۔ جنگ میں تو لوگ گھتم گتھا تھے۔ جب امن و سکون ہو گیا، جنگ ختم ہو گئی لوگ ایک دوسرے سے امن میں ہو گئے وہ ایک دوسرے سے ملے، باہم بات چیت کی، جس نے بھی اسلام کی حقانیت کو سمجھا وہ اسلام میں داخل ہو گیا ان دو سالوں میں اتنے لوگ مسلمان ہوئے جتنے اس سے قبل نہیں ہوئے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ مسلمان ہوئے۔

ابن ہشام، زہری کی اس رائے کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ زہری کی رائے کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب حدیبیہ کے لئے نکلے تو چودہ سو آدمی ساتھ تھے اور دو سالوں کے قلیل عرصے بعد فتح مکہ کے لیئے نکلے تو دس ہزار آدمی تھے۔

- اس معاہدے کا نہایت اہم سیاسی فائدہ یہ ہوا کہ پہلی مرتبہ اسلامی ریاست کو ایک سیاسی قوت کے طور پر تسلیم کر لیا گیا چنانچہ قبائل عرب کے لیے یہ مان لیا گیا کہ وہ ان دو سیاسی قوتوں میں جس کے ساتھ چاہیں حلیفی (دوستی کا معاہدہ) قائم کرلیں۔ اس کا فوری نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ قبیلہ خزاعہ نے نبی ﷺ سے حلیفی کر لی۔

- مسلمان بیک وقت قریش مکہ، یہود خیبر اور دیگر متفرق مخالفین سے نہیں نمٹ سکتے تھے چنانچہ بڑے دشمن (مشرکین مکہ) سے دس سال کے لیے جنگ بندی کا معاہدہ کر لینا ایک طرف تو اسلامی ریاست کے اندرونی استحکام کے لیے انتہائی ضروری اور مفید تھا۔ دوسری طرف یہودیوں کی فتنہ انگیز طاقت کو کچلنے کے لیے بھی یہ ضروری تھا کہ قریش کو ان کی امداد سے محروم کر دیا جائے چنانچہ جونہی یہ صلح ہوئی تو نبی ﷺ نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً شمال میں یہود سے نمٹنا شروع کیا اور ان کے مضبوط مراکز ختم کر ڈالے۔

## 8.7 معاہدہ حدیبیہ اور اسلام کی ترقی و ترویج

اس معاہدہ کی رو سے مسلمانوں کو آئندہ سال حج کی اجازت دے کر گویا ان کی مذہبی حیثیت بھی تسلیم کر لی گئی۔

حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے اعلان کے باوجود چودہ سو افراد جمع ہو سکے تھے۔ اس معاہدہ کی رو سے جب فریقین نے یہ تسلیم کر لیا کہ عرب قبائل اپنی مرضی سے مسلمانوں یا قریش مکہ کے ساتھ حلیفی کر سکتے ہیں تو

قبائل بے خوف ہو کر مسلمانوں کی طرف آئے۔ یہی وجہ تھی کہ گذشتہ انیس سال میں اتنے آدمی مسلمان نہ ہوئے تھے جتنے اس صلح کے بعد دو سال میں ہو گئے۔

## 8.8 معاہدہ حدیبیہ کے مجموعی فوائد و اثرات

1۔ اس معاہدے کی وجہ سے پہلی مرتبہ عرب میں مسلمانوں کو ایک سیاسی قوت کے طور پر تسلیم کر لیا گیا۔

2۔ مسلمانوں کی مذہبی حیثیت تسلیم کر لی گئی۔

3۔ مختلف قبائل کے ساتھ مسلمانوں کے رابطے قریب ہوئے چنانچہ قبائل میں نہایت تیزی سے اسلام پھیلا۔

4۔ مسلمانوں کو اپنے دشمنوں، خصوصاً یہودیوں سے نبٹنے کا موقع میسر آیا چنانچہ خیبر، فدک، وادی القریٰ اور تیماء وغیرہ کے علاقے اسلامی ریاست کے زیر اثر آ گئے۔

5۔ اسلامی ریاست داخلی و خارجی طور پر نہایت مستحکم ہوئی۔

## خود آزمائی نمبر 6

1۔ 6ہجری کو مسلمان کس نیت سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے؟

2۔ مسلمانوں کی تعداد کتنی تھی اور ان کے پاس کیا چیز تھی؟

3۔ کفار نے اپنی روایت کے برعکس مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے کیوں روکا؟

4۔ عروہ بن مسعود ثقفی نے مسلمانوں کے پاس سے واپس جا کر کفار سے کیا کہا؟

5۔ بیعت رضوان کیوں کی گئی اور اس کا کیا مطلب ہے؟

6۔ معاہدہ حدیبیہ پر کن دو افراد کے نام لکھے گئے؟

7۔ معاہدے کی شرائط کیا تھیں؟

8۔ صلح حدیبیہ کو "فتح مبین" کیوں کہا جاتا ہے؟

# 9- یونٹ کے مضامین کا خلاصہ

حضور پاک ﷺ ہجرت کے بعد سب سے پہلے قبا میں ٹھہرے، یہاں چودہ دن قیام فرمایا اور مسجد کی بنیاد ڈالی جو اسلام کی سب سے پہلی مسجد ہے پھر مدینہ شہر کی طرف روانہ ہوئے اور راستے میں بنو سالم کے محلے میں پہلی مرتبہ جمعہ کی نماز ادا فرمائی اور خطبہ دیا۔ مدینہ میں آپ ﷺ کا انتہائی پرتپاک استقبال کیا گیا اور آپ ﷺ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر سات ماہ تک قیام فرمایا۔ مدینہ میں سب سے پہلے مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی جس کے ساتھ نادار مسلمانوں اور طالب علموں کے لیے صفہ کا چبوترہ بنایا گیا۔ اور حضور اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کے حجرے تعمیر ہوئے۔ آپ ﷺ نے مہاجرین کی آبادکاری کے لیے انصار کے ساتھ بھائی چارہ کرایا جسے مواخات مدینہ کہتے ہیں۔ مقامی غیر مسلم آبادی سے بہتر تعلقات کی خواہش میں یہود سے معاہدہ فرمایا جسے ''میثاق مدینہ'' کہا جاتا ہے۔ اس طرح آپ کو مدینہ کی چھوٹی سی ریاست کا باقاعدہ سربراہ تسلیم کر لیا گیا۔

قریش مکہ کو مسلمانوں کا یہ آرام وسکون نہ بھایا۔ اسلام بھی یہاں ترقی کر رہا تھا اور انہیں پھر شام وعراق کی طرف جانے والے اپنے تجارتی راستوں کی حفاظت کا بھی خیال تھا۔ اس لیے انہوں نے یکے بعد دیگرے تین مسلح جنگیں لڑیں جن میں سے خندق کی لڑائی فیصلہ کن ثابت ہوئی۔ اس میں سارے عرب کے کفار مل کر بھی مسلمانوں کو شکست نہ دے سکے۔ اس کے بعد کبھی قریش کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی بلکہ خود مسلمان مکہ کے قریب تک عمرے کی غرض سے پہنچ گئے۔ قریش کی مزاحمت پر حدیبیہ کے مقام پر صلح نامہ لکھا گیا جس نے کفار کی شکست کو انتہا تک پہنچا دیا اور اسلام کو اس کے بعد بہت فروغ حاصل ہوا۔

اس دور کا ایک اور پہلو یہود سے مسلمانوں کے تعلقات ہیں۔ مسلمانوں نے ان سے امن کا معاہدہ کیا لیکن انہوں نے خود خلاف ورزی کی۔ اس طرح بنو قینقاع اور بنو نضیر کو جلا وطن کر دیا گیا جب کہ بنو قریظہ کو ان کی خواہش کے مطابق حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے کے مطابق توریت کے احکام پر عمل کر کے قتل کر دیا گیا۔ اس طرح مدینہ یہود سے بالکل پاک ہو گیا۔

مدنی دور میں منافقین کا گروہ بھی ظاہر ہوا۔ یہ لوگ بظاہر مسلمان لیکن درپردہ کافر تھے۔ انہوں نے اسلام کو نقصان

پہنچانے کی بہت کوشش کی اور ہر مشکل وقت میں مزید پریشانی کا باعث بنے۔ان لوگوں نے حضور ﷺ کی گھریلو زندگی پر بھی اثر انداز ہونے کی کوشش کی ۔مثلاً حضرت زینب ؓ سے نکاح کے موقع پر فساد پھیلایا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی معصوم خاتون پر الزام لگانا ان ہی کا کام تھا۔قرآن حکیم نے منافقین کے لیے انتہائی دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے۔

الغرض مدینہ کا یہ دور یکم ہجری سے چھ ہجری تک انتہائی تکلیف دہ تھا لیکن حضور ﷺ نے پوری طاقت، جوانمردی اور استقامت سے مقابلہ کیا اور آخر کار فتح و کامرانی سے ہمکنار ہوئے۔

# 10- جوابات

## خود آزمائی 1

1۔ کلثوم بن ہدم کے مکان میں

2۔ مدینہ کے قریب قبا میں

3۔ بنوسالم کے محلہ میں

4۔ مسجد کی تعمیر

5۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ کے

6۔ حضرت عمرؓ کے مشورے سے

7۔ ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنایا گیا (دیکھیے 1.4)

8۔ دیکھیے 1.3

9۔ دیکھیے 1.4

## خود آزمائی 2

1۔ کرز بن جابر فہری

2۔ قریش کے تجارتی قافلے کا سراغ لگانے کے لیے۔ انہوں نے حملہ کر دیا اور قافلے کا مال اسباب لوٹ لیا

3۔ (i)۔ عمر بن حضرمی کا قتل

(ii)۔ ابوسفیان کے تجارتی قافلے کا تعاقب

4۔ حضرت حمزہؓ کا عتبہ سے

حضرت علیؓ کا ولید سے

حضرت عبیدہؓ کا شیبہ سے

5۔ 14 مسلمان شہید ہوئے اور ستر کافر مارے گئے۔

6۔ مسلمان ایک سیاسی قوت کے طور پر ابھرے۔

7۔ دیکھیے 2.5

8۔ مسلمان اگر تلوار نہ اٹھاتے تو ختم کر دیئے جاتے اور دنیا میں اللہ کا نام لیوا کوئی نہ رہتا

9۔ مسلمانوں کا الگ قومی تشخص قائم کرنے کے لیے (دیکھیے 3.1)

10۔ بنو قینقاع کی بدعہدی کی وجہ سے۔

## خود آزمائی 3

1۔ محمد بن سلمہ نے۔دیکھیے 4.1

2۔ زید بن حارثہ کی قیادت میں ایک دستہ بھیج کر۔

3۔ قریش کے وسائل محدود ہو گئے اور ان کی جنگی تیاریاں کمزور پڑ گئیں۔

4۔ دیکھیے 4.2

5۔ مسلمانوں سے علیحدگی اختیار کر لی۔

6۔ طلحہ

7۔ وحشی نے

8۔ حضور ﷺ کا حکم تھا کہ کسی بھی قیمت پر درہ نہ چھوڑا جائے۔

9۔ اے خدا! میری قوم کو معاف فرما، وہ نادان ہیں، جانتے نہیں کہ کیا کر رہے ہیں۔

10۔ مجاہدین کو پانی پلانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کی خدمات سرانجام دیں۔

11۔ حمراء الاسد تک

12۔ نہیں

13۔ حضرت حفصہؓ اور حضرت زینب بنت خزیمہؓ

## خود آزمائی 4

1۔ دیکھیے 6.1 2۔ عاصم بن ثابت ؓ 3۔ بنو لحیان نے

4۔ نہیں 5۔ ابو براء بن مالک

6۔ عمرو بن امیہ ضمری ؓ کعب بن زیاد انصاری ؓ 7۔ کیونکہ آپ اس قبیلے کو امان دے چکے تھے

8۔ متعدد سیاسی اور معاشی فوائد ہوئے (6.3) 9۔ بنو غطفان کے خلاف کارروائی۔ دیکھیے 6.4

10۔ عبرانی

## خود آزمائی 5

1۔ دیکھیے 7.1
2۔ حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت کا واقعہ 7.2
3۔ حضرت سلمان فارسی ﷺ نے
4۔ بنو قریظہ نے
5۔ حضرت صفیہ نے
6۔ نعیم بن مسعود
7۔ بنو قریظہ کی مذہبی کتاب تورات کے مطابق یہی فیصلہ درست تھا۔
8۔ پورے عرب سے مختلف گروہ اکٹھے ہو کر مسلمانوں کے خلاف لڑنے آئے تھے۔

## خود آزمائی 6

1۔ زیارت بیت اللہ کے لیے
2۔ 1400، قربانی کے اونٹ
3۔ قریش اسے اپنی ذلت سمجھتے تھے
4۔ وہ مسلمانوں کے طرز عمل سے بہت متاثر تھا 8.1
5۔ حضرت عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لیے کیونکہ ان کی شہادت کی خبر مشہور ہوگئی تھی۔ رضوان کا مطلب اللہ کی خوشنودی۔ اللہ نے یہ بیعت کرنے والوں سے اپنی خوشنودی کا اظہار کیا ہے۔
6۔ حضرت محمد ﷺ اور سہیل بن عمرو
7۔ دیکھیے 8.3
8 ۔ دیکھیے 8.6

یونٹ نمبر......4

# حیاتِ طیبہؐ

# مدنی دَور ❷

## شاہان عالم کو خطوط تا وصالِ نبوی ﷺ

تحریر: مسز نصرت ضیاء

نظر ثانی: ڈاکٹر شاہ معین الدین ہاشمی

محمد رفیق صادق

# فہرستِ مضامین


| | | |
|---|---|---|
| ○ | یونٹ کا تعارف | 154 |
| ○ | یونٹ کے مقاصد | 155 |
| -1 | دین اسلام کو عالمگیر بنانے کی کوششوں کا آغاز | 156 |
| | 1.1 مکتوبات نبویؐ ہرقل، قیصر روم کے نام | 157 |
| | 1.2 کسریٰ، شاہ فارس کے نام | 159 |
| | 1.3 نجاشی، شاہ حبشہ کے نام | 159 |
| | 1.4 مقوقس، حاکم مصر کے نام | 160 |
| | 1.5 ہوزہ، حاکم یمامہ کے نام | 160 |
| | 1.6 منذر، حاکم شام کے نام | 160 |
| | 1.7 دیگر امراء کو دعوت اسلام | 161 |
| -2 | فتح خیبر | 162 |
| | 2.1۔ فتح خیبر کے نتائج | 164 |
| | 2.2۔ وادی القریٰ کے یہودی | 164 |
| -3 | مسلمانوں کا مکہ میں پہلا داخلہ | 165 |
| -4 | غزوۂ موتہ | 166 |
| | 4.1۔ غزوۂ موتہ کے نتائج | 167 |
| -5 | فتح مکہ | 168 |
| | 5.1 مکہ پر فوج کشی کے اسباب | 168 |
| | 5.2 اسلامی لشکر کی روانگی | 169 |
| | 5.3 خطبۂ فتح | 169 |
| | 5.4 فتح مکہ کے نتائج | 171 |
| -6 | غزوۂ حنین و طائف | 172 |

| | |
|---|---|
| 6.1 غزوۂ حنین | 172 |
| 6.2 محاصرہ طائف | 173 |
| 6.3 مالِ غنیمت کی تقسیم | 174 |
| خود آزمائی نمبر1 | 176 |
| -7 غزوۂ تبوک اور دیگر واقعات | 178 |
| 7.1 غزوۂ تبوک | 178 |
| 7.2 دو اہم واقعات | 179 |
| 7.3 تاریخی اعلان | 179 |
| 7.4 واقعہ ایلاء و تخییر | 180 |
| 7.5 متفرق واقعات | 180 |
| -8 حجۃ الوداع | 181 |
| 8.1 خطبہ حجۃ الوداع | 182 |
| 8.2 خطبے کی نمایاں باتیں | 185 |
| 8.3 خطبے پر تبصرہ | 186 |
| -9 جیش اسامہ کی روانگی اور وصال نبوی ﷺ | 188 |
| 9.1 جیش اسامہ بن زید | 188 |
| 9.2 رسول پاک ﷺ کی علالت اور وصال | 188 |
| 9.3 تجہیز و تکفین | 191 |
| خود آزمائی نمبر2 | 191 |
| -10 جوابات | 193 |

# یونٹ کا تعارف

گزشتہ یونٹ میں آپ نے حضور ﷺ کی مدنی زندگی کے صلح حدیبیہ تک واقعات پڑھے جن سے آپ کو اندازہ ہوا ہوگا کہ رسول پاک ﷺ نے تبلیغ اسلام کی کامیابی کے لئے کتنی تکالیف برداشت کیں لیکن آخر کار صلح حدیبیہ کے ذریعے سے قریش مکہ نے مسلمانوں کی الگ حیثیت کو تسلیم کر ہی لیا پھر قریش سے دس سالہ امن کے معاہدے کے بعد ممکن ہو سکا کہ اسلام کو عالمگیر سطح پر پھیلایا جائے۔

چنانچہ اس وقت کی معلوم دنیا کے سامنے آپ ﷺ نے اپنے پیغام کو خطوط کے ذریعے پہنچایا۔ قریش کی مزاحمت کے خاتمے کے بعد ہی یہود کی سرگرمیوں کا بھی خاتمہ ہوا۔ خیبر کی زمینوں کی آمدنی سے خاص طور پر مسلمانوں کی معیشت کو بہت سہارا ملا۔ ایک اہم اور بڑی پیش رفت فتح مکہ کی صورت میں سامنے آئی۔ خانہ کعبہ کی بتوں سے تطہیر اور سنت ابراہیم کا احیاء پھر عام لوگوں کا جوق در جوق دین اسلام قبول کرنا آپ ﷺ کی بڑی کامیابی اور دین اسلام کی فتح ہے۔ اس کے علاوہ دیگر قوموں اور قبائل سے غزوات بھی ہوئے جن میں آپ ﷺ نے فتح پائی۔

زیرِ نظر یونٹ میں آپ حضور ﷺ کے اس خطبے کا مطالعہ بھی کریں گے جو آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر دیا۔ اس میں دین اسلام کی تعلیمات کو انتہائی اختصار اور مؤثر انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ اسے ہم انسانی زندگی کا بہترین دستور کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ اس کی اہمیت کا اندازہ آپ کو خطبہ پڑھنے کے بعد ہی ہوگا۔

# یونٹ کے مقاصد

ہمیں اُمید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1- یہ بیان کر سکیں کہ آنحضرتﷺ نے دینِ اسلام کو عالمی سطح پر متعارف کرانے کا آغاز کس طرح کیا نیز ان بادشاہوں اور حُکّام و امراء کے نام شمار کر سکیں جن کو آنحضرتﷺ نے دعوتِ اسلام کے سلسلے میں خطوط لکھے۔

2- جزیرہ عرب میں یہود کی شکست کے واقعات پر روشنی ڈال سکیں اور مکہ معظمہ میں مسلمانوں کے داخلہ کی منظر کشی کر سکیں۔

3- جائزہ لے سکیں کہ اسلامی ریاست کو جب رومیوں کی طرف سے خطرات کا سامنا کرنا پڑا تو اس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کیا حکمتِ عملی وضع کی گئی اور غزوۂ موتہ کے کیا نتائج نکلے۔

4- فتح مکہ کے اسباب اور واقعات قلم بند کر سکیں اور آنحضرتﷺ نے اپنے جانی دشمنوں کے ساتھ جس بے نظیر عفو و درگزر کا معاملہ فرمایا، اس واقعہ پر سیر حاصل بحث کر سکیں۔

5- فتح مکہ کے بعد کے واقعات، غزوۂ حنین و طائف، غزوہ تبوک کے واقعات بیان کر سکیں۔

6- حجۃ الوداع کی منظر کشی کر سکیں اور خطبہ حجۃ الوداع کے اہم نکات اپنے الفاظ میں بیان کر سکیں اور یہ وضاحت کر سکیں کہ یہ خطبہ کس طرح انسانیت کے عالمی منشور کا درجہ رکھتا ہے۔

7- جیش اسامہ کی روانگی اور وصالِ نبویﷺ کے واقعات قلم بند کر سکیں۔

# 1- دین اسلام کو عالمگیر بنانے کی کوششوں کا آغاز

اعلانِ اسلام سے لے کر صلح حدیبیہ تک ایک دن بھی رسولِ خدا ﷺ کو مخالفین کی مخالفت کے سبب اطمینان کا سانس نصیب نہ ہوا اور نہ ہی پرسکون فضاء میسر آئی کہ توحید کا پیغام اطمینان سے لوگوں تک پہنچاتے۔ اس کے باوجود اسلام کا حلقہء اثر روز بروز وسیع ہوتا گیا چنانچہ 6/ھ تک عرب کا اکثر حصہ دائرہ اسلام میں آچکا تھا۔ اب صلح حدیبیہ کی حیثیت سے مسلمانوں کے لئے قریش سے دس سالہ امن سمجھوتہ ہو جانے کا مطلب ان کی طرف سے ایک مستقل اور حقیقی خطرے کا ٹل جانا اور جزیرہ نمائے عرب کی تسخیر کی راہ ہموار ہو جانا تھا چنانچہ ادھر سے فراغت ملتے ہی آپ ﷺ نے اپنے رسالتی مشن کی تکمیل یعنی اسلام کو عالم گیر بنانے کی خاطر اسے بیرونی دنیا سے روشناس کرانے کی کوششوں کا آغاز کر دیا۔ یہ اہم حقیقت ہمیشہ ہمارے ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ آپ ﷺ تمام بنی نوع انسان کے لئے پیغمبر اور تمام جہانوں کے لئے رحمت بن کر مبعوث ہوئے تھے، یہ زمانہ بادشاہت، سرداری، سرمایہ داری اور جاگیرداری کا تھا لہٰذا اس عہد کے عوام کا دین وہی ہوتا تھا جو بادشاہوں کا تھا چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے وسائل اور حالات کے مطابق شہنشاہوں اور ان کے حکامِ اعلیٰ کو دعوت اسلام دی اور سفیروں کے ذریعے انہیں خطوط بھجوائے۔

غالباً یکم محرم 7/ہجری کا دن تھا کہ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو جمع کیا اور خطبے میں ارشاد فرمایا کہ "اے لوگو! اللہ نے مجھے تمام جہانوں کے لئے رحمت اور پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ دیکھو! عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی طرح اختلاف نہ کرنا۔ اٹھو اور میری طرف سے پیغام حق پہنچاؤ" بعد ازاں آپ ﷺ نے ایک ہی دن میں چھ حکمرانوں کے نام دعوت اسلام کے خطوط لکھوا کر سفیروں کے ذریعے بھجوائے۔ ان کے نام یہ ہیں۔

| | سفیر | بادشاہ |
|---|---|---|
| 1- | حضرت دحیہ بن خلیفہ الکلبی ؓ | قیصر روم |
| 2- | حضرت عمرو بن امیہ الضمری ؓ | نجاشی بادشاہ حبشہ |
| 3- | حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمی ؓ | خسرو پرویز۔ شہنشاہ ایران |
| 4- | حضرت حاطب بن ابی بلتعہ ؓ | عزیز مصر |
| 5- | حضرت سلیط بن عمرو عامری ؓ | رؤسائے یمامہ |

6- حضرت شجاع بن وھب الاسدی ؓ حارث غسانی۔ رئیس حدود شام

یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان میں سے ہر سفیر اس ملک یا علاقے کی زبان جانتا تھا جہاں اسے بھیجا گیا تا کہ اسلام کی اچھی تبلیغ کر سکیں۔ ہر خط کی عبارت وہاں کے مقامی خیالات کے اعتبار سے مختلف تھی مگر ان میں ہر مخاطب کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا سبق دیا گیا اور شرک و بت پرستی سے پرہیز کرنے اور بری عادات کو ترک کر دینے کی تلقین کی گئی مثلاً ہرقل، قیصر روم کے نام آپ کے خط کا ترجمہ یہ ہے۔

## 1.1 مکتوباتِ نبوی ﷺ

### ہرقل، قیصر روم کے نام۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد ﷺ کی طرف سے جو اللہ کا بندہ اور رسول ہے، بنام ہرقل، عظیم روم

سلامتی ہے اس پر جو ہدایت کی پیروی کرتا ہے۔ بعد ازاں میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ مسلمان ہو جاؤ، سلامتی کے ساتھ رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہیں دہرا اجر دے گا۔ اگر تم نے روگردانی کی تو تمہاری جاہل رعایا کا گناہ بھی تم پر ہوگا۔ اے اہل کتاب (اختلاف اور جھگڑے کی ساری باتیں چھوڑ کر) اس بات پر آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں طور پر مسلّم ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، کسی ہستی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو رب نہ بنائے۔ پھر اگر اس اصول سے روگردانی کرو تو گواہ رہنا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے ہیں۔

آپ ﷺ کا مکتوب گرامی حضرت دحیہ کلبی ؓ نے امیر بصریٰ کی وساطت سے قیصر روم ہرقل کو دیا جو ان دنوں ایران کے کسریٰ کو شکست دینے کی خوشی میں بیت المقدس میں سجدہء شکر ادا کرنے گیا ہوا تھا۔ ہرقل نے خط کا سن کر اہل دربار سے دریافت کیا کہ مدّعیِ نبوت کی قوم کا کوئی شخص اس شہر میں موجود ہو تو اسے حاضر کرو۔ قریش مکہ کی ایک جماعت کو جو کاروبار کے سلسلے میں وہاں گئی ہوئی تھی، دربار میں پیش کیا گیا۔ ہرقل نے امیر جماعت ابوسفیان سے رسول اللہ ﷺ سے متعلق سوال پوچھے۔ ابوسفیان کا بیان ہے کہ اس خوف سے کہ کہیں اپنے ساتھیوں کی موجودگی میں جھوٹ بول

کر بدنام نہ ہو جاؤں، مجھے مجبوراً آپ ﷺ کے متعلق سچ بولنا پڑا۔ ان کے سوال و جواب کا خلاصہ یہ ہے۔

"محمد ﷺ عالی نسب ہیں۔ آپ کے خاندان میں نہ کوئی بادشاہ گزرا ہے اور نہ کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ دعوئ نبوت سے پہلے آپ ﷺ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ آپ ﷺ کی پیروی کمزور لوگ کرتے ہیں جن کی تعداد گھٹتی نہیں، بڑھتی جاتی ہے۔ جنگ میں کبھی آپ ﷺ اور کبھی ہم غالب رہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے کبھی عہد شکنی نہیں کی لیکن حال ہی میں ہم نے آپ ﷺ سے معاہدہ کیا ہے، دیکھیں آپ ﷺ کیا کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کی تعلیم ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اللہ کا شریک نہ بناؤ۔ نماز پڑھو، پاک دامنی اختیار کرو، سچ بولو، صلہ رحمی کرو۔"

اس گفتگو کے بعد قیصر روم نے کہا:

"تم نے اسے شریف النسب بتایا۔ پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندانوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ تم نے کہا کہ خاندان سے کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس خاندان میں کوئی بادشاہ نہیں گزرا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اسے بادشاہت کی ہوس ہے۔ تم مانتے ہو کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں کہا۔ جو شخص آدمیوں سے جھوٹ نہیں بولتا خدا پر جھوٹ کیونکر باندھ سکتا ہے۔ تم کہتے ہو کہ کمزوروں نے اس کی پیروی کی ہے۔ پیغمبروں کے ابتدائی پیروکار ہمیشہ غریب لوگ ہی ہوتے ہیں۔ تم نے تسلیم کیا کہ ان کا مذہب ترقی کرتا جاتا ہے سچے مذہب کا یہی حال ہے کہ بڑھتا جاتا ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس نے کبھی فریب نہیں کیا۔ پیغمبر کبھی فریب نہیں کرتے۔ تم کہتے ہو کہ وہ نماز، پرہیز گاری اور پاکیزگی کی ہدایت کرتا ہے اگر یہ سچ ہے تو میرے قدموں کی جگہ تک اس کا قبضہ ہو جائے گا۔ ہم یہ تو جانتے ہیں کہ ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے لیکن اس کا علم نہیں کہ اس کا ظہور تم لوگوں میں سے ہوگا"۔

اس نے عقیدت کا اظہار بھی کیا لیکن اسلام نہ لایا کیونکہ اس کی گفتگو سن کر اہل دربار سخت برہم ہو چکے تھے۔ اس دعوت کا فائدہ یہ ہوا کہ تحریک اسلام کو شاہی دربار میں اپنے اظہار کا اور اہل دربار سے اپنے آپ کو متعارف کرانے کا موقع مل گیا۔ یہ ایک تاریخی واقعہ تھا۔ اس کا چرچا ہونا تھا اور خوب ہوا۔

## 1.2 کسریٰ، شاہ فارس کے نام

آپ ﷺ کا دوسرا خط شاہ فارس کسریٰ پرویز کے نام تھا۔ اس نے خط نہ سنا اور غصے سے آگ بگولا ہو گیااور آپ ﷺ کے خط کو چاک کر کے پرزے پرزے کر دیالیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد وہ خود ہلاک ہو گیا اور پھراس کی سلطنت کے پرخچے اڑ گئے۔

دراصل آپ ﷺ پیغمبر خدا تھے اور آپ کے خط کا اسلوب پیغمبرانہ تھا اس لئے سرنامے پر پہلے آپ ﷺ کا پھر شہنشاہ ایران کا نام لکھا تھا۔ اس نے اپنی توہین سمجھا اور فوراً والیٔ یمن کو حکم بھجوایا کہ وہ حجاز سے مدّعی نبوت کو گرفتار کر کے دربار میں حاضر کرے۔ والیٔ یمن نے دو اہل کاروں کو آپ ﷺ کے پاس بھیجا۔ انہوں نے بارگاہ رسالت میں پہنچ کر آپ ﷺ کو ایران چلنے کو کہااور دھمکی دی کہ انکار کی صورت میں شہنشاہ ایران مدینہ پر چڑھائی کر دے گا۔ آپ ﷺ نے ایلچیوں سے کہا کہ تمہیں تمہارے پیغام کا جواب دیا جائے گا۔ وہ لوگ دوسرے روز آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ

> ''تم مجھے اپنے بادشاہ کے پاس کیا لے کر جاؤ گے۔ وہ تو رات کو قتل ہو چکا ہے۔ البتہ اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایۂ تخت تک ضرور پہنچے گی۔''

وہ لوگ واپس ہوئے یمن جا کر انہیں معلوم ہوا کہ خسرو پرویز کے فرزند شیرویہ نے اسے قتل کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا ہے۔ والیٔ یمن باذان نے اپنے آدمیوں سے رسولِ خدا ﷺ کے حالات سنے تو اسے اسلام سے دلچسپی ہو گئی اور اس نے آپ ﷺ کی عادات و خصائل اور تعلیمات کے بارے میں سوال کئے اور پوری تسلی کے بعد مسلمان ہو گیا۔

## 1.3 نجاشی، شاہ حبشہ کے نام

آپ کا تیسرا تبلیغی خط نجاشی شاہ حبشہ کے نام تھا۔ وہ مذہباً عیسائی تھا اور پہلے ہی مسلمانوں کا ہمدرد اور اسلام سے واقف تھا۔ دو بار مسلمانوں نے قریش کے مظالم سے نجات پانے کے لئے حبشہ ہجرت کی اور وہاں کے حکام نے ان کی دلجوئی کی۔ حضور ﷺ کا خط ملتے ہی نجاشی مسلمان ہو گیا۔ اس کے انتقال پر رسول اللہ ﷺ نے مدینے میں اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی۔

## 1.4 مقوقس، حاکم مصر کے نام

مصر مشرقی رومی سلطنت کا ایک نیم خود مختار حصہ تھا۔ اس کا حاکم مقوقس کہلاتا تھا۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ ؓ حضور ﷺ کا نامۂ مبارک لے کر گئے۔ اگرچہ اس نے اسلام قبول نہ کیا مگر اسلام اور رسول اکرم ﷺ کے متعلق کلمات خیر کہے اور حضور ﷺ کی خدمت میں کچھ تحائف بھیجے۔

## 1.5 ہوزہ، حاکم یمامہ کے نام

آپ کا ایک اور خط حاکم یمامہ کے نام تھا جسے حضرت سلیط بن عمرو ؓ لے کر گئے۔ اس خط کی عبارت یہ تھی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

’ محمد کی طرف سے ہوزہ بن علی کی طرف۔ سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ جان لو کہ
میرا دین وہاں تک پھیلے گا جہاں تک چوپائے اور گھوڑے جاسکتے ہیں۔ اسلام قبول کرو تو امن کے ساتھ رہو گے اور جو علاقہ تمہارے ماتحت ہے اسے تمھارے پاس ہی رہنے دیا جائے گا۔‘‘

ہوزہ نے رسول اللہ کے قاصد کو بڑے عزت واحترام سے دربار میں بٹھایا اور خط کے جواب میں آپ کو لکھوایا:

’’کتنی اچھی اور حسین بات ہے جس کی طرف آپ ﷺ ہمیں بلاتے ہیں۔ عرب میرے رتبے کی عزت کرتے ہیں۔ بعض اختیارات مجھے تفویض کیجئے ہم اتباع کریں گے‘‘

آپ ﷺ نے خط سنا تو فرمایا کہ ’’اگر وہ مجھ سے ایک بالشت زمین بھی طلب کرے تو میں نہیں دوں گا۔ جو کچھ اس کے قبضے میں ہے وہ جانے والا ہے‘‘ حضور اکرم ﷺ کی یہ بات سچ ثابت ہوئی۔

## 1.6 منذر، حاکم شام کے نام

شام کا حاکم منذر بن حارث پہلے تو خط پڑھ کر بہت بگڑا اور کہا کہ میں خود مدینے پر حملہ کروں گا لیکن سوچ بچار کے بعد میں سفیر کو اعزاز سے رخصت کیا مگر مسلمان نہ ہوا۔

# 1.7 دیگر امراء کو دعوت اسلام

عمان میں جیفر اور عبد نام کے دو بھائی برسر اقتدار تھے۔ حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ ان کے پاس بھیجے گئے۔ سفیر اسلام کے ساتھ طویل مکالمات اور بہت غور وخوض کے بعد دونوں بھائی اسلام لے آئے اور ان کے اثر سے رعایا کا اکثر حصہ بھی مسلمان ہوگیا۔

رسول پاک ﷺ نے ان کے علاوہ اور بھی حکمرانوں اور قبائلی سرداروں کو وقتاً فوقتاً تبلیغی خطوط لکھے اور اپنا فریضۂ رسالت احسن اور مؤثر طریقے سے ادا کیا۔

آپ ﷺ کے ہر کام میں حکمت ہوتی تھی اور حکمت کا تقاضا ہے کہ منصوبہ بندی کی جائے۔ منصوبہ فوری نوعیت کا بھی ہوتا ہے اور طویل المیعاد بھی۔ آپ ﷺ چونکہ تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے اس لئے آپ ﷺ کا تبلیغی منصوبہ زمانی ومکانی بھی تھا اور عالمگیر بھی۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے تبلیغی خطوط کے ذریعے بیرونی ممالک میں اسلام کا جو بیج بویا وہ بہر حال تناور درخت بن گیا۔

# 2- فتح خیبر (محرم 7 ہجری)

خیبر مدینے سے کوئی دو سو میل کے فاصلے پر شمالی عرب میں یہودیوں کی بہت اہم بستی تھی۔ یہاں ان کے بہت سے قلعے تھے۔ بنو نضیر مدینے سے جلاوطن ہوئے تو انہوں نے یہیں اقامت اختیار کی اور اس جگہ کے یہودیوں کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا شروع کیا۔ بنو نضیر نے جنگ احزاب میں نہ صرف قریش مکہ اور بنو غطفان وغیرہ قبائل کو مدینے پر حملے کرنے کے لئے اکسایا بلکہ خود بھی اس میں نمایاں حصہ لیا۔ اس جنگ میں ناکامی کے سبب وہ اس تاک میں تھے کہ موقع پا کر مسلمانوں کو نقصان پہنچایا جائے چنانچہ خیبر اسلام اور ریاست مدینہ کے خلاف سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ آخر کار انہوں نے 6 ہجری کے اواخر میں اپنے ہمسایہ اور حلیف قبیلہ غطفان کو مدینے پر حملہ کرنے پر آمادہ کر لیا اور ان دونوں کی مشترکہ کوششوں سے یثرب کے دوسرے چھوٹے قبائل بھی مال غنیمت کے لالچ میں ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔

آپ ﷺ یہود کی رگ رگ سے واقف تھے لہٰذا ان پر آپ ﷺ کی کڑی نظر تھی اور جاسوسوں کے ذریعے سے ان کے حالات اور منصوبوں کے متعلق آپ ﷺ کو برابر اطلاعات ملتی رہتی تھیں۔ یہود اور ان کے حلیف قبائل کو اگر پہل کرنے کا موقع مل جاتا تو مدینے کا دفاع خطرے میں پڑ جاتا۔ آپ ﷺ نے یہود کے منصوبے کو ناکام بنانے کے لئے جوابی منصوبہ بنایا جس کا مقصد یہ تھا کہ یہود اور ان کے حلیفوں کی افواج کو یکجا ہونے اور مدینے کی طرف پیش قدمی کرنے کا موقع نہ دیا جائے چنانچہ آپ ﷺ نے بروقت رازدارانہ طریقے سے جوابی کاروائی کی تیاری شروع کر دی اور محرم 7 ہجری میں خیبر کی طرف پیش قدمی کی۔ مجاہدین کے لشکر کی تعداد سولہ سو تھی جن میں دو سو (۲۰۰) سوار تھے۔ اس فوج میں پہلی مرتبہ تین علم تیار کئے گئے۔

اپنے جنگی منصوبے کے مطابق آپ ﷺ نے تیزی سے مقام رجیع پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ یہ غطفان اور خیبر کے درمیان فوجی اہمیت کا انتہائی اہم مقام تھا۔ اس اقدام کا مقصد غطفان سے خیبر جانے والی شاہراہ کو کاٹ دینا تھا تاکہ دونوں قبیلے آپس میں مل نہ سکیں۔ خیبر کی طرف پیش قدمی سے پہلے آپ ﷺ بنو غطفان کے عقب سے حملہ کرنے کے امکان کو ختم کر دینا چاہتے تھے چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے متوقع حملے کے پیش نظر اپنے لشکر کی صف بندی دفاعی انداز میں کی۔ بنو غطفان کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ مسلمان خیبر پر حملے کے ارادے سے کوچ کر چکے ہیں ان پر عقب سے حملہ کرنے کی غرض سے وہ

مسلح ہو کر نکلے لیکن جب انہوں رجیع کے مقام پر مسلمانوں کو دفاعی مورچہ بند دیکھا تو حیران رہ گئے اب ان کے لئے حملہ کرنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ وہ مجاہدین سے اس قدر خوف زدہ ہوئے کہ حملے کا ارادہ ترک کر دیا اور اپنے گھروں کو بچانے کی فکر میں لوٹ گئے چونکہ بیک وقت دو محاذ کھولنا آپﷺ کی عسکری حکمت عملی کے منافی تھا لہذا آپﷺ نے منصوبے کے مطابق خیبر کے فتنے کو ختم کرنے کا ارادہ فرمایا اور رجیع کے مقام پر حضرت عثمان کو نگران بنایا۔ رسد کا سامان بھی یہیں تھا اور اس کی حفاظت کے لئے مجاہدین کا ایک مضبوط دستہ متعین کر کے خود فوج لے کر خیبر تشریف لے گئے۔

یہود چونکہ بڑی احتیاط اور خفیہ طور پر بنو غطفان سے مل کر مدینے پر حملے کی تیاریاں کر رہے تھے لہذا انہیں گمان بھی نہ تھا کہ مسلمانوں کو ان کے منصوبے کی اطلاع مل جائے گی اور پھر وہ اتنی تیزی سے خیبر پر حملہ بھی کر دیں گے۔ انہوں نے اچانک اسلامی لشکر کو دیکھا تو حیران رہ گئے اور اس قدر مرعوب و خوفزدہ ہوئے کہ قلعوں میں بند ہو گئے۔ خیبر میں ان کے آٹھ قلعے تھے جن میں سے القموص کا قلعہ اپنے غیر معمولی استحکام کی وجہ سے نا قابل تسخیر سمجھا جاتا ہے۔

حضور نبی کریمﷺ نے یہود کو دعوت اسلام دی اور جب وہ صلح پر آمادہ نہ ہوئے تو آپﷺ نے حملے کے احکام صادر فرمائے۔ سب سے پہلے قلعہ الحطاط اور الناعم فتح ہوئے اب قلعہ القموص کی باری تھی لیکن اسے فتح کرنا دشوار ہو گیا اور محاصرہ طول پکڑ گیا۔ آخر کار آپﷺ نے حضرت علیؓ کو علم عطا کیا۔ وہ میدان میں نکلے تو ان کے مقابلے کے لئے مرحب آیا جو قوت و دلیری میں سارے عرب میں مشہور تھا لیکن حضرت علیؓ نے اسے قتل کر دیا۔

پھر مرحب کا بھائی یاسر نکلا جسے حضرت زبیرؓ نے قتل کیا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کی قیادت میں مجاہدین نے قلعے پر بھرپور حملہ کیا اور دروازہ توڑ کر اندر جانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس معرکے میں حضرت علیؓ نے غیر معمولی جرأت و بہادری کا مظاہرہ کیا۔ یہود حملے کی تاب نہ لا سکے۔ انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور صلح کی درخواست کی جسے آپﷺ نے قبول فرمالیا۔

ایک طرف تو تمام قلعے فتح ہو چکے تھے لیکن دوسری جانب کے تین قلعے "الکتیبہ"، "الوطیح" اور "السلالم" کو فتح کرنا باقی تھا۔ ان قلعوں میں یہود نے مال و دولت بھی جمع کر رکھا تھا۔ آپﷺ نے ان قلعوں کو محاصرے میں لے لیا۔ چودہ دن کے بعد یہود نے ہتھیار ڈال دیئے اور خیبر کا سارا علاقہ فتح ہو گیا۔

آپﷺ چونکہ پیغمبر رحمت تھے اس لئے یہود کے ساتھ بہت مہربانی سے پیش آئے اور خیبر کی اراضی نصف بٹائی کے

قاعدے پر انہیں کے پاس رہنے دی۔ قریب کے علاقے فدک کے لوگوں نے جب خیبر کے یہود کا حال سنا تو انہوں نے بھی ایسی ہی شرائط پر صلح کر لی۔ چونکہ آپ ﷺ مملکتِ اسلامیہ کے سربراہ تھے اور اس حیثیت سے آپ ﷺ کو اخراجات بھی برداشت کرنا پڑتے تھے اس لئے فدک کی آمدن آپ ﷺ کے لئے مخصوص کر دی گئی۔

## 2.1 فتح خیبر کے نتائج

یہودی فتنے کے خاتمے کے ساتھ تحریک اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ دور ہو گئی اور اس پر ترقی کے دروازے کھلتے چلے گئے نیز مکہ میں اس کے فاتحانہ داخلے کے امکان روشن ہو گئے۔ معاشی نقطۂ نظر سے خیبر کے دُور رس نتائج برآمد ہوئے۔ یہود کی زرعی اور تجارتی بالادستی ختم ہو گئی اور مسلمانوں کی معیشت پر بہت خوش گوار اثرات مرتب ہوئے۔

یہود کی فوجی، سیاسی اور اقتصادی قوت کے خاتمے سے عرب میں طاقت کا پلڑا مسلمانوں کے حق میں جھک گیا اور وہ عرب کی سیاسی دنیا میں سب سے بڑی طاقت بن گئے۔ یہود کی شکست سے قریش اپنے ایک طاقت ور حلیف سے محروم ہو گئے۔ ان کے دوسرے حلیف بھی مسلمانوں سے مرعوب ہونے لگے جس کے سبب وہ اپنے آپ کو کمزور محسوس کرنے لگے اور انہیں مسلمانوں کی طرف سے مستقل خطرہ رہنے لگا۔

## 2.2 وادی القریٰ کے یہودی

خیبر کے بعد اب یہود صرف وادی القریٰ میں باقی رہ گئے تھے۔ یہاں کے یہود بھی تحریک اسلام کے سخت دشمن تھے۔ ان کے خاتمے کے لئے آپ ﷺ نے ادھر کا رخ کیا۔ یہود کو اس وقت خبر ہوئی جب اسلامی لشکر ان کے سر پر پہنچ گیا۔ آپ ﷺ کا یہ طریقہ دشمن کو مرعوب اور بے بس کرنے میں ہمیشہ بڑا مؤثر ثابت ہوا۔ ان میں سے بعض نے گھبراہٹ اور جلد بازی میں اسلامی لشکر پر تیر برسائے اور ایک مسلمان کو شہید کر دیا لیکن آپ ﷺ نے عفو درگزر سے کام لیا۔ یہود نے لڑے بغیر ہتھیار ڈال دیئے اور رعایا بن کر رہنے پر رضامند ہو گئے۔

# 3- مسلمانوں کا مکہ میں پہلا داخلہ

آپﷺ کو مسلمانوں کے ساتھ مکے میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے کا شوق اور انتظار تھا۔ صلح حدیبیہ کا سال گزرتے ہی آپﷺ نے مکہ جانے کا اعلان کر دیا۔ آپﷺ نے ان مسلمانوں کو خاص طور پر ساتھ لیا جو گزشتہ سال آپﷺ کے ساتھ عمرہ کے لئے گئے تھے مگر معاہدہ حدیبیہ کی وجہ سے عمرہ نہ کر سکے تھے۔

7 ہجری کو آپﷺ مسلمانوں کے ساتھ مکے میں داخل ہوئے۔ قریش نے شہر خالی کر دیا تھا اور دور سے یہ نظارہ دیکھتے تھے۔ آپﷺ نے معاہدہ حدیبیہ کے مطابق تین روز وہاں قیام فرمایا اور عمرہ کیا۔ مکہ پر قبضہ کرنے کا یہ سنہری موقع تھا لیکن معاہدہ سے انحراف اور دغابازی رسول پاکﷺ کی بلند شان کے خلاف تھی۔ مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ان تین دنوں میں کسی مسلمان نے کوئی قابل اعتراض بات نہیں کی۔

مسلمانوں کی قوت کے نظاروں سے ایک طرف اہل مکہ کے دلوں میں ہیبت و رعب پیدا ہوا تو دوسری طرف ان کی مساوات، اخوت اور پرہیز گاری کے مناظر سے متاثر ہوئے اور نفرت کے جذبات سرد پڑ گئے اور ان کے دلوں میں اسلام کی محبت جگہ بنانے لگی۔

آپﷺ قریش کو بھی دین اسلام میں شامل کرنا چاہتے تھے۔ یہ محض خواہش نہ تھی سچی آرزو تھی جس کی تکمیل کے لئے آپﷺ نے باقاعدہ منصوبہ بنایا تھا۔ اس منصوبہ کی پہلی کامیابی معاہدہ حدیبیہ اور دوسری کامیابی آپﷺ اور مجاہدین کا مکے میں آزادانہ داخلہ تھا۔ ان دونوں کامیابیوں نے فتح مکہ کی راہ ہموار کی تھی۔

# 4- غزوۂ موتہ (جمادی الاول 8 ہجری)

موتہ شام میں ایک مقام کا نام ہے۔ حضور ﷺ نے شاہ بصریٰ کے نام ایک تبلیغی خط لکھا تھا۔ عرب اور شام کے سرحدی علاقوں میں جو عرب رؤسا حکمران تھے ان میں ایک شرجیل بن عمرو بھی تھا جو اسی علاقہ بلقاء کا رئیس اور قیصر کا ماتحت تھا۔ یہ عربی خاندان ایک مدت سے عیسائی تھا اور شام کے سرحدی مقامات میں حکمران تھا۔ حضور ﷺ کا خط حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے، شرجیل نے ان کو قتل کر دیا۔ اس کے قصاص کے لئے حضور ﷺ نے تین ہزار فوج تیار کر کے شام کی طرف روانہ کی۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو جو حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے سپہ سالاری ملی اور ارشاد ہوا کہ اگر وہ شہید ہو جائیں تو جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ فوج کے سردار ہوں گے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ آزاد کردہ غلام تھے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی اور حضور ﷺ کے مقرب خاص تھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی معزز انصاری اور مشہور شاعر تھے۔ اس بناء پر حضرت زید رضی اللہ عنہ کی تقرری پر لوگوں کو تعجب ہوا اور اس بات کا خوب چرچا ہوا۔

گویا مہم قصاص لینے کی غرض سے تھی۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو جنگ کی ضرورت نہیں۔ یہ بھی حکم ہوا کہ اظہار ہمدردی کے لئے اس مقام پر جانا جہاں حضرت حارث رضی اللہ عنہ بن عمیر نے ادائے فرض میں جان دے دی ہے۔

شرجیل ایک معمولی سردار تھا۔ اس نے مسلمانوں کی پیش قدمی کی خبر سنی تو ڈر گیا اور اپنی حفاظت کے لئے سرحد کے عرب حکمرانوں اور دمشق کے رومی حاکم کے پاس پیغام بھیج کر ان سے مدد مانگی چنانچہ تھوڑے ہی عرصے میں چاروں طرف سے اسے کمک پہنچ گئی اور وہ ایک لاکھ سے زیادہ سامان حرب سے لیس فوج لے کر مسلمانوں کے مقابلے کے لئے نکلا۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ لڑنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی جائے کیونکہ تین ہزار سپہ کا ایک لاکھ سے مقابلہ بہت مشکل تھا لیکن عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے روک دیا۔ جنگ شروع ہوئی تو مٹھی بھر اسلامی فوج نے اس بہادری و جانبازی سے مقابلہ کیا کہ سب حیران رہ گئے۔ باری باری تینوں سردار حضرت زید، حضرت جعفر اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے۔

اب فوج کی قیادت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آئی۔ آپ نے دیکھا کہ دشمن کا مقابلہ آسان نہیں۔ اس لئے بڑی عقل مندی سے باقی ماندہ فوج کو دشمن کے نرغے سے نکال کر واپس لے آئے۔

## 4.1 غزوۂ موتہ کے نتائج

اس میں شک نہیں کہ مسلمان اپنی بے حد قلیل فوج اور رسد و کمک کے فقدان کے سبب شرجیل کے لشکر کو شکست نہ دے سکے اور ان کا جانی نقصان بھی ہوا لیکن اس سے تحریک اسلام کو تقریباً وہی فوائد پہنچے جو جنگ احد سے پہنچے تھے۔

فوجی نقطۂ نظر سے جنگ موتہ میں شرجیل اور ہرقل وقیصر روم کو ناکامی ہوئی تھی۔ اس کے تین دلائل ہیں۔

1- وہ دونوں اپنی کثیر افواج اور وسائل کے باوجود مسلمانوں کے مرکز حکومت مدینہ پر حملہ نہ کر سکے اور دفاعی جنگ لڑنے پر مجبور ہوئے۔

2- مٹھی بھر مجاہدین کو نہ قتل کر سکے اور نہ قیدی بنا سکے۔

3- مسلمانوں کی جراءت و ہمت اور جنگی مہارت سے اس قدر مرعوب ہو گئے کہ انہیں ان کا پیچھا کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔

نتائج کے لحاظ مسلمانوں کو اس جنگ سے دو بہت اہم فائدے ہوئے۔

(ا) کسی بیرونی حکومت یا قوت کو مسلمانوں کے دارالحکومت پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

(ب) اسلامی مملکت بیرونی دنیا میں ایک نئی ابھرتی ہوئی قوت کے طور پر متعارف ہوگئی۔

# 5- فتح مکہ (رمضان 8 ہجری)

## 5.1 مکہ پر فوج کشی کے اسباب

(1) خانہ کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی یادگار ہے۔ یہ انہوں نے ایک اللہ کی عبادت کے لئے بنوایا تھا مگر اس وقت یہاں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ اسلام نے اسی گھر کو مسلمانوں کا قبلہ قرار دیا تھا اس لئے ضروری تھا کہ مکہ پر قبضہ کر کے خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کیا جائے۔

(2) صدیوں سے مکہ عرب کا سیاسی، تجارتی اور مذہبی مرکز چلا آرہا تھا۔ قریش کی سب اہمیت مکہ ہی کے سبب تھی۔ اب ضرورت تھی کہ مکہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو اور رسول اللہ کا آبائی شہر اور عرب کا مرکز ان کے زیر اقتدار رہے۔ مہاجرین مکہ کی بھی دلی خواہش تھی کہ وہ اپنے وطن میں کامیاب واپس جائیں۔

(3) صلح حدیبیہ کی رو سے مسلمانوں اور قریش مکہ میں دس سال کے لئے صلح ہو چکی تھی۔ قبائل عرب میں سے بنو خزاعہ رسول اللہ کے اور بنو بکر قریش کے حلیف تھے ان دونوں میں پرانی دشمنی چلی آرہی تھی۔ بنو بکر نے ان جھگڑوں کو تلوار کی مدد سے نبٹانے کے لئے بنو خزاعہ سے جنگ شروع کر دی۔ قریش نے نہ صرف ہتھیار فراہم کئے بلکہ بعض سردار لڑائی میں بھی شریک ہوئے۔ اس لئے بنو خزاعہ کو شکست ہوئی ان لوگوں نے حرم میں پناہ لی تو انہیں وہاں بھی قتل کیا گیا۔ حالانکہ وہاں خونریزی منع ہے چنانچہ بنو خزاعہ کے نمائندے دربار رسول میں پہنچے اور تمام معاملہ سنایا۔ یہ سن کر حضور ﷺ کو بہت رنج ہوا اور آپ ﷺ نے قریش کے پاس قاصد بھیجے اور انہیں لکھا کہ ذیل کی شرطوں میں سے کوئی ایک منظور کر لیں۔

(i) بنو خزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا ادا کریں۔ (ii) بنو بکر کی حمایت سے ہاتھ اٹھا لیں۔

(iii) اعلان کر دیں کے حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا ہے۔

قریش نے تیسری شرط مان لی مگر بعد میں اپنی غلطی پر خوف زدہ ہوئے اور معاہدے کی تجدید کے لئے ابوسفیان کو دربار رسول ﷺ میں بھیجا مگر حضور ﷺ نے انکار کر دیا۔

## 5.2 اسلامی لشکر کی روانگی

رسولِ اللہ ﷺ نے ابوسفیان کی روانگی کے بعد جنگ کی تیاری شروع کر دی اور 10 رمضان المبارک 8 ہجری کو اپنے دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ فوج پر مہم کا مقصد ظاہر نہ کیا اور نا معلوم اور غیر معروف راستوں سے گزرتے ہوئے یکدم نواح مکہ میں مقام ظہران پر پڑاؤ کیا۔ قریش کو رات کے وقت اسلامی فوج کے پڑاؤ کے چولہوں کی روشنی سے پتہ چلا کہ مخالف لشکر اِن پر چڑھ آیا ہے۔ اس پر ابوسفیان اور کچھ دوسرے لوگ تحقیق کے لئے باہر نکلے۔

ابوسفیان اسلامی لشکر کے آس پاس گھوم رہا تھا کہ حضرت عباس ؓ کی نظر اس پر پڑ گئی اور اسے پکڑ کر حضور ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ حضرت عمر ؓ نے انہیں دیکھا تو بے قابو ہو گئے اور حضور ﷺ سے اس کے قتل کی اجازت چاہی مگر آپ ﷺ نے حضرت عباس ؓ کی سفارش پر اسے معاف کر دیا۔ اب حضرت عباس ؓ کے کہنے پر ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا۔ لشکر اسلام کو مکہ کی طرف پیش قدمی کا حکم دینے سے پہلے آپ ﷺ نے قریش میں اعلان کرا دیا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے گا یا ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا یا اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا یا خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے گا اسے معاف کر دیا جائے گا۔

یہ عام معافی کا اعلان تھا جس کا بہت اچھا اثر پڑا۔ ویسے بھی مسلمانوں کے اتنے بڑے لشکر کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے تھے۔ اس لئے مسلمانوں نے بلا مقابلہ مکہ فتح کر لیا اور قریش کی مزاحمت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ مکہ پہنچ کر سب سے پہلے آپ ﷺ نے خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کیا۔ اس وقت آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہ آیات تھیں:

﴿جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾

"حق آ گیا اور باطل نابود ہو گیا۔ بے شک باطل مٹ جانے والی چیز ہے"

## 5.3 خطبۂ فتح

"اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور اس نے اپنا وعدہ سچا کیا اور اپنے بندے کی مدد کی اور تمام جماعتوں کو تنہا توڑ دیا۔ خبردار ہر قسم کا مطالبہ خواہ وہ خون کا ہو یا مال کا، میرے پاؤں کے نیچے ہے (یعنی منسوخ ہے) البتہ بیت اللہ کی تولیت اور حاجیوں کو

پانی پلانے کے مناصب پہلے کی طرح ہیں"۔

"اے گروہ قریش! آج کے دن اللہ نے تم سے جاہلیت کا غرور چھین لیا اور آباؤ اجداد کے بل پر بڑائی حرام کر دی ہے۔ کُل بنی نوع انسان آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔"

پھر یہ آیت تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یوں ہے:

"لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا۔ اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کی شناخت کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے۔ جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بلاشبہ اللہ سب کچھ جاننے والا اور سب خبر رکھنے والا ہے۔"

خطبے کے بعد آپ ﷺ نے اہل مکہ سے فرمایا کہ تم جانتے ہو میں تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں۔ قریش کو اپنے مظالم کا احساس تو تھا لیکن حضور ﷺ کے رحم و کرم اور عفو درگزر سے بھی خوب واقف تھے۔ اس لئے سب نے کہا کہ آپ شریف بھائی اور شریف زادہ ہیں۔ یعنی آپ ﷺ ہم سے وہی سلوک کریں گے جن کی شریفوں سے توقع ہوتی ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا میں تم سے وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے کہا تھا: (سیرت ابن ہشام)

(قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ) (سورہ یوسف:۹۲)

ترجمہ: "آج تم پر کوئی الزام و مواخذہ نہیں۔ اور ارشاد فرمایا

اِذْهَبُوْ فَاَنْتُم الطُّلَقَاء ترجمہ: جاؤ تم سب آزاد ہو"۔

آپ ﷺ نے اس زمانے میں عرب کے انسانیت سوز جنگی دستور کے برعکس مفتوحین کے جان و مال اور عزت کو محفوظ رکھا اور ان سب کو معاف کر دیا۔ آپ ﷺ کے اس روّیے نے دنیا کو نیا جنگی دستور دیا۔

آپ ﷺ نے ان پر ایک احسان یہ بھی کیا کہ مہاجرین کی املاک جو قریش کے قبضے میں تھیں، انہی کے پاس رہنے دیں۔

فتح مکہ سے آپ ﷺ کا اصل مقصد اہل مکہ کے دلوں کی تسخیر تھا اس لئے آپ ﷺ اہل مکہ کو تحریک اسلام میں رسمی طور پر شریک کرنے کے لیے مقام صفا پر تشریف لے گئے اور ایک بلند جگہ پر لوگوں سے بیعت لینے کا سلسلہ شروع کیا۔

مردوں کے بعد عورتوں سے بیعت لی۔اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں عورت بھی مرد کی طرح عقیدے اور رائے کے معاملے میں آزاد ہے۔ بہر حال لوگ جوق در جوق تحریک اسلام میں شامل ہو رہے تھے اور جو لوگ مکہ چھوڑ کر بھاگ گئے تھے آپ ﷺ نے انہیں بھی امان دے دی۔اس وقت بھی آپ ﷺ نے کسی شخص کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا چنانچہ جن لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا انہیں بھی جان و مال کی پوری آزادی دی گئی۔ پھر مکہ کا نظم ونسق درست کرنے کے بعد معاذ بن جبلؓ کو یہاں کا نگران بنایا اور حضور ﷺ مدینہ تشریف لے گئے۔

## 5.4 فتح مکہ کے نتائج

1- فتح مکہ کا اہم ترین نتیجہ اللہ تعالیٰ کے گھر کا بتوں سے پاک ہونا تھا۔اگر چہ ان بتوں میں کچھ انبیاء کے بت بھی تھے لیکن اسلام میں کسی بھی بزرگ کے بت کی پوجا جائز نہیں ہے۔ فتح مکہ نے اس کعبے کو بتوں سے پاک کر دیا جس کی طرف سب مسلمان منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔

2- مکہ صدیوں سے اہل عرب کا تجارتی، مذہبی اور سیاسی مرکز چلا آ رہا تھا۔اس پر قبضہ اسلام کی بڑی کامیابی تھی۔اس کے بعد قبائل عرب قریش کی بجائے مسلمانوں کو عرب کی سب سے بڑی سیاسی اور مذہبی طاقت سمجھنے لگے۔

3۔ فتح مکہ کے بعد قریش اور بہت سے دیگر قبائل نے اسلام قبول کیا اور اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اس طرح عرب جو قبائلی نظام کے تحت زندگی گذار رہے تھے حضور ﷺ کی قیادت میں ایک قوم بن گئے۔

# 6- غزوۂ حنین و طائف

## 6.1 غزوۂ حنین

حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔ ہوازن ایک بہت بڑا قبیلہ تھا جس کی بہت سی شاخیں تھیں۔ اسلام کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا تھا لیکن اہل عرب یہ دیکھ رہے تھے کہ مکہ اب تک محفوظ ہے ان کا خیال تھا کہ محمد ﷺ اگر قریش پر غالب آگئے اور مکہ فتح ہو گیا تو بلا شبہ وہ سچے نبی ہیں۔ جب مکہ فتح ہوا تو تمام قبائل خود آگے بڑھے اور اسلام قبول کرنا شروع کر دیا لیکن قبیلہ ہوازن اور ثقیف پر اس کا الٹا اثر پڑا۔ یہ بہت جنگجو قبیلے تھے۔ فتح مکہ کے بعد دونوں قبیلوں کے رؤسا نے سمجھ لیا کہ اب ان کی باری ہے اس لئے انہوں نے ایک دوسرے سے مشورہ کیا کہ مسلمانوں کے خلاف مل کر مکہ پر مشترکہ حملہ کر دیا جائے۔

اس معرکے میں اگرچہ ثقیف اور ہوازن کی تمام شاخیں شریک تھیں تاہم دو قبیلے کعب اور کلاب الگ رہے۔ فوج کی سرداری قبیلہ ہوازن کے رئیس مالک بن عوف کو ملی لیکن مشیر کی حیثیت سے درید بن الصمہ کو بھی ساتھ لے لیا گیا جس کی عمر سو سال سے زائد ہو چکی تھی۔ حضور ﷺ کو اپنے مشیروں اور جاسوسوں کے ذریعے ان قبائل کی جنگی تیاروں کی اطلاع ملی آپ ﷺ نے اپنی سنت کے مطابق فوراً جوابی کاروائی کا منصوبہ بنایا۔

اس منصوبے کی خاص بات یہ تھی کہ ان قبائل کو مکہ پر حملہ کرنے کی مہلت نہ دی جائے بلکہ جنگ ان کی سرزمین پر لڑی جائے۔ آپ ﷺ نے مکہ معظمہ میں مختلف ذرائع سے اسلحہ اور رسد کی فراہمی کا انتظام کیا اور ان قبائل کی بغاوت ختم کر دینے کے لئے شوال 8 ہجری طائف کی طرف پیش قدمی کی۔ دشمن کی فوج مکہ کی طرف بڑھ رہی تھی لیکن اسلامی لشکر کی پیش قدمی کی خبر سن کر مالک بن عوف نے وادئ حنین میں جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے لشکر کو کھلے میدان میں رکھا مگر اس کی حفاظت کے لئے تیر اندازوں کو تین اطراف میں پہاڑی گھاٹیوں اور درّوں میں اس طرح چھپا دیا کہ اسلامی لشکر کو اس کا پتہ نہ چل سکا۔

صبح صادق ہوتے ہی اسلامی لشکر کے اگلے دستے نے جس میں اہل مکہ کے نومسلم جوان اور غیر مسلم حلیف شامل تھے۔ حضرت خالد بن ولید ؓ کی قیادت میں دشمن پر حملہ کر دیا۔ حضرت خالد بن ولید ؓ نے اپنے معمول کے مطابق بجلی کی

سی تیزی کے ساتھ حملہ کیا اور دشمن پر اس قدر دباؤ ڈالا کہ وہ پیچھے ہٹتا گیا۔ اسلامی لشکر کے جوان جوش میں آگے بڑھتے گئے، یہاں تک کہ تیر اندازوں کی زد میں آ گئے لیکن انہیں اس کی خبر نہیں تھی پھر غضب یہ ہوا کہ مال غنیمت نے انہیں اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ ادھر وہ مال غنیمت پر لپکے ادھر تیر اندازوں نے تین طرف سے تیروں کی بارش کر دی۔ وہ گھبرا کر بھاگے۔ اس بھگدڑ میں سارے لشکر کی صفیں درہم برہم ہو گئیں۔

قریب تھا کہ اسلامی لشکر کو شکست کا سامنا کرنا پڑے کہ آپ ﷺ کی بے مثال جرأت و ثابت قدمی نے صورت حال کو سنبھالا اور آپ ﷺ کی شاندار قیادت نے مجاہدین کے حوصلوں میں توانائی پیدا کر دی۔ آپ ﷺ نے فوراً صفوں کو درست کیا اور سب سے آگے انصار اور مہاجرین کو رکھا اور اس سے پہلے کہ دشمن حملہ کرتا آپ ﷺ نے انہیں جنگی منصوبے کے مطابق دشمن پر بھرپور حملہ کرنے کا حکم دیا۔ نعرہ تکبیر کی صداؤں میں مسلمانوں نے اس جوش اور بے جگری سے مقابلہ کیا کہ کفار اس کی تاب نہ لا سکے ان کے دلوں پر اس قدر ہیبت طاری ہو گئی کہ وہ میدان سے بھاگ اٹھے۔ اس حملے میں ان کے تیر انداز بھی بے بس ہو گئے کیونکہ مسلمان ان کی زد سے باہر تھے چنانچہ وہ بھی گھبرا کر میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگ گئے۔

دشمن کا اتحادی لشکر شکست کھانے کے بعد دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک حصہ درید بن الصمہؓ کی سرکردگی میں وادیٔ حنین ہی میں ''اوطاس'' کے مقام پر جمع ہوا اور دوسرا حصہ مالک بن عوف کی قیادت میں ''طائف'' میں پناہ گزین ہو گیا۔ آپ ﷺ نے حسب معمول تیزی اور پھرتی سے دشمن کے تعاقب کا منصوبہ بنایا۔ ''اوطاس'' پر حملے کے لئے حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں فوج بھیجی۔ درید کے پاس اگرچہ کئی ہزار کا لشکر تھا جس میں تیر انداز بھی تھے لیکن مسلمانوں کی ہیبت اور رعب کی وجہ سے ان کی ہمت جواب دے گئی تھی لہذا وہ بے دلی سے لڑے اور شکست کھائی۔ اس بار مسلمانوں نے انہیں بھاگنے کا موقع نہ دیا اور انہیں جنگی قیدی بنا لیا۔

## 6.2 محاصرہ طائف (شوال 8 ہجری)

طائف میں ایک بڑا مضبوط اور مستحکم قلعہ تھا۔ یہاں کے امراء اور رؤسا قریش کی ٹکر کے تھے۔ یہ لوگ خوشحال اور جنگجو تھے اور اپنے عہد کے جدید آلات جنگ سے واقف تھے۔ مالک بن عوف اپنی شکست خوردہ فوج لے کر اس قلعے میں محصور ہو گیا۔ اس کی فوج نے بہت جلدی قلعے کی مرمت کی۔ اس میں سال بھر کا سامان رسد جمع کیا اور چاروں طرف منجنیقیں نصب کیں اور اہم مقامات پر تیر انداز متعین کیے۔

حضور ﷺ نے اپنی قیادت میں فوج کو طائف کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔ اسلامی لشکر نے قلعہ کا محاصرہ کر کے پہلی مرتبہ قلعہ شکن آلات دبابہ اور منجنیقیں استعمال کیے لیکن اہل قلعہ ان سے اس فن میں ماہر تھے اور پھر وہ قلعے کے اوپر بلند اور محفوظ مقامات پر تھے لہٰذا وہ بروقت جوابی کاروائی کر کے حملہ آوروں کو نقصان پہنچا کر پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیتے تھے۔ محاصرہ بیس دن تک رہا۔ محصورین قلعہ سے باہر نکل کر لڑنے کی جرأت نہ کرتے تھے اور محاصرے کو طول دینا مسلمانوں کے مفاد کے خلاف تھا۔ اس لئے آپ ﷺ نے مجلس شوریٰ منعقد کی۔ صحابہ کرام ؓ نے رائے دی کہ یہ لوگ ذہنی طور پر شکست کھا چکے ہیں لہٰذا ان کا دوبارہ بغاوت کرنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ان کے کھیت اور باغ جن پر ان کی معیشت کا انحصار تھا، برباد ہو چکے ہیں؛ لہٰذا جنگ کے ذریعے انہیں مطیع کرنا زیادہ مناسب نہیں ہے۔ مشورہ معقول تھا۔ آپ ﷺ نے قبول فرمایا اور محاصرہ اٹھا لیا۔ اس موقع پر بعض صحابہ کرام ؓ نے ثقیف کو بددعا دینے کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے آسمان کی طرف دیکھا اور دعا کی :

> ''یا اللہ ! ثقیف کو ہدایت دے کہ وہ میرے پاس چلے آئیں۔ یہ دعا قبول ہوئی اور جلد ہی ثقیف کا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔''

## 6.3 مالِ غنیمت کی تقسیم

طائف سے آپ ﷺ واپس جعرانہ تشریف لائے جہاں آپ ﷺ نے مجاہدین میں مالِ غنیمت تقسیم کیا۔ آپ ﷺ کے پاس چھ ہزار کے قریب جنگی قیدی تھے۔ آپ ﷺ نے حسبِ معمول عفو و درگزر کا مظاہرہ کرتے ہوئے سب کو بلا فدیہ و شرط رہا کر دیا۔ ان جنگی قیدیوں میں آپ ﷺ کی رضاعی بہن شیما بھی تھیں۔ آپ ﷺ نے انہیں پہچان لیا اور احترام و عزت کا برتاؤ کیا۔ پھر چند اونٹ اور بکریاں عنایت فرمائیں۔ اور ان کی خواہش پر ان کے خاندان کے پاس پہنچا دیا۔

آپ ﷺ کی نظر ہمیشہ قریش کی غیر معمولی صلاحیتوں پر رہتی تھی اور آپ ﷺ چاہتے تھے کہ ان کے دلوں کو مسخر کر کے ان سے تحریکِ اسلام کو کامیاب بنانے کے لئے کام لیا جائے۔ مسلمانوں سے لڑتے رہنے اور تجارتی دشواریوں کے سبب قریش کی معاشی حالت ابتر ہو چکی تھی۔ انہیں مال و دولت دے کر ان کے دلوں کی تالیف کا یہ بہترین موقع تھا لہٰذا آپ ﷺ نے حسنِ تدبر سے اس موقع سے پورا پورا فائدہ حاصل کرنے کا فیصلہ کیا، آپ ﷺ نے مالِ غنیمت کا کثیر حصہ قریش کو عطا کیا۔

انسان بہرحال بشر ہے۔ انصار میں سے وہ لوگ جن کی نظر آپ ﷺ کی اس حکمتِ عملی پر نہ تھی، انہیں قریش پر

آپ ﷺ کی اس عطائے کثیر سے رنج پہنچا اور اپنی محرومی کا غم بھی ہوا۔ آپ ﷺ کو اس بات کی اطلاع ملی تو انصار کی غلط فہمی دُور کرنے کے لئے فوراً ان کا اجلاس بلایا۔ انصار جمع ہوئے تو آپ ﷺ نے بے مثال خطبہ دیا۔ آپ ﷺ نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا

''کیا یہ سچ ہے کہ تم پہلے گمراہ تھے اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے سے تمہیں ہدایت بخشی۔ تم منتشر تھے اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے تم میں اتحاد پیدا کیا۔ تم مفلس تھے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے سے تمہیں تونگری دی؟ آپ ﷺ کے ہر جملے پر انصار کہتے تھے۔'' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا احسان سب سے بڑھ کر ہے۔''

اچانک آپ ﷺ نے کلام کا رخ بدلا اور فرمایا:

''نہیں یہ جواب دو کہ اے محمد ﷺ! لوگوں نے جب تجھے جھٹلایا، تو ہم نے تیری تصدیق کی۔ لوگوں نے تجھے چھوڑا تو ہم نے پناہ دی۔ تو مفلوک الحال تھا ہم نے تیری ہر قسم کی مدد کی۔ فرمایا: تم یہ جواب دیتے جاؤ اور میں کہتا جاؤں گا تم سچ کہتے ہو لیکن اے انصار! کیا آپ کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بھیڑ بکریاں لے جائیں اور تم محمد ﷺ کو اپنے گھر لے جاؤ۔ انصار آپ ﷺ کے اس سوال پر تڑپ اٹھے اور بے ساختہ پکار اٹھے۔ ہمیں اور کچھ نہیں چاہیے۔ صرف محمد ﷺ چاہئیں۔ پھر آپ ﷺ نے انہیں سمجھایا کہ اہل مکہ نومسلم ہیں۔ انہیں حق کی بناء پر نہیں بلکہ تالیف قلوب کی خاطر مال دیا ہے۔ بات سچی تھی اس لئے دلوں میں اتر گئی۔''

# خود آزمائی نمبر 1

1- آنحضرت ﷺ نے مختلف بادشاہوں اور حکام کو جو خطوط لکھے، ان میں کون کون سی باتیں مشترک تھیں؟

2- نجاشی کہاں کا بادشاہ تھا؟

3- خیبر مدینے سے کتنے فاصلے پر ہے؟

4- خیبر پر حملہ کرنے والے اسلامی لشکر کی تعداد کتنی تھی؟

5- آنحضرت ﷺ نے رجیع کے مقام کو پڑاؤ کے لئے کیوں منتخب کیا؟

6- خیبر کی فتح کے لئے کس صحابی ؓ کو کمان دی گئی؟

7- موتہ کہاں واقع ہے؟

8- شرجیل کون تھا؟

9- غزوہ موتہ میں مسلمانوں کی تعداد کتنی تھی اور مقابل میں کتنا بڑا لشکر تھا؟

10- غزوہ موتہ میں جو تینوں مسلمان علمبردار شہید ہوئے، ان کے نام بتائیں۔

11- خانہ کعبہ میں قریش نے کتنے بت رکھے ہوئے تھے؟

12- مکہ معظمہ پر اسلامی قبضہ کے لئے کتنی فوج آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھی؟

13- غزوہ حنین کس کس قبیلے کے خلاف تھا؟

14- غزوہ حنین میں ابتدائی طور پر مسلمانوں کی پسپائی کا حقیقی سبب کیا تھا؟

15- طائف کا محاصرہ کتنے دن جاری رہا؟

16- طائف کے محاصرے کا کیا نتیجہ نکلا؟

17- صحیح جملوں کے سامنے ✓ اور غلط کے سامنے X لگائیں۔

(i) ابوسفیان نے ہرقل کے دربار میں حضور ﷺ کے بارے میں ہر بات سچ بتائی۔

(ii) مقوقس شام کا حکمران تھا۔

(iii) بنوقریظہ مدینہ چھوڑ کر خیبر میں آباد ہوئے تھے۔

(iv) یہود بنوغطفان سے مل کر مدینہ پر حملہ کی تیاری کر رہے تھے۔

(v) عبداللہ بن رواحہ ؓ معزز انصاری اور مشہور شاعر تھے۔

# 7- غزوۂ تبوک اور دیگر واقعات

## 7.1 غزوۂ تبوک

موتہ کی جنگ میں رومی سلطنت اپنی فوج اور جنگی وسائل کی بہت زیادہ کثرت کے باوجود مسلمانوں کے قلیل لشکر کا کچھ نہ بگاڑ سکی تھی اس لئے اہل روما اسے اپنی ذلت سمجھتے تھے۔ انہوں نے عرب کی سرحد پر اپنے باجگزار عیسائی عرب قبائل کو اسلامی مملکت پر حملہ کرنے کے لئے تیار رہنے کا حکم دیا اور خود بھی تیاریاں کرنے لگے۔ آپ ﷺ کو نبطی سوداگروں کے ذریعے ان کے منصوبے کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے اپنے دستور کے مطابق فوری طور پر جوابی کارروائی کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس منصوبے کا اہم پہلو یہ تھا کہ دشمن کو نہ تو حملہ کرنے میں پہل کرنے کا موقع دیا جائے اور نہ ہی اسے اپنی سرحد کے اندر آنے دیا جائے۔

ان دنوں عرب میں قحط پڑا ہوا تھا اور گرمی سخت تھی اس لئے سفر بہت مشکل تھا۔ فوج کا ان حالات میں دور دراز پیدل صحرائی سفر ناممکن تھا اور سب مجاہدین کے لئے سواری کا انتظام بھی نہیں ہو سکتا تھا پھر قحط کی وجہ سے رسد کی فراہمی کا مسئلہ بھی تھا۔ ایسے مشکل حالات میں حضور ﷺ نے اپنی ولولہ انگیز قیادت کی بدولت تیس ہزار مجاہدین کا لشکر تیار کیا جس میں دس ہزار سوار تھے یعنی تین مجاہدین کے حصے میں ایک گھوڑا آتا تھا جس پر وہ باری باری سوار ہوتے لیکن مجاہدوں کی ایک بڑی تعداد کے لئے سواری کا یہ انتظام بھی نہ ہو سکا۔ وہ شہادت کی سعادت سے محرومی پر روتے تھے۔ ان کے اس شوق کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بھی کیا اور انہیں اسی شوق کے بدلے جنت کی خوشخبری دی۔ اس لشکر کی تیاری میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بے مثال ایثار و قربانی کا مظاہرہ کیا۔

اہل روما کی جنگی تیاریوں کے متعلق خبر تو غلط نہ تھی لیکن اس میں مبالغہ ضرور تھا۔ رومی اور غسانی قبائل نے عرب پر حملہ کرنے کا پروگرام اس اطلاع پر بنایا تھا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کا انتقال ہو چکا ہے اور اسلامی سلطنت تباہ ہو گئی ہے۔ دوسرے قحط نے بھی عربوں کو پریشان کر رکھا تھا لیکن جب انہیں مسلمانوں کے بہت بڑے لشکر کی پیش قدمی کی اطلاعات ملیں تو وہ اس قدر مرعوب اور حیران ہوئے کہ انہیں حملہ کرنے کی جرأت ہی نہ ہوئی۔ آپ ﷺ نے تبوک کے مقام پر پڑاؤ ڈال کر بیس دن تک دشمن کا انتظار کیا لیکن انہیں مقابل آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ مسلمانوں کی یہ بہت بڑی فوجی اور سیاسی

فتح تھی۔ اس سے تحریک اسلام کو بہت فائدہ پہنچا۔ سرحدی علاقے کے کئی قبائل مرعوب ہو گئے اور انہوں نے جزیہ دینا قبول کیا۔ اس طرح اسلامی حکومت کے وسائل آمدن میں اضافہ ہو گیا۔ سرداروں نے اسلام بھی قبول کر لیا۔ اس مہم میں رسولِ خدا ﷺ پچاس دن تک مدینے سے باہر رہے اور رمضان 9 ہجری میں واپس تشریف لائے۔

## 7.2 دو اہم واقعات

اس مہم میں دو ایسے واقعات رونما ہوئے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی کیا ہے۔ ان میں ایک ''مسجد ضرار'' کا واقعہ ہے یہ مسجد منافقوں نے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے اور ان کے خلاف سازشیں کرنے کے لئے بنوائی تھی۔ آپ ﷺ اس مہم سے واپس آئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو منافقوں کے ارادہ سے آگاہ کر دیا۔ آپ ﷺ نے اس مسجد کو نذر آتش کر دیا۔

دوسرا واقعہ ان تین صحابہ کرام کا ہے جو محض سستی کی وجہ سے اس جہاد میں شرکت نہ کر سکے تھے۔ ان کے نام حضرت کعب بن مالک، حضرت ہلال بن امیہؓ اور حضرت مرارہ بن ربیع ؓ تھے۔ چونکہ یہ سچے مسلمان تھے اور جہاد اور شہادت کے آرزومند تھے اور محض سستی کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہو سکے تھے پھر انہوں نے آپ ﷺ سے سچ بولا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔

## 7.3 تاریخی اعلان

مکہ معظمہ کو بیت اللہ کی وجہ سے مرکز اسلام بننا تھا لہٰذا اسے کفر و شرک سے پاک کرنا ضروری تھا چنانچہ فتح مکہ کے ایک برس کے اندر امن و امان بحال ہو گیا اور سیاسی حالات سازگار ہوئے تو 9 ہجری میں آپ ﷺ نے حج کے موسم میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی قیادت میں تین سو مسلمانوں کی ایک جماعت مکہ روانہ فرمائی اور حضرت علی ؓ کو ایک تاریخی اعلان دے کر ساتھ روانہ کیا۔ تمام مسلمانوں نے سنت ابراہیمی کے مطابق تمام مناسک حج ادا کئے۔ قربانی کے دن حضرت ابوبکر صدیق ؓ خطبہ دے چکے تو حضرت علی ؓ نے سورہ براءۃ کی چالیس آیات تلاوت کیں۔ پھر حضور ﷺ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ آج کے بعد کوئی مشرک و کافر خانہ کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا اور نہ کوئی شخص برہنہ ہو کر حج کر سکے گا نیز وہ تمام معاہدے جو مشرکین سے طے پائے تھے ان کی خلاف ورزیوں کے سبب آج سے چار ماہ بعد منسوخ ہو جائیں گے۔

اس تاریخی اعلان سے چار عظیم مقاصد حاصل ہوئے۔

-1　حج کے متعلق سنت ابراہیمی کا طریقہ پھر سے جاری ہوا۔

-2　مکہ معظمہ کی مقدس سرزمین کفار و مشرکین سے پاک ہوگئی۔

-3　کفار بھاری تعداد میں تحریکِ اسلام میں شامل ہو گئے۔

-4　مکہ عالم اسلام کا مرکز بن گیا اور اس طرح آپ ﷺ کے مشن کی تکمیل ہوگئی۔

## 7.4 واقعہ ایلاء و تخییر

اسی سال حضور ﷺ نے اپنی ازواجِ مطہرات سے ایک ماہ تک علیحدگی اختیار کی ۔دراصل ازواجِ مطہرات نے حضور ﷺ سے گھریلو اخراجات میں کشادگی کا مطالبہ کیا تھا لیکن آپ ﷺ کی زندگی کا مقصد اس سے بہت عظیم تھا۔ازواج کے بار بار مطالبے پر آپ ﷺ نے ایلاء فرمایا۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں اختیار دیا گیا کہ اگر وہ چاہیں تو حضور ﷺ سے علیحدگی اختیار کر لیں ورنہ اسی حالت میں رہنا قبول کریں۔سبھی امہات المومنین نے حضور ﷺ کے ساتھ رہنا پسند کیا۔

## 7.5 متفرق واقعات

-1　زکوٰۃ کا حکم اس سال نازل ہوا۔

-2　سود کا لین دین حرام قرار دے دیا گیا۔

-3　نجاشی شاہ حبشہ نے وفات پائی اور حضور ﷺ نے ان کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھائی۔

# 8- حجۃ الوداع (10 ہجری)

سارے عرب میں جب اسلام پھیل چکا، بھٹکی ہوئی مخلوق راہ راست پر آ گئی، اسلام کے عقائد اور اعمال کی تکمیل ہو چکی، حکومت الٰہی کا قیام عمل میں آ چکا اور سارے عالم کی رہنمائی کے لئے ایک جماعت تیار ہو چکی، اس وقت یہ حکم نازل ہوا:

﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا○ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾ (سورہ النصر: 3-1)

"اور جب اللہ کی مدد آ چکی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ خدا کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں تو خدا کی حمد کی تسبیح پڑھو اور استغفار کرو۔ خدا توبہ قبول کرنے والا ہے۔"

اس سے حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی اس مرضی کا علم ہو گیا کہ اب آپ ﷺ اپنا کام ختم کر چکے اور دنیا میں آپ ﷺ کے رہنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس لئے حضور ﷺ نے عرب کے مسلمانوں کے سامنے خصوصاً اور ساری دنیا کے سامنے عموماً اسلام، اس کی شریعت اور اخلاق کے تمام بنیادی اصولوں کا اعلان کرنے کے لئے حج کا اعلان فرمایا۔ اس خبر کے پھیلتے ہی مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ساتھ چلنے کو تیار ہو گئی اور آپ ﷺ ذیقعد 10 ہجری کو مدینہ سے روانہ ہوئے۔ تمام ازواجِ مطہرات ساتھ تھیں۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر احرام باندھا۔ اس وقت انسانوں کے ہجوم کا یہ حال تھا کہ آگے پیچھے، دائیں بائیں جہاں تک نظر جاتی تھی، انسان ہی انسان نظر آتے تھے اور حضور ﷺ کے ساتھ سب مسلمان لبیک کی صدا لگاتے تو ان کی آواز سے سارا علاقہ گونج اٹھتا۔

مکہ کے قریب مقام سرف میں آپ ﷺ نے قیام فرمایا۔ دوسرے دن غسل کر کے مکہ میں داخل ہوئے، کعبے پر نظر پڑی تو فرمایا "اے اللہ! اس گھر کو اور زیادہ عزت و عظمت دے"۔ پھر کعبے کا طواف کرنے کے بعد مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کی اور کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کے لئے سلطنت اور تمام تعریفیں ہیں، وہ

مارتا اور زندہ کرتا ہے، وہی تمام چیزوں پر قادر ہے۔ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ اکیلا ہے۔ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے تمام قبائل کو شکست دی۔"

پھر صفا سے اتر کر مروہ تشریف لے گئے اور طواف وسعی سے فارغ ہونے کے بعد ان لوگوں کو جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں تھے، عمرہ مکمل کر کے احرام کھولنے کا حکم دیا۔ 8 ذی الحجہ کو آپ ﷺ نے منٰی میں قیام فرمایا۔

## 8.1 خطبہ حجۃ الوداع

ذی الحجہ کی 9 رتاریخ کو آپ ﷺ نے مقام عرفات میں آخری خطبہ دیا۔ جو آنے والی تمام نسل انسانی کے لئے عموماً اور مسلمانوں کے لئے خصوصاً مشعل راہ ہے۔ یہ تاریخ انسانی کا بے نظیر و بے مثل خطبہ ہے۔ اس خطبے میں نہایت جامع انداز میں اسلام کے اصولوں کو بیان کیا گیا ہے۔ جاہلی رسوم کی نفی کی گئی ہے، انسانی زندگی کے انفرادی واجتماعی، معاشرتی، معاشی، سیاسی، سماجی، فکری اور عملی پہلوؤں کو نہایت مختصر مگر موثر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ آپ ﷺ نے اسلام کے غلبہ اور شوکت کو اپنی آنکھوں سے دل بھر کر دیکھ لیا اور پورے اطمینان کے ساتھ اپنی حیات مبارکہ کے دن پورے کیے۔

آپ ﷺ نے اللہ کی حمد وثناء کرتے ہوئے خطبے کی ابتداء یوں فرمائی:

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اللہ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور اپنے بندے کی مدد کی اور اس کی ذات نے اکیلے ہی باطل کی سب قوتوں کو شکست دی۔"

لوگو! میری بات غور سے سنو، میں نہیں سمجھتا کہ آئندہ کبھی ہم اس طرح کسی مجلس میں اکٹھے ہوسکیں گے۔ لوگو! اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے کہ "اے انسانو! ہم نے تمہیں ایک ہی مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا کہ تم الگ الگ پہچانے جاسکو، تم میں زیادہ عزت وکرامت والا اللہ کی نظر میں وہ ہے جو اس سے زیادہ ڈرنے والا ہے"۔ (سورۃ حجرات: 13)

نہ کسی عرب کو عجمی پر کوئی فوقیت حاصل ہے نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر، نہ گورا کالے سے افضل ہے نہ کالا گورے سے، ہاں بزرگی کا اور فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ پرہیزگاری ہے۔

سب انسان آدم کی ہی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے۔ اب بزرگی اور برتری کے سارے دعوے، خون و مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں، بس بیت اللہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمات پہلے کی طرح باقی رہیں گی۔ پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا۔قریش کے لوگو! ایسا نہ ہو کہ اللہ کے حضور تم اس طرح آؤ کہ تمہاری گردنوں پر دنیا کا بوجھ لدا ہو اور دوسرے لوگ سامان آخرت لے کر آئیں اگر ایسا ہوا تو میں اللہ کے سامنے تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔

قریش کے لوگو! اللہ نے تمہارے جھوٹے غرور کو ختم کر دیا اور باپ دادا کے کارناموں پر تمہارے فخر کی کوئی گنجائش نہیں۔ لوگو! تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لئے حرام کر دی گئی ہیں، ان چیزوں کی اہمیت ایسی ہی ہے جیسی اس دن کی اور اس ماہ مبارک (ذی الحجہ) کی خاص کر اس شہر میں ہے، تم سب اللہ کے سامنے پیش ہو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں سوال کرے گا۔

دیکھو میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس میں ہی دنگا فساد کرنے لگو۔ اگر کسی کے پاس، امانت رکھوائی جائے تو وہ اس بات کا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت پہنچا دے۔ لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اور سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اپنے غلاموں کا ضرور خیال رکھو، انہیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو، ایسا ہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو۔

دورِ جاہلیت کی سب باتیں میں نے اپنے قدموں تلے روند دیں۔ زمانہ جاہلیت کے سب خون کے انتقام اب نہیں لئے جائیں گے۔ پہلا انتقام جسے میں ختم کرتا ہوں میرے اپنے خاندان کا ہے، ربیعہ بن حارث کے دودھ پیتے بیٹے کا خون جسے بنو ہذیل نے مار ڈالا تھا، اب میں معاف کرتا ہوں۔ دور جاہلیت کے سود کی بھی کوئی حیثیت نہیں پہلا سود جسے میں چھوڑتا ہوں عباس بن عبدالمطلب کے خاندان کا سود ہے، اب یہ ختم ہو گیا۔

لوگو! اللہ نے ہر حق دار کو اس کا حق خود دے دیا ہے۔ اب کوئی کسی وارث کے حق میں وصیت نہ کرے۔

بچہ اسی کی طرف منسوب کیا جائے گا جس کے بستر پر پیدا ہو، جس پر حرام کاری ثابت ہو اس کی سزا پتھر ہے۔ حساب کتاب اللہ کے ہاں ہوگا۔

جو کوئی اپنا نسب بدلے گا یا کوئی غلام اپنے آقا کے مقابلے میں کسی اور کو اپنا آقا ظاہر کرے گا اس پر اللہ کی لعنت۔

قرض کی ادائیگی ضروری ہے، ادھار لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہیے، تحفے کا بدلہ دینا اچھا ہے، اور جو کوئی کسی کا ضامن بنے وہ جرمانہ ادا کرے۔ کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنے بھائی کی مرضی کے بغیر اس کے مال میں سے کچھ لے۔ خود پر اور ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو۔

عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی اجازت کے بغیر کسی کو دے۔

دیکھو! تمہارے اوپر تمہاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں۔ اسی طرح ان پر تمہارے حقوق واجب ہیں۔ عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ اپنے پاس کسی ایسے شخص کو نہ بلائیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو اور وہ کوئی خیانت نہ کریں، کوئی کام کھلی بے حیائی کا نہ کریں، اگر وہ ایسا کریں تو خدا کی طرف سے تمہیں اجازت ہے کہ انہیں سزا دو، اور وہ باز آجائیں تو انہیں اچھی طرح کھلاؤ پہناؤ، عورتوں سے بہتر سلوک کرو کیونکہ وہ تمہاری پابند ہیں، اور وہ خود اپنے لئے کچھ نہیں کرسکتیں۔ ان کے بارے میں اللہ کا لحاظ رکھو کہ تم نے انہیں اللہ کے نام پر حاصل کیا، اور اسی کے نام پر وہ تمہارے لئے حلال ہوئیں۔ لوگو! میری بات سمجھ لو، میں نے حق تبلیغ ادا کردیا۔

میں تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر اس پر قائم رہے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے اور وہ اللہ کی کتاب ہے۔ اور دیکھو! دینی معاملات میں زیادتی سے بچنا کہ تم سے پہلے گروہ انہی باتوں کے سبب ہلاک ہوگئے۔

شیطان کو اب اس بات کی توقع نہیں رہی کہ اب اس کی اس شہر میں عبادت کی جائے گی لیکن اس بات کا امکان ہے کہ ایسے معاملات میں جنھیں تم کم اہمیت دیتے ہو۔ اس کی بات مان لی جائے اور وہ اس پر راضی ہے۔ اس لئے تم اس سے اپنے دین وایمان کی حفاظت کرنا۔

لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو، پانچ وقت کی نماز ادا کرو۔ مہینے بھر کے روزے رکھو اور اپنے مال کی زکوٰۃ خوشی سے ادا کیا کرو۔ اپنے اللہ کے گھر کا حج کرو اور اپنے صاحب اختیار لوگوں کی اطاعت کرو تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

اب مجرم خود اپنے جرم کا ذمہ دار ہوگا، نہ باپ کے بدلے بیٹا پکڑا جائے گا اور نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا۔

سنو! جو لوگ یہاں موجود ہیں انہیں چاہیے کہ یہ احکام اور باتیں ان لوگوں کو بتا دیں جو یہاں نہیں ہیں، ہوسکتا ہے کہ کوئی غیر موجود تم سے زیادہ سمجھنے اور یاد رکھنے والا ہو۔

اور لوگو! تم سے میرے بارے میں اللہ کے ہاں سوال کیا جائے گا بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ ہم اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپ ﷺ نے دین کی امانت پہنچا دی اور رسالت کا حق ادا کر دیا، اور ہماری خیر خواہی فرمائی۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے اپنی انگشت شہادت آسمان کی جانب بڑھائی اور لوگوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ ارشاد فرمایا: ''اے اللہ گواہ رہنا، تیرے بندے کیا کہہ رہے ہیں۔ اللہ گواہ رہنا۔ اللہ گواہ رہنا''۔

عزیز طلبہ! آپ نے ابھی خطبہ الوداع کو پڑھا ہوگا۔ یہ خطبہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا نچوڑ ہے اور اس میں اسلام کی تعلیمات کو اختصار سے سمو دیا گیا ہے۔ ہم آپ کی سہولت کے لئے ذیل میں اس خطبے کا خلاصہ بیان کر رہے ہیں۔

## 8.2 خطبے کی نمایاں باتیں

(1) انسانی مساوات کا درس، کہ نسلی، جغرافیائی اور زبان کے امتیازات کے مقابلے میں ہر انسان کی فضیلت اس کے اعمال پر ہے۔

(2) جاہلی رسوم کی نفی۔

(3) انسان پر انسانیت کا خون اور اس پر ظلم ہمیشہ کے لئے حرام ہے اور مسلمانوں کی سب سے بڑی گمراہی آپس کا دنگا فساد ہے۔

(4) امانت کا احترام اور اس کی واپسی ضروری ہے۔

(5) ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اس لئے آپس میں بھائیوں جیسا سلوک کرنا چاہیے۔

(6) جاہلیت کے باہمی انتقام اور دشمنیاں آج سے ختم ہیں۔ اب انہیں کوئی یاد نہ کرے، اور ایک دوسرے پر تمام غیر قانونی واجبات (ادائیگیاں) بھی اسی کے ساتھ ختم ہیں۔

(7) قانون وراثت کے تعین کے بعد کوئی اپنے قانونی وارث کے لئے وصیت نہ کرے۔

(8) ازدواجی رشتہ بچے کی نسبت ثابت کرنے کے لئے قانونی حیثیت رکھتا ہے اس لئے اس کو کوئی دوسرا چیلنج نہیں کر سکتا۔

(9) اپنے خاندان کو چھوڑ کر دوسروں سے تعلق ظاہر کرنا لعنت خداوندی کا باعث ہے۔

(10) اپنے معاملات میں دیانت، عزتِ نفس اور رواداری کا خیال رکھا جائے، اور افراد کو باہمی لین دین میں ایک دوسرے کی خوشی کا لحاظ رکھنا چاہیے۔

(11) ازدواجی رشتے سے میاں بیوی ایک دوسرے کی جائیداد کے مالک نہیں بن جاتے اس لئے ایک دوسرے کے حقوق کا احترام ضروری ہے۔ عورت کے لئے ضروری ہے کہ مرد کی غیرت کا خیال رکھے اور مردوں کو حکم دیا کہ عورتوں سے بہتر سلوک اور احسان کریں۔ نکاح اللہ کی جانب سے ایک امانت ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا حق بھی شامل ہے۔

(12) میرے بعد رہنمائی کتاب اللہ سے حاصل کرو اور دین میں زیادتی سے بچنا۔

(13) انسان اچانک گمراہ نہیں ہو جاتا۔ گمراہی کی ابتداء چند ایسی باتوں سے ہوتی ہے جو شروع میں اہم نظر نہیں آتیں مگر آخر کار شدید بے راہ روی کا باعث بنتی ہیں۔

(14) دینِ اسلام کی بدنی اور مالی عبادات کی پابندی کرنا اور صاحبِ اختیار لوگوں کی اطاعت تم پر واجب ہے۔

(15) مجرم اپنے جرم کا خود ذمہ دار ہے۔

(16) جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ آنے والی نسلوں کو میرا پیغام پہنچاتے رہیں۔

## 8.3 خطبے پر تبصرہ

حضور ﷺ کا آخری خطبہ کئی حیثیتوں سے غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ ایک تو اس لئے کہ حضور ﷺ نے مسلمانوں کے سب سے بڑے دینی اجتماع سے خطاب فرمایا اور ایسے دور میں فرمایا جب کہ آپ ﷺ کا پیش کردہ کلمۂ حق تناور درخت بن گیا تھا۔ دوسرا اس لئے کہ حضور ﷺ کی فراستِ نبوت سمجھ رہی تھی کہ اتنی بڑی تعداد میں مسلمانوں سے خطاب کا یہ آخری موقع ہے اس لئے گویا الوداعی وصیتیں فرمائیں جن کا ہر ہر لفظ بیش قیمت ہے۔ ایک اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ دعوت و تبلیغ کے کام کے اس تکمیلی مرحلے پر آجانے کے بعد یہی موقع تھا کہ پیغمبر انسانیت کی طرف سے انسانیت کے نام کوئی پیغام اور کوئی منشور دیا جائے۔ سو آپ ﷺ نے اس فریضے کو بہت خوبی سے ادا کیا۔ یہ خطبہ حضور ﷺ کے کمالِ خطابت اور شانِ فصاحت کا بہترین نمونہ بھی ہے اور اس کے ذریعے سے آپ ﷺ کی مقدس شخصیت کی عظمت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

بین الانسانی منشور ہونے کے لحاظ سے اس خطبے میں آپ ﷺ نے جو کچھ فرمادیا انسانی کاوشیں اس سے آگے کچھ نہیں سوچ سکیں بلکہ کوئی دوسرا نظام تمدن وہ معیار انسانیت عملاً پیدا نہیں کرسکا جو اس منشور میں دیا گیا ہے۔

اسلامی ریاست کی تشکیل جب کبھی اور جہاں کہیں بھی کی جائے گی اس کی بنیادیں بہر حال انہی اٹل نظریات و تصورات پر رکھی جائیں گی۔ یہ منشور اسلام کا بنیادی منشور ہے اور اس کی طرف انسانیت کو بلانا چاہیے۔ ان کلمات سے ہٹ کر جو نقشہ بھی بنایا جائے گا وہ غیر اسلامی ہوگا۔ یہ منشور ایک کسوٹی ہے جس پر ہم مسلمان اپنی ہر قیادت کے کارنامے پرکھ سکتے ہیں اور اپنی حکومت کے اقدامات کو جانچ سکتے ہیں۔ یہ منشور آئینہ ہے جس میں ہمیں اپنے چہرے بھی دکھائی دے سکتے ہیں اور جس میں ہم غیر اسلامی تمدنوں کی حقیقت کا عکس بھی دیکھ سکتے ہیں۔

یہ ہمارے محبوب نبی ﷺ کا آخری پیغام ہے۔ اس میں ہم ہی مخاطب بنائے گئے ہیں۔ اس کی نوعیت آپ ﷺ کی وصیت کی سی ہے۔ اس کے ایک ایک بول پر حضور ﷺ نے درد بھرے انداز میں آواز بلند کی ہے کہ میں نے بات پہنچا دی ہے۔ چاہیے کہ اسے پڑھ کر ہماری روحیں تڑپ جائیں۔ ہمارے جذبے جاگ اٹھیں اور ہم اپنی اب تک کی روش پر نادم ہو کر محسنِ انسانیت کا دامن تھام لیں۔ اس مشن کو آگے لے کر بڑھیں جس کی کامیابی کے لئے حضور ﷺ نے وہ تکالیف برداشت کیں کہ اتنے بڑے صبر اور حلم کی مثال نہیں ملتی۔

# 9- جیشِ اُسامہ کی روانگی اور وصالِ نبویﷺ

## 9.1 جیشِ اُسامہ بن زیدؓ

رسولِ اکرمﷺ کے حجۃ الوداع کے موقع تک عرب کا اکثر حصہ مسلمان ہو چکا تھا لیکن عرب کے شمالی حصے یعنی شام اور روم میں ابھی تک عیسائی سلطنت تھی ان کی طرف سے ہر وقت خدشہ رہتا تھا کہ کہیں سر نہ اٹھائیں اور موتہ کی طرح پھر مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیں۔ روم اور شام کے عیسائیوں کے ذمہ ابھی تک حضرت زید بن حارثہ، جعفر طیار اور عبداللہ بن رواحہؓ جیسے صحابہ کرام کا قصاص بھی تھا اس لئے مسلمانوں کی حجۃ الوداع سے واپسی پر زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ رسول اللہﷺ نے شام پر چڑھائی کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ فوج کو جمع ہونے کا حکم جاری فرمایا۔

اس فوج میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروقؓ جیسے بلند پایہ صحابی بھی تھے لیکن لشکر کی سپہ سالاری اسامہ بن زیدؓ کو عطا ہوئی جن کی عمر بمشکل پچیس برس تھی۔ حضورﷺ نے حضرت اسامہؓ کو بطور سپہ سالار ہدایات بھی کیں اور یہ بھی فرمایا کہ فتح ہونے کے بعد وہاں پڑے رہنے کی بجائے نصرت اور غنیمت کی بشارت کے ساتھ مدینہ جلدی لوٹ آئیں۔ حضرت اسامہؓ نے فوج کی کمان سنبھالی۔ مدینہ سے باہر مقام جرف پر فوجوں کی دیکھ بھال کر رہے تھے کہ اچانک رسول اللہﷺ کی شدید علالت کی اطلاع پہنچی جس کی وجہ سے روانگی میں خلل پیدا ہوا اور یہ جماعت فوراً روانہ نہ ہو سکی۔

## 9.2 رسول پاکﷺ کی علالت اور وصال

رسول پاکﷺ کی بعثت کا مقصد پورا ہو چکا تھا اس لئے حجۃ الوداع ہی میں آپﷺ نے مسلمانوں کو الوداع کہا اور مدینہ تشریف لانے کے بعد "رفیقِ اعلیٰ" سے ملنے کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے اور آپﷺ کا زیادہ وقت تسبیح میں گزرنے لگا۔ شہدائے احد نے بڑی بے کسی سے جان دی تھی، اس کا حضورﷺ کے دل پر بہت اثر تھا اس لئے ایک دن آپﷺ ان کی قبروں پر تشریف لے گئے اور ان سے اس طرح رخصت ہوئے جس طرح دنیا سے جانے والا اپنے اعزہ کو الوداع کہتا ہے۔

پھر 18 یا 19 صفر 11ھ کو آپﷺ جنت البقیع تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپس ہوئے تو مزاج ناساز ہو گیا۔ بیماری کی حالت میں بھی آپؐ ازراہ عدل ازواج مطہرات کے گھروں پر بسر فرماتے تھے۔ جب بیماری کی شدت میں اضافہ ہوا

تو ازواج مطہرات سے اجازت لے کر حضرت عائشہ کے گھر تشریف لے گئے۔ کمزوری اس قدر بڑھ گئی تھی کہ چلا نہیں جاتا تھا۔ حضرت علی اور حضرت عباسؓ دونوں بازو تھام کر بمشکل حضرت عائشہ کے حجرے میں لائے۔

آپ ﷺ میں جب تک قوت تھی آپ ﷺ مسجد میں نماز پڑھنے کی غرض سے تشریف لاتے رہے۔ سب سے آخری نماز جو آپ ﷺ نے پڑھائی وہ مغرب کی نماز تھی۔ سر میں درد تھا، اس لئے رومال باندھ کر تشریف لائے اور نماز ادا کی۔ عشاء کا وقت آیا تو دریافت فرمایا کہ نماز ہو چکی؟ لوگوں نے عرض کیا کہ سب کو حضور ﷺ کا انتظار ہے۔ آپ ﷺ نے اٹھنا چاہا تو غش آ گیا۔ افاقے کے بعد پھر فرمایا کہ نماز ہو چکی؟ لوگوں نے پھر وہی جواب دیا، تیسری بار پھر ایسا ہوا۔ اب حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابو بکر صدیقؓ نماز پڑھائیں، پھر کئی دن تک حضرت ابو بکرؓ نے نماز پڑھائی۔

وصال سے چار دن پہلے ظہر کی نماز کے وقت آپ ﷺ کی طبیعت کچھ سکون پذیر ہوئی۔ آپ ﷺ نے غسل فرمایا اور حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ تھام کر مسجد میں لائے۔ جماعت کھڑی ہو چکی تھی اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ آہٹ پا کر حضرت ابو بکر صدیقؓ پیچھے ہٹے لیکن آپ ﷺ نے اشارہ سے منع کر دیا اور ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت ابو بکرؓ کو دیکھ کر اور لوگ نماز ادا کرتے جاتے تھے۔ نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا جو آپ ﷺ کی زندگی کا سب سے آخری خطبہ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا

> ''اللہ نے اپنے ایک بندے کو اختیار عطا فرمایا ہے کہ خواہ دنیا کی نعمتوں کو قبول کرے یا اللہ کے پاس جو کچھ ہے اس کو قبول کرے لیکن اس نے اللہ کے پاس کی چیزیں قبول کیں۔''

پھر فرمایا:

> ''سب سے زیادہ میں جس کی دولت اور محبت کا ممنون ہوں وہ ابو بکرؓ ہیں۔ اگر میں دنیا میں کسی کو اپنی امت میں سے اپنا دوست بنا سکتا تو ابو بکرؓ کو بناتا۔ لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لئے کافی ہے، مسجد کے رخ کوئی دریچہ ابو بکرؓ کے دریچے کے سوا باقی نہ رکھا جائے، تم سے پہلی قوموں نے اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا ہے، دیکھو تم ایسا نہ کرنا۔ میں منع کرتا ہوں۔''

آپ ﷺ کو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے بے حد محبت تھی، اثنائے علالت تشریف لائیں تو ان سے کان میں کچھ باتیں کیں، وہ رونے لگیں پھر بلا کر کچھ کہا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا خوش ہوئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا سے دریافت

کیا تو فرمایا کہ پہلی مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اسی مرض میں انتقال کروں گا۔ جب میں رونے لگی تو فرمایا کہ میرے خاندان میں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے آ کر ملوگی، اس پر میں ہنسنے لگی۔

اسی کرب اور بے چینی میں یاد آیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں، دریافت فرمایا کہ عائشہ! وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ جاؤ! ان کو اللہ کی راہ میں خیرات کر دو۔

جس دن آپ ﷺ کی وفات ہوئی بظاہر سکون تھا، حجرہ مبارک مسجد سے ملا ہوا تھا، آپ ﷺ نے پردہ اٹھا کر دیکھا تو لوگ فجر کی نماز پڑھنے میں مشغول تھے، دیکھ کر مسرت سے ہنس پڑے، لوگوں نے آہٹ پا کر خیال کیا کہ آپ ﷺ باہر آنا چاہتے ہیں۔ خوشی سے سب لوگ بے قابو ہو گئے اور قریب تھا کہ نمازیں ٹوٹ جاتیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جو امامت کروا رہے تھے انہوں نے پیچھے ہٹنا چاہا لیکن آپ ﷺ نے اشارے سے روکا اور حجرے میں داخل ہو کر پردہ ڈال دیا، یہ سب سے آخری موقع تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کی زیارت کی۔

دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا، آپ ﷺ پر بار بار غشی طاری ہوتی تھی اور پھر افاقہ ہو جاتا تھا۔ حضرت فاطمہؓ پریشان ہوئیں تو فرمایا کہ تمہارا باپ آج کے بعد بے چین نہیں ہوگا۔ وفات سے کچھ پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سینے پر ٹیک لگائے لیٹے تھے، عبدالرحمٰن کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ آپ ﷺ نے مسواک کی طرف غور سے دیکھا تو حضرت عائشہ سمجھ گئیں کہ آپ ﷺ مسواک چاہتے ہیں۔

انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن کے ہاتھ سے مسواک لے کر دانتوں سے نرم کی اور خدمت میں پیش کی۔ آپ ﷺ نے بالکل صحتمند کی طرح مسواک کی، آپ ﷺ کی وفات کا وقت قریب تھا، سینے میں سانس کی گھڑگھڑاہٹ محسوس ہوئی، اتنے میں لب مبارک ہلے تو لوگوں نے یہ الفاظ سنے۔ ''نماز اور غلام''۔ پاس ہی پانی کا برتن رکھا تھا، اس میں بار بار ہاتھ ڈالتے اور چہرہ پر ملتے، چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے اور کبھی ہٹا دیتے تھے، اتنے میں ہاتھ اٹھا کر انگلی سے اشارہ کیا اور تین مرتبہ فرمایا:

> ''بل الرفیق الاعلی'' اب اور کوئی نہیں بلکہ وہ بڑا رفیق درکار ہے۔ یہی کہتے کہتے روح پاک عالم قدس میں پہنچ گئی''۔

## 9.3 تجہیز و تکفین

تجہیز و تکفین کا کام آپ ﷺ کی وفات کے دوسرے دن ہوا۔ اس کے متعدد اسباب تھے:

1- عقیدت مندوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ آپ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی جوش میں تھے، اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دے کر لوگوں کو یقین دلایا کہ حضور ﷺ کی وفات یقینی چیز تھی۔

2- قبر کھودنے کا کام غسل وکفن کے بعد شروع ہوا اس لئے دیر ہوئی۔

3- جس حجرے میں آپ ﷺ نے وفات پائی تھی، وہیں لوگ تھوڑی تھوڑی تعداد میں جاتے اور نماز جنازہ ادا کرتے تھے اس لئے بھی دیر ہوگئی۔

آپ ﷺ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غسل دیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی موقع پر موجود تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے دو صاحبزادے جسم مبارک کی کروٹیں بدلتے تھے اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اوپر سے پانی ڈالتے تھے۔ پھر آپ ﷺ کو تین سوتی چادروں میں کفن دیا گیا۔

غسل وکفن کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ آپ ﷺ کو دفن کہاں کیا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا نبی جس مقام پر وفات پاتا ہے، وہیں دفن بھی ہوتا ہے اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں ہی قبر کھودنا تجویز ہوا، پھر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے قبر کھودی اور جسم مبارک کو حضرت علی، فضل بن عباس، اسامہ بن زید اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہم نے قبر میں اتارا۔

اس طرح 63 برس تک یہ چاند اپنے نور سے دنیا بھر سے جہالت کی ظلمتوں کو مٹانے کے بعد پردہ پوش ہوگیا۔

## خود آزمائی نمبر 2

1- غزوہ تبوک کے لئے مسلمانوں کے لشکر کی تعداد کیا تھی؟

2- مسجد ضرار سے کیا مراد ہے؟ یہ کہاں واقع تھی؟

3- حضور ﷺ سے ازواجِ مطہرات کا مطالبہ کیا تھا؟

4- حجۃ الوداع سے کیا مراد ہے؟

5- سورۃ النصر میں کس بات کی طرف اشارہ تھا؟

6- حضور ﷺ نے کس بادشاہ کی غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی؟

7- آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو خطبہ دیا تھا اس کے اہم نکات دہرائیے۔

8- حضور ﷺ نے اپنی بیماری کے دنوں میں نمازوں کا امام کسے مقرر فرمایا؟

9- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کس صحابی کے ہاتھ سے مسواک لے کر آپ ﷺ کو دی؟

10- حضور ﷺ نے اپنی علالت سے قبل کون سا لشکر روانہ فرمایا؟

11- آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک پر آخری الفاظ کیا تھے؟

12- حضور ﷺ کو کس نے غسل دیا؟

13- کس صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی قبر کھودی؟

14- حضور ﷺ کو قبر میں کن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اتارا؟

15- صحیح جواب کا انتخاب کریں۔

(i) حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کی تعداد ------- تھی۔ (ایک لاکھ۔ ڈیڑھ لاکھ۔ سوا لاکھ)

(ii) جو تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ذاتی مصروفیات کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شامل نہ ہو سکے ان کے نام ----------- تھے۔

(کعب بن مالک ، عبداللہ بن رواحہ ، زید بن ثابت ، بلال بن امیہ ، مرارہ بن ربیع)

(iii) حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو جب سپہ سالار بنایا گیا ان کی عمر ------------ تھی۔

(سترہ برس ، بیس برس ، پچیس برس)

(iv) حضور ﷺ کا وصال ---------- کے روز ہوا۔ (پیر ۔ جمعرات ۔ جمعہ)

# 10- جوابات

## خود آزمائی نمبر 1

-1 توحید کی دعوت اور شرک اور اعمال بد سے باز رہنے کی تلقین۔

-2 حبشہ کا۔

-3 تقریباً دو سو میل کے فاصلے پر۔

-4 1600

-5 تاکہ غطفان سے خیبر جانے والی شاہراہ کو کاٹ کر ادھر سے یہود کی کمک کا راستہ بند کر دیا جائے۔

-6 حضرت علی ؓ کو۔

-7 شام میں۔

-8 شام کے سرحدی علاقے کا ایک رئیس تھا۔

-9 مسلمان تین ہزار اور مقابل ایک لاکھ تھے۔

-10 حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفر طیار اور حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ۔

-11 360

-12 دس ہزار۔

-13 قبیلہ بنو ہوازن اور ثقیف۔

-14 بعض مسلمانوں نے اپنی کثرت و تعداد پر فخر کا اظہار کیا تھا۔

-15 بیس دن

-16 آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کے مشورے سے محاصرہ اٹھالیا۔

-17 (1) ✓ (2) ☒ (3) ☒
(4) ✓ (5) ✓

## خود آزمائی نمبر 2

-1 تیس ہزار

-2 منافقین نے مسجد کے نام سے سازشوں کا ایک اڈہ بنایا تھا۔ یہ جگہ مدینہ میں تھی۔

-3 گھریلو اخراجات کے لئے زیادہ رقم کا مطالبہ۔

-4 آنحضرت ﷺ کا آخری حج جس میں آپ ﷺ نے امت کو وصیتیں کیں۔

-5 آنحضرت ﷺ کی وفات کی طرف

-6 نجاشی، شاہ حبشہ کی

-7 دیکھئے 8.2,8.1

-8 حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو

-9 حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر ؓ سے

-10 لشکرِ اسامہ ؓ

-11 نماز اور غلام۔ نماز اور غلام

-12 حضرت علی ؓ نے

-13 حضرت ابوطلحہ ؓ نے

-14 حضرت علی، فضل بن عباس، اسامہ بن زید اور عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے

-15 (1) سوا لاکھ (2) کعب بن مالک، بلال بن امیہ، مرارہ بن ربیع

(3) پچیس برس (4) پیر

یونٹ نمبر......5

# اطاعتِ رسول ﷺ

تحریر: مسز شمیم چیمہ

نظر ثانی: ڈاکٹر شاہ معین الدین ہاشمی

محمد رفیق صادق

# فہرستِ مضامین


| | |
|---|---|
| یونٹ کا تعارف | 199 |
| یونٹ کے مقاصد | 199 |
| 1- سیرتِ رسولِ اکرم ﷺ کی جامعیت | 200 |
| 1.1 کائنات میں مقدس ترین فریضہ | 200 |
| 1.2 اتباع کے تقاضے | 201 |
| 1.3 اتباع رسول ﷺ ۔ قرآنِ حکیم کا حکم | 202 |
| 1.4 غیر مسلموں کے لیے اسوۂ حسنہ | 202 |
| 1.5 جامعیتِ سیرت | 203 |
| 1.6 اطاعتِ رسول واجب ہے | 203 |
| خود آزمائی نمبر 1 | 207 |
| 2- اطاعتِ رسول ﷺ | 209 |
| 2.1 اطاعتِ رسول کا مفہوم | 209 |
| 2.2 اطاعت کی بنیاد ۔ رسول ﷺ پر ایمان | 209 |
| 3- اطاعتِ رسول ﷺ کی اہمیت | 211 |
| 3.1 اطاعتِ رسول ﷺ: مقصدِ رسالت | 211 |

| | |
|---|---|
| 3.2 اطاعتِ رسول ﷺ دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت | 212 |
| 3.3 اطاعتِ رسول ﷺ محبت الٰہی کی بنیاد | 214 |
| 3.4 اطاعتِ رسول ﷺ خشیت الٰہی اور تقویٰ کی بنیاد اور ذریعہ کامرانی | 216 |
| خود آزمائی نمبر 2 | 219 |
| 4- رسولِ اکرم ﷺ کی مختلف حیثیتیں اور اتباع کا حکم | 220 |
| 4.1 اتباعِ رسول ﷺ بحیثیت معلم و مربی | 220 |
| 4.2 اتباعِ رسول ﷺ بحیثیت پیشوا و نمونہ تقلید | 222 |
| 4.3 اتباعِ رسول ﷺ بحیثیت شارع | 222 |
| 4.4 اتباعِ رسول ﷺ بحیثیت قاضی و منصف | 223 |
| 4.5 اتباعِ رسول ﷺ بحیثیت حاکم و فرماں روا | 225 |
| 5- تعظیم و توقیر رسول ﷺ | 227 |
| خود آزمائی نمبر 3 | 230 |
| 6- جوابات | 231 |

# یونٹ کا تعارف

اللہ رب العزت نے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے صرف الہامی کتابیں نہیں نازل کیں بلکہ کتابوں کے ساتھ انبیاء کرام بھی بھیجے جو ان کتابوں کا مطلب اور مفہوم لوگوں کو سمجھاتے اور خود ان پر عمل کر کے دوسرے لوگوں کے لیے نمونۂ عمل بنتے۔

زندہ انسانوں کی رہنمائی کے لیے یہ ضروری تھا کہ انہی کی طرح کا ایک مثالی انسان پیدا کیا جائے جس کی تمام ضرورتیں اور تقاضے عام انسانوں کی طرح ہوں لیکن وہ اپنی زندگی کا ایک ایک لحہ خدائی ہدایت کے مطابق گزار کر اپنی ضرورتیں اور تقاضے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے اندر پورا کر کے دوسرے لوگوں کے لیے مثال قائم کرے۔

اللہ تعالیٰ نے اس امر کا التزام کیا ہے کہ کوئی کتاب بغیر کسی نبی اور رسول کے نہیں بھیجی۔ اللہ تعالیٰ نے کئی انبیاء صرف پہلے سے نازل شدہ کتابوں کی تعلیم عام کرنے کے لیے مبعوث فرمائے اور کتاب کی اتباع کے لئے انہیں نمونہ عمل بنایا۔

انبیاء کی بعثت کا مقصد اللہ تعالیٰ نے خود بتایا ہے کہ

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾(النسآء:64)

''ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر صرف اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے''۔

اللہ تعالیٰ نے جب دُنیا پر اپنی نعمت مکمل کرتے ہوئے آخری رسول حضرت محمد ﷺ کو مبعوث کیا تو آپ کی ذاتِ ستودہ صفات کو ایسا جامع اور کامل بنایا کہ قیامت تک کے تمام انسان آپ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کر سکیں اور پھر بار بار آپ ﷺ کی اطاعت کی تاکید کی۔

مسلمانوں کو آنحضرت ﷺ کی سیرتِ طیبہ اور احادیث سے جو بے پناہ شغف رہا ہے، اس کا سبب بھی یہی ہے کہ آپ کا ہر قول و فعل، ہر ادا اور ارشاد واجبِ اتباع ہے۔

زیرِ نظر یونٹ میں ہم اس موضوع ''اطاعتِ رسول ﷺ'' کا مطالعہ کریں گے۔

# یونٹ کے مقاصد

ہمیں اُمید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1- سنت رسولﷺ کی جامعیت پر اظہارِ خیال کرسکیں اور اصلاحِ اخلاق کے لیے نمونہ عمل کی ضرورت اور اتباع کے لازمی تقاضوں پر روشنی ڈال سکیں۔

2- اطاعتِ رسولﷺ کا مفہوم اور اطاعت و ایمان کے باہمی تعلق پر بحث کرسکیں۔

3- قرآنِ مجید کی روشنی میں اطاعتِ رسولﷺ کی اہمیت واضح کرسکیں۔

4- نبی اکرمﷺ کی مختلف حیثیتوں مثلاً بحیثیت معلم و مربی، پیشوا و نمونہ تقلید، شارع و شارح، قاضی و منصف اور حاکم و فرماں روا کی نشان دہی کر کے ہر حیثیت میں آپﷺ کی اطاعت کے واجب ہونے کے دلائل دے سکیں۔

5- قرآنِ حکیم نے مسلمانوں کو آنحضرتﷺ کی ذات اور آپﷺ کی تعلیمات کے سلسلے میں جن آداب کو ملحوظ رکھنے کا حکم دیا ہے، انہیں اپنے الفاظ میں قلم بند کرسکیں۔

# 1- سیرتِ رسولِ اکرم ﷺ کی جامعیت

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو اس لیے مبعوث فرمایا تا کہ لوگ آپ کی اطاعت اور اتباع کریں۔ اتباع کا یہ حکم کسی وقت، زمانے، قوم یا کسی ملک کے ساتھ خاص نہیں بلکہ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کو آپ کی اطاعت کا حکم دیا گیا۔ اس طرح کی غیر مشروط اطاعت کے حکم کے ساتھ ضروری تھا کہ آپ ﷺ کی سیرت ہر اعتبار سے کامل اور جامع ہو اور آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ تاریخی طور پر محفوظ ہو اور آپ کی حیاتِ طیبہ میں ہر طرح کے انسانوں کے لیے عملی نمونے موجود ہوں چنانچہ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ ان تمام تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔

## 1.1 کائنات میں مقدس ترین فریضہ

کائنات کا سب سے مقدم فرض اور سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ انسانی اخلاق کی اصلاح و تکمیل کی جائے۔ یعنی لوگوں کو اچھے اخلاق کی تعلیم دی جائے اور انہیں عملی طور پر رائج کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس مقصد کے حصول کا طریقہ وعظ و نصیحت ہے۔ یا پھر فن اخلاق پر کتابیں لکھ کر ان کی تعلیم دی جائے یا پھر لوگوں سے بالجبر محاسن اخلاق کی تکمیل کرائی جائے اور رزائل (برے کاموں) سے روکا جائے۔

یہی طریقے جو ابتداء سے آج تک دُنیا میں جاری رہے اور موجودہ ترقی یافتہ دور میں بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا جا سکتا لیکن سب سے زیادہ صحیح، سب سے زیادہ کامل اور سب سے زیادہ عملی طریقہ یہ ہے کہ نہ زبان سے کچھ کہا جائے نہ تحریری نقوش پیش کیے جائیں اور نہ جبر و تشدد سے کام لیا جائے بلکہ فضائل اخلاق کا ایسا پیکر مجسم سامنے آ جائے جو خود ہمہ تن آئینہ عمل ہو۔ جس کی ہر جنبش لب ہزاروں تصنیفات کا کام دے اور جس کا ایک ایک اشارہ امر سلطانی بن جائے۔ دُنیا میں آج اخلاق کا جو سرمایہ ہے وہ سب انہی نفوس قدسیہ کا پرتو ہے، دیگر اسباب صرف ایوانِ تمدن کے نقش و نگار ہیں۔ اس سلسلے میں قرآنِ کریم نے حضور ﷺ کے طرز زندگی کو بہترین نمونہ عمل قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول اور اس کی طرف سے بخشش کا انحصار رسول کریم ﷺ کے اتباع پر ہے۔ مسلمان جب کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا ہے تو وہ دراصل اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ وہ زندگی میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت یعنی اطاعت و بندگی کرے گا اور پھر اطاعت و بندگی کا وہی طرز اختیار کرے گا جو رسول اللہ ﷺ نے اختیار فرمایا۔

## 1.2 اتباع کے تقاضے

اب ظاہر ہے کہ اتباع اس چیز کا ہوسکتا ہے جس سے واقفیت بھی ہو اس لیے آپ ﷺ کے طرزِ زندگی یعنی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ دراصل انسانی ضرورت ہے۔ انسان کی زندگی میں مختلف النوع حالات پیش آتے ہیں۔ مثلاً کبھی وہ خوشحال ہوتا ہے اور کبھی مفلس۔ کبھی فرمانروا اور کبھی اطاعت گزار۔ کبھی کسی سے دوستانہ تعلقات ہوتے ہیں تو کبھی کسی کی دُشمنی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کبھی صحت وقوت ہے تو کبھی بیماری کا سامنا، کہیں حکومت و جماعت کا منتظم اور کہیں نادانوں کا معلم۔ پھر یہ انسان ہی تو ہے جو کبھی فوج کا کمانڈر ہے اور کبھی جج بن کر عدل کے تقاضوں کو پورا کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

بہر کیف صورت حال کوئی بھی ہو، قدرتی طور پر انسان کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اس سے کامیابی کے ساتھ نمٹنے کے لیے کیا روّیہ اختیار کرے۔ دیگر لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ بطور نمونہ عمل ایک انسان کامل کے حالاتِ زندگی سے واقفیت ہونا ہی انسان کی فطری خواہش اور ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ یوں تو لاتعداد عظیم انسانوں کی زندگیاں ہمارے سامنے ہیں مگر ان میں سے ایسا کوئی نہیں جس نے زندگی کے ایک رُخ کی تکمیل کے لیے دوسرے رُخ کو نظر انداز نہ کر دیا ہو۔

لہذا ایسی صورت حال میں یہ ممکن نہیں ہے کہ زندگی کے کسی ایک رخ کے لیے نمونہ ایک شخصیت سے لیا جائے اور دوسرے رخ کے لیے دوسری شخصیت سے کیونکہ ایسے غیر متوازن پہلوؤں کے مجموعے سے ایک متوازن زندگی کا نقشہ تیار نہیں کیا جاسکتا۔

اس کے برعکس حضرت محمد ﷺ کی زندگی میں ہمیں کوئی خلا نہیں ملتا بلکہ ہر رُخ مکمل ہے۔ ہر چیز چمکتے ہوئے سورج کی طرح واضح ہے۔ آپ ﷺ کا شخصی کردار اور آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاقی اوصاف، شرافت، صبر، شجاعت، توکل، عبادت وغیرہ سب کی کیفیت اور عملی نمونے موجود ہیں۔ اس طرح آپ ﷺ کی گھریلو زندگی میں اچھے شوہر، مشفق باپ اور مہربان نانا کے نمونے بھی مل سکتے ہیں۔ اجتماعی زندگی میں اچھے ساتھی، ہمدرد سربراہ، اعلیٰ کمانڈر، بہترین منتظم و مدبر، دُشمنوں کے خیر خواہ وغیرہ۔ غرضیکہ ہر عمل کا نمونہ۔ بہترین نمونہ آپ ﷺ کی ذات میں ملتا ہے۔ یعنی ایک ہی ذات میں ہر عمل کا نمونہ اور ہر معاملے کی رہنمائی مل جاتی ہے

## 1.3 اتباعِ رسول ﷺ ۔قرآن مجید کا حکم

مسلمان کا ایمان ہے کہ قرآن پاک کا ہر حکم واجب العمل ہے۔اس مقدس کتاب کا حکم ہے:

﴿وَ مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡہُ وَمَا نَھٰکُمۡ عَنۡہُ فَانۡتَھُوۡا ﴾ (سورۃ الحشر:۷)

''اور رسول ﷺ جو چیز تمہیں دے اسے خوشی سے لے لو اور جس چیز سے وہ تمہیں روکے اس سے فوراً رُک جاؤ۔''

اس کے ساتھ ہی سورۃ النجم میں اس بات کی تشریح بھی کر دی کہ

﴿ وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰی اِنۡ ھُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ﴾ (سورۃ النجم:۳)

'' کہ نبی ﷺ جو کچھ بھی کہتے ہیں، اپنی مرضی سے نہیں کہتے ہیں بلکہ صرف وہی کہتے ہیں جو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے''۔

پھر فرمایا: ﴿مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ﴾ (سورۃ النساء:۸۰)

کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے گویا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ یہاں تک کہ کامل نمونے کی ضمانت دیتے ہوئے فرمایا:

﴿لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ﴾

کہ رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی تمہیں بہترین زندگی کے لیے کافی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے رسولِ مقبول ﷺ کے اسوہ حسنہ کو فرض قرار دیا ہے اور ایک کلمہ گو اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک آپ ﷺ کے نقش قدم پر نہ چلے۔

## 1.4 اطاعتِ رسول ﷺ واجب ہے

رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ چونکہ قرآن مجید کی عملی تفسیر ہے اس لیے قرآن حکیم اور سیرت طیبہ کا ساتھ ساتھ مطالعہ ضروری ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ۔ جب تک ان کو مضبوطی

سے تھامے رکھو گے گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک کتاب اللہ اور دوسری سنت''۔

اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب تک مسلمان قرآن حکیم اور رسول اللہ ﷺ کے اقوال و اعمال کے مطابق زندگی گزارتے رہیں گے وہ زندگی کی سیدھی اور کامیاب راہ پر ہوں گے۔

اس ضمن میں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ اہل ایمان کے لیے حضور اکرم ﷺ کی زندگی کو اسوۂ حسنہ قرار دینے میں اللہ کی اطاعت خود بخود شامل ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور آپ ﷺ کی اتباع اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے یعنی حضور اکرم ﷺ کی زندگی ایک مثالی زندگی ہونے کی وجہ سے محض قابل تقلید ہی نہیں ہے بلکہ واجب التقلید بھی ہے۔

## 1.5 غیر مسلموں کے لیے اسوۂ حسنہ

غیر مسلموں کے لیے بھی اسوۂ حسنہ میں بہت سے سبق موجود ہیں۔ مکہ کے کفار جو آپ ﷺ کی نبوت کو تسلیم نہ کرتے تھے بلکہ آپ ﷺ کو جادوگر اور مجنوں کہہ کر پکارتے تھے اس کے باوجود وہی اس بات پر شاہد تھے کہ آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ وہ آپ ﷺ کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے تھے اور طعن و تشنیع بھی کرتے تھے لیکن پھر بھی آپ ﷺ کو صادق و امین جان کر اپنی امانتیں آپ ﷺ کے پاس رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ جس رات کفار مکہ نے آپ ﷺ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اس وقت بھی آپ ﷺ کے پاس امانتیں موجود تھیں اور آپ ﷺ نے مکہ سے ہجرت فرمائی تو اپنے چچا زاد بھائی حضرت علی ؓ کو گھر میں چھوڑ گئے کہ وہ غیر مسلموں کی امانتیں واپس کر کے مکہ سے نکلیں۔ کون سا ظلم ہے جو کفارِ مکہ نے آپ ﷺ پر روا نہیں رکھا، وہ تیرہ سال تک اس سراپا حلم کو تنگ کرتے رہے۔ ہجرت کے بعد بھی برسوں تک ہر سال مدینہ پر حملہ کرتے رہے لیکن جس روز آپ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو ان دشمنوں کو صرف یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ جاؤ آج کے دن تم سب آزاد ہو۔ میں نے تمہاری سب خطائیں معاف کر دی ہیں۔ کیا کوئی شخص اتنا عظیم اخلاق پیش کر سکتا ہے اور پھر یہی اعلیٰ ظرفی، مروّت، رحمت، شفقت، دیانت، امانت، صداقت اور سخاوت آپ ﷺ کی نبوت پر دلالت کرتی ہے۔

## 1.6 جامعیتِ سیرت

سیاسی و انتظامی نکتہ نظر سے بھی سیرت کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ جیسا کہ آپ کے علم میں ہوگا کہ جس ملک میں کبھی

حکومت قائم ہی نہ ہوئی تھی وہاں آپ ﷺ نے صرف دس برس کی قلیل مدت میں صحابہ کرام ؓ کی تربیت کر کے دس لاکھ مربع میل کے رقبے پر اسلامی ریاست قائم کر دی اور آپ ﷺ کی وفات کے چند سال بعد ہی ایشیا، یورپ اور افریقہ کے براعظموں میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ آپ ﷺ کی سیاست کاری کے اصول بڑے دلنشین اور موثر ہیں، مثلاً مکہ معظمہ کی اقتصادی زندگی کا دارومدار تجارتی قافلوں پر تھا جب مصر، شام اور یمن کے راستوں پر بسنے والے قبائل نے اسلام قبول کیا تو اس کا اثر لازمی طور پر قریش کے تجارتی قافلوں کی نقل وحرکت پر پڑا۔ قافلوں کی آمد ورفت رکنے سے مکہ معظمہ کے لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ انہی ایام میں یمامہ کے سردار نے اسلام قبول کر لیا۔ مکہ کو اسی جگہ سے غلہ فراہم کیا جاتا تھا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ جب یمامہ کا یہ سردار جس کا نام ثمامہ بن اثال تھا، مسلمان ہو کر مکہ معظمہ گیا تو قریش نے تبدیلی مذہب پر طعنے دیئے۔ انہوں نے غصے میں آ کر غلہ روک دیا لہٰذا اس بندش سے مکہ معظمہ میں قحط پڑ گیا۔ آخر گھبرا کر قریش نے اس آستانہ کی طرف رجوع کیا جہاں سے کبھی کوئی محروم نہیں لوٹا، حضور اکرم ﷺ کو رحم آیا اور ثمامہ کو کہلا بھیجا کہ بندش اُٹھا لو چنانچہ وہاں سے دوبارہ غلہ مکہ جانے لگا۔ اس عمل سے مکہ معظمہ میں حضور اکرم ﷺ کے طرف داروں کی ایک جماعت پیدا ہو گئی جو یہ کہتے تھے کہ محمد ﷺ کتنے اچھے ہیں جو مصیبت میں اپنے دُشمنوں کی امداد کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ اگر وہ بروقت ہماری مدد نہ کرتے تو ہم بھوکوں مر جاتے۔ اس طرح کی بے شمار مثالیں سیرتِ طیبہ میں ملتی ہیں جن سے آپ ﷺ نے دُشمنوں کے دل میں گھر کر لیا۔

حاکم کی حیثیت سے بھی محسن انسانیت کی سیرت کا مطالعہ کیجئے۔ آپ ﷺ دس لاکھ مربع میل کے علاقہ پر حکمران تھے۔ مال غنیمت کا خمس یعنی پانچواں حصہ آپ ﷺ کا حق تھا۔ جو قرآن مجید نے مقرر کیا تھا لیکن اس مال کو بھی عوام کی بہتری اور ضروریات پر صرف فرماتے تھے۔ جب آپ ﷺ اس دُنیا سے رخصت ہوئے تو گھر کی مالی حالت یہ تھی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا کہ گھر میں کچھ ہے؟ انہوں نے عرض کی ہاں! ایک دینار موجود ہے، آپ ﷺ نے فرمایا

> ”اسے بھی خیرات کر دو، ایسا نہ ہو کہ کل میں اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑا ہوں تو مجھے کہا جائے کہ تم اپنے گھر میں مال چھوڑ کر آئے ہو“۔

سرورِ کائنات ﷺ سفارش ہرگز نہ مانتے تھے۔ حضرت اُسامہ بن زید ؓ نے ایک بار ایک قریشی عورت (جس نے چوری کی تھی) کی سفارش کرنا چاہی لیکن حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ” قانون تو سب کے لیے یکساں ہے۔ اگر میری بیٹی

فاطمہ رضی اللہ عنہا چوری کرتی تو اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیا جاتا"۔ اسی ایک واقعے سے ہی حضور اکرم ﷺ کی عظمت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ایک حاکم اپنے اہل خانہ کو بھی عام لوگوں کی سطح پر رکھ کر پرکھے۔

عمرانی نقطۂ نظر سے تقسیم دولت اور گردش دولت کا اصول رسول اکرم ﷺ کے ہر مالی حکم میں نظر آتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے دولت کو ایک جگہ جمع ہونے سے روکنے کے لیے زکوٰۃ، عشر، خمس، فے، خراج، صدقات وغیرہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ ایک شخص کی دولت اس کی وفات کے بعد اس طرح تقسیم کرنے کی وضاحت کی کہ وہ مختلف حصہ داروں میں بٹ جائے اس طرح نہ کوئی بہت امیر رہ سکتا ہے اور نہ کوئی بالکل غریب۔ امیروں کو کہا کہ غریبوں کو صدقات، زکوٰۃ و عشر دیا کریں اور غریبوں سے کہا کہ وہ محض ان کے محتاج ہو کر نہ رہ جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

"بھیک مانگنے کی نسبت یہ بہتر ہے کہ آدمی جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لائے اور انہیں بیچ کر اپنا گزارہ کرے"۔

فوجی افسر اور سپہ سالار کی حیثیت سے آپ ﷺ کی سیرت طیبہ جو اہمیت رکھتی ہے وہ کسی تفصیل کی محتاج نہیں کہ آپ ﷺ نے دشمنوں کے خلاف کس طرح جنگ لڑی، کیا کیا فوجی کارنامے سرانجام دیئے۔ عرب کی تاریخ میں پہلی بار خندق کھود کر جنگ لڑنا، طائف کے محاصرے میں دبابہ کا استعمال، اہم ناکوں پر فوجی دستے متعین کرنا، دشمن کی رسد روک کر اسے کمزور کر دینا وغیرہ عہدِ رسالت کی جنگوں میں عام مذکور ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جنگ کے موقع پر مجاہدوں کو اس بات کا حکم دیا کہ

"عورتوں، بچوں، بوڑھوں، بیماروں اور مذہبی راہنماؤں کو قتل نہ کریں، جو ہتھیار ڈال دے اس سے درگزر کریں، فصلوں کو تباہ نہ کریں اور جو مقابلہ میں نہ آئے اس کو کچھ نہ کہا جائے"

رسول مقبول ﷺ کی سیرت ملاحظہ ہو کہ ایسے موقعوں پر بھی جب فتح کے نشے میں سرشار فوجیں اپنے سامنے آنے والی ہر چیز کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیتی ہیں، آپ ﷺ نے اپنے سپاہیوں کو ہمدردی کا سبق دیا۔ آپ ﷺ کی تمام جنگیں انسانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے نہیں بلکہ درندہ صفت انسانوں کو انسانِ کامل بنانے اور پھر دُنیا میں پائیدار امن قائم کرنے کے لیے لڑی گئیں۔

گھر کے نگران یعنی شوہر کے لیے بھی آپ ﷺ کی سیرت میں درس عظیم ہے کہ کس طرح گھر میں عدل و انصاف اور مساوات کا دامن تھامے رہے۔ عورتوں کو سب سے پہلے حضور اکرم ﷺ نے صحیح مقام دلایا۔ بعثت سے قبل عورت کی حالت جانوروں کی طرح تھی۔ اور شوہر کے مرنے کے بعد بطور ورثہ تقسیم ہوتی۔ حضور ﷺ نے عورت کو ایسا بلند مقام دیا کہ جنت ماں کے قدموں تلے رکھی، یہی وجہ ہے کہ جس شخص کے ماں باپ بوڑھے ہوں اگر وہ حج بیت اللہ کی بجائے گھر میں رہ کر ان کی خدمت کرے تو حج سے زیادہ ثواب ملے گا۔ حضور اکرم ﷺ نے دریافت کرنے پر بتایا کہ ماں باپ کی نافرمانی سب سے بڑا گناہ ہے اور ایک موقع پر فرمایا کہ

''جو شخص اپنے بزرگوں کی عزت نہ کرے اور اپنے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے وہ مسلمان نہیں ہے''۔

آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کے ان تمام پہلوؤں کے بارے میں آپ اگلے یونٹوں میں پڑھیں گے۔

الغرض یہی وہ خصوصیات ہیں جو سیرت طیبہ کے مطالعہ کی دعوت دیتی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کو جو دین عطا ہوا تھا اور جس پر آپ ﷺ نے عمل کر کے دکھایا، اس میں توازن و اعتدال کے ساتھ تمام فطری تقاضوں کی تکمیل کا انتظام ہے اور جیسا کہ آپ کے علم میں ہوگا کہ انسان کی فطرت نہیں بدلتی اور انسانیت کے تقاضے بھی نہیں بدلتے اس لیے یہ دین دائمی ہے اور اس کا عملی خاکہ یعنی حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ دائمی نمونہ عمل ہے۔ جس طرح آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے سیرت طیبہ کے ذریعے مضطرب اور غیر متوازن انسانی معاشرے کو امن و سکون کی نعمت عطا ہوئی تھی، اسی طرح آج بھی آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا اتباع دکھی انسانیت کے لیے امن و عافیت کا موجب ہے۔

# خود آزمائی نمبر 1

1- انسانی اخلاق کی اصلاح کے طریقے کون کون سے ہیں؟

2- کلمہ طیبہ کس بات کا اقرار ہے؟

3- بہت سے لوگوں کی زندگیاں ہمارے لیے نمونہ کیوں نہیں بن سکتیں؟

4- آنحضرت ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں کون سی ایسی انفرادیت ہے جو کسی دوسرے شخص کی زندگی میں نہیں؟

5- ترجمہ کریں: (وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا) (سورۃ الحشر:۷)

6- آیت لکھیں جس کا ترجمہ یہ ہے:

''وہ جو کچھ کہتے ہیں اپنی مرضی سے نہیں کہتے بلکہ صرف وہی کہتے ہیں جو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے''۔

7- ہجرت کے وقت آپ ﷺ کس شخص کو مکے والوں کی امانتیں واپس کرنے کے لیے اپنے گھر چھوڑ گئے تھے؟

8- چوری کرنے والی عورت کی سفارش کس صحابی نے کی تھی؟

9- طائف کے محاصرے میں کون سا اہم ہتھیار استعمال کیا گیا تھا؟

10- خالی جگہ پر کریں:

(i) آپ ﷺ کے بدترین دُشمن بھی آپ ﷺ کو __________ کہہ کر پکارتے تھے۔

(شاعر - جادوگر - صادق وامین)

(ii) بعثت کے بعد آپ ﷺ __________ سال مکہ معظمہ میں رہے۔ (تیرہ۔دس۔سات)

(iii) آپ ﷺ نے __________ مربع میل کے علاقے پر اسلامی حکومت قائم کی۔

(دو لاکھ ۔ پندرہ لاکھ ۔ دس لاکھ)

(iv) حضور اکرم ﷺ کی زندگی محض قابل اتباع نہیں بلکہ __________ ہے۔

(نمونہ عمل ۔ مثالی ۔ واجب اتباع)

# 2- اطاعتِ رسول ﷺ

## 2.1 اطاعتِ رسول ﷺ کا مفہوم

اطاعت کا لفظ کسی کے حکم کو پورا کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اطاعت میں مطاع (جس کی اطاعت کی جاتی ہے) کے احترام کا تصور بھی پایا جاتا ہے۔اطاعتِ رسول ﷺ کا مفہوم یہ ہے کہ حضور ﷺ کی ہر سنت پر عمل کیا جائے اور وہ احکام واوامر ونواہی جو حضور اکرم ﷺ کے ذریعے ملے ہیں، ان پر سر تسلیم خم کیا جائے اور کسی حالت میں بھی آپ ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی نہ کی جائے۔

## 2.2 اطاعت کی بنیاد۔رسول ﷺ پر ایمان

اطاعت کی بنیاد رسول اکرم ﷺ پر ایمان لانے پر رکھی گئی ہے۔صرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے سے کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوسکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی تصدیق نہ کرے اور جو کچھ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے ہیں اس پر ایمان نہ لائے۔

قرآنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ

﴿ اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیۡرًا لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ ﴾ (الفتح:8-9)

”بے شک ہم نے آپ ﷺ کو بھیجا گواہ بنا کر، خوشی اور ڈر سنانے والا، تاکہ اے لوگو! تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ“۔

سورۃ اعراف میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہِ النَّبِیِّ الۡاُمِّیِّ الَّذِیۡ یُؤۡمِنُ بِاللّٰہِ وَکَلِمٰتِہٖ وَاتَّبِعُوۡہُ لَعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ ﴾ (سورۃ الاعراف:۱۵۸)

”تم ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے نبی اُمی پر۔ جو خود بھی اللہ تعالیٰ اور اس کی باتوں پر ایمان لاتا ہے اور اس کی پیروی کرو تاکہ تم راہِ ہدایت پا جاؤ“۔

قرآنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴾ (الفتح: 13)

"اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لایا تو ہم نے کافروں کے لیے آگ تیار کر رکھی ہے"۔

ان آیاتِ کریمہ میں درج ذیل امور کی نشان دہی کی گئی ہے:

1- رسول اللہ پر ایمان لانا فرض ہے اور حضور اکرم ﷺ پر ایمان لائے بغیر نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان پورا ہو سکتا ہے، اور نہ اسلام لانا درست ہو سکتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جہاد و قتال کروں جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور میری رسالت کے ساتھ ساتھ ان باتوں کی تصدیق نہ کریں جو مجھے اللہ تعالیٰ نے تعلیم فرمائی ہیں، اب ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے"۔

2- آنحضرت ﷺ کی ایک خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ آپ ﷺ نبی اُمی (اَن پڑھ) ہیں۔ آپ ﷺ اس قوم میں جو تمام کی تمام جاہل اور اَن پڑھ تھی، ان میں اُمی پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ کی نشو و نما اسی شہر میں اور ان ہی لوگوں میں ہوئی جن میں گزشتہ علوم کا جاننے والا کوئی نہ تھا۔ نہ ہی آپ ﷺ نے کسی ایسے شہر کی طرف سفر کیا جس میں کوئی عالم ہوتا اور آپ ﷺ اس سے تحصیل علم کر سکتے اور توریت و انجیل اور گزشتہ اُمتوں کے اخبار و حالات جان سکتے۔

اس کے باوجود آپ ﷺ نے دیگر ملتوں اور مذاہب کے ہر فریق پر ایسی حجت قائم کی کہ اگر جہاں بھر کے تمام عالم و نقاد بھی جمع ہو جاتے تو بھی اس کی مثل کی کوئی دلیل نہ لا سکتے۔ آپ ﷺ کے اُمی ہونے کے باوجود آپ ﷺ کا ہر قسم کے علوم میں ماہر ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ براہ راست اللہ پاک کے فیض یافتہ اور علم و حکمت خود اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عنایت فرمائی ہے۔

3- آپ ﷺ پر صرف ایمان لانا ہی کافی نہیں بلکہ زندگی کے ہر معاملے میں آپ ﷺ کا اتباع بھی ضروری ہے۔ آپ ﷺ کے "اسوۂ حسنہ" پر عمل کرنا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے۔

4- واضح ہدایت اور رہنمائی ملنے کے باوجود بھی جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہیں لاتا وہ کافر ہے اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں اسے جھونک دیا جائے گا اور وہ اپنے انکار کے سبب عذاب کا مزہ چکھے گا۔

# 3- اطاعتِ رسول ﷺ کی اہمیت

سرورِ دو عالم ﷺ پر ایمان لانا اور تمام احکام کی تصدیق کرنا جب واجب ثابت ہو گیا تو اب حضور ﷺ کی فرمانبرداری اور اطاعت بھی فرض ہو گئی کیونکہ یہ بھی منجملہ انہی امور کے ہے، جن کو حضور اکرم ﷺ لے کر آئے ہیں۔ اطاعتِ رسول ﷺ کی اہمیت درج ذیل نکات سے واضح ہو جاتی ہے:

## 3.1 اطاعتِ رسول ﷺ: مقصدِ رسالت

اطاعت رسول ﷺ کو مقصد رسالت قرار دیا گیا ہے۔ رسول بھیجے ہی اس لیے جاتے ہیں تا کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی اطاعت کی طرف بلائیں۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں مختلف نبی مبعوث فرمائے اور ہر نبی کی اُمت پر اس کی اطاعت لازم قرار دی گئی چنانچہ ہر نبی نے اللہ کے حکم سے ہی اپنی قوم کو اپنی اطاعت کی طرف بلایا:

قرآنِ مجید میں اطاعتِ رسول ﷺ کو مقصد رسالت قرار دیتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (النساء:64)

''اور ہم نے ان کو مقتدا بنایا کہ ہمارے حکم سے (خلق کو) ہدایت کیا کرتے تھے''۔ نیز فرمایا:

﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴾ (الشعراء:110) ''اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو''۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ

1- رسول، اللہ کی طرف سے امت کی ہدایت و رہنمائی کے لیے بھیجے جاتے ہیں اور ان کی اطاعت ہر اُمتی پر لازم ہوتی ہے۔

2- رسول اس لیے نہیں بھیجے جاتے کہ لوگ محض زبانی اس کی رسالت کا اقرار کر لیں اور اس کی لائی ہوئی ہدایات واحکامات پر چاہے عمل پیرا نہ ہوں بلکہ رسول کے آنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو احکام وقوانین وہ لے کر آئے ہیں ان پر لوگ عمل کریں اور اپنی زندگیوں کو اسی کے احکام وہدایت کے مطابق ڈھالیں۔ وہ رسول کو اپنا مقتدا تسلیم کر لیں اور زندگی کے ہر معاملے میں اسی کی پیروی اختیار کریں۔

3- رسول کی اس دعوت سے اس حقیقت کا اظہار مطلوب ہے کہ تقویٰ و بندگی کی راہ صرف رسول کی اطاعت ہی سے معلوم ہوسکتی ہے اور صرف رسول ہی بتا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کیا ہیں اور ان احکام پر کس طرح عمل کیا جانا چاہیے۔ رسول دین و شریعت کے دائرے میں جو کچھ کہتا ہے وہ سب کا سب اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے اور یہ حقیقت نبی اکرم ﷺ کی حیثیت کو اور اہم بنا دیتی ہے۔

## 3.2 اطاعتِ رسول دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت

قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنی اطاعت قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ، وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا﴾ (النساء: 80)

''جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے (دراصل) اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کی اور جس نے (اطاعتِ رسول) سے منہ موڑا (تو موڑے) ہم نے آپ کو ان پر پاسبان بنا کر نہیں بھیجا''۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَاحُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ (النور: 54)

''اے نبی! آپ کہہ دیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے مطیع بن کر رہو اور رسول کے فرمانبردار بن کر رہو۔ سو (اس واضح اعلان کے بعد) اگر تم نے روگردانی کی تو یہ بات سمجھ رکھو کہ اس (رسول) پر جس (فرض) کا بار رکھا گیا ہے، وہ خود ذمہ دار ہے اور تم پر جس فرض کا بار ڈالا گیا ہے اس کے تم خود ذمہ دار ہو۔ پس اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو (خود ہی) ہدایت پاؤ گے ورنہ رسول کی ذمہ داری تو صاف صاف پہنچا دینا ہی ہے''۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ﴾ (الانفال: 20)

''اے اہل ایمان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے روگردانی نہ کرو، جب کہ تم

سن رہے ہو"۔

﴿ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴾ (المائدہ:92)

"اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرواور رسول پاک ﷺ کی اطاعت کرواور ڈرتے رہو۔ پس اگر تم نے منہ موڑا تو جان لو، کہ ہمارے رسول پر تو صاف صاف پہنچا دینا ہی ہے"۔

﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ (آل عمران:132)

"تم اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کے فرمانبردار بن جاؤ تا کہ تم پر رحم کیا جائے"۔

ان آیات سے درج ذیل نکات پر روشنی پڑتی ہے:

(1) یہاں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کی صورت میں ہی دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ رسول اس لیے مطاع ہے کہ وہی ایک مستند ذریعہ ہے اس کے ذریعے سے ہم تک اللہ تعالیٰ کے احکام و ہدایات پہنچتی ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت صرف اسی طریقے سے کر سکتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کریں۔

(2) قرآن حکیم میں جہاں جہاں اطاعتِ رسول ﷺ کا حکم دیا گیا ہے، وہاں یہ نہیں بتایا کہ رسول کی اطاعت فلاں فلاں امور میں ہے اور ان کے سوا کسی دوسرے امر میں نہیں۔ پس قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا رسول جو حکم بھی دے اسے ماننا لازم ہے کیونکہ رسول کی ہر بات حکم الٰہی کے تابع ہوتی ہے چنانچہ کوئی بھی اطاعت، رسول کی اطاعت کی سند لیے بغیر قابل قبول نہ ہوگی، یعنی رسول ﷺ کی اطاعت و محبت کے بغیر اللہ تعالیٰ کی محبت و اطاعت کا کوئی اور راستہ نہیں۔

(3) یہ بات بھی ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ جب رسول ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے تو پھر رسول ﷺ کی اطاعت سے انکار اور اس کی پیروی سے منہ موڑنا یقیناً اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے خلاف بغاوت ہے۔

اسی مضمون کو یہ حدیث واضح کرتی ہے:

''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے گویا خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی''۔

(4) حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میری تمام اُمت جنت میں داخل ہوگی سوائے اس کے جس نے انکار کیا (صحابہ کرام ؓ نے کہا)! کون انکار کرتا ہے؟ فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی سو اس نے انکار کیا''۔ (صحیح بخاری)

(5) یہاں ہر اس شخص کو خبردار کیا گیا ہے جو رسول ﷺ کی تصدیق تو کرتا ہے مگر آپ ﷺ کی شریعت کی التزام کے ساتھ پیروی نہیں کرتا وہ گمراہی و ضلالت میں ہے اگرچہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔

## 3.3 اطاعتِ رسول ﷺ محبت الٰہی کی بنیاد ہے

قرآنِ حکیم میں اطاعت رسول ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی محبت کی بنیاد قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ﴾ (آل عمران 32-31)

''اے نبی ﷺ کہہ دیں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت کرو پس اگر وہ منہ موڑ لیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ کافروں سے ذرا محبت نہیں کرتا''۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِیْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ

وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾ (التوبہ:24)

''اے نبی ﷺ کہہ دیں کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارا خاندان اور مال جو تم نے کمایا ہے، اور تجارت جس کے گر جانے کا تمہیں اندیشہ ہے اور مکانات جو تمہیں پسند ہیں تم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ صادر فرما دے''۔

مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ آنحضور ﷺ کی محبت کے لازم ہونے اور اس کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہیں اور واضح کرتی ہیں کہ

(1) اللہ کی محبت کا معیار مطلقاً نبی کریم ﷺ کی اطاعت کو قرار دیا گیا ہے گویا اطاعت و محبت رسول ﷺ کے ذریعہ ہی اللہ کی محبوبیت حاصل ہوتی ہے دین میں کوئی بھی ایمان یا اطاعت معتبر ہو ہی نہیں سکتی جس کی بنیاد محبت رسول ﷺ و اطاعت رسول ﷺ پر نہ ہو۔ محبت بھی صرف ظاہری یا رسمی قسم کی مطلوب نہیں بلکہ ایسی محبت مطلوب ہے جو تمام محبتوں پر غالب آ جائے جس کے لیے دُنیا کی ہر چیز کو چھوڑا جا سکے لیکن خود اسے کسی قیمت پر نہ چھوڑا جائے۔

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والدین، اس کی اولاد اور تمام لوگوں کی نسبت زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں'' (صحیح بخاری)

(2) یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ رسول کریم ﷺ سے جس محبت کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد صرف جذباتی محبت نہیں جو ایک انسان کو اپنے بیوی بچوں سے ہوتی ہے بلکہ وہ عقلی اور اصولی محبت ہے۔ جس کی بنا پر انسان اپنی عزیز ترین چیزوں پر ان اصولوں کو مقدم رکھتا ہے۔ اگر ان اصولوں کی راہ میں خود اس کا نفس مزاحم ہوتا ہے تو اس سے لڑتا ہے۔ دوسرے مزاحم ہوتے ہیں تو ان سے مقابلہ کرتا ہے۔ یہاں تک کہ بیوی بچے خاندان ملک و قوم بھی ان اصولوں کے مخالف ہو جاتے ہیں تو ان سب کے مطالبات ٹھکرا دیتا ہے۔ اس محبت کی اصولی نوعیت کو حضور ﷺ نے خود ایک حدیث میں واضح فرما دیا ہے:

(مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِی فَقَدْ اَحَبَّنِی)

"جس نے میری سنت سے محبت کی، اس نے مجھ سے محبت کی"۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات پر عمل کیا جائے اور اگر آپ ﷺ کی تعلیمات پر عمل نہ ہو تو محبت کا ہر دعویٰ کھوکھلا اور بے بنیاد ہے۔

(3) ایک اور بات جو پہلی آیت سے واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ گناہوں کی مغفرت کا دارومدار بھی اطاعت رسول ﷺ پر ہے اللہ تعالیٰ کی محبت کے ساتھ جب تک رسول ﷺ کا اتباع نہ ہو اس وقت تک گناہوں کی معافی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

## 3.4 اطاعتِ رسول ﷺ خشیتِ الٰہی اور تقویٰ کی بنیاد اور ذریعہ کامرانی

قرآنِ حکیم کے مطابق وہی لوگ کامیاب ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں:

﴿ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴾ (النور:52)

"اور جو بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس کی نافرمانی سے بچے تو یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں"۔

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴾ (الاحزاب: 71)

"جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی تو اس نے بڑی کامیابی حاصل کی"

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ

"اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کو خشیتِ الٰہی، تقویٰ و پرہیز گاری کی بنیاد اور آخرت کی کامیابی کے اسباب قرار دیا گیا ہے"۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''میری اور ان چیزوں کی جو میں (اللہ تعالیٰ کی جانب) سے لے کر آیا ہوں اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک شخص نے اپنی قوم سے کہا کہ اے اہل قوم میں نے ایک لشکر دیکھا ہے اور میں اس کی جانب تمہیں متوجہ کرتا ہوں اور تمہیں اس لشکر سے خبردار کرتا ہوں لہذا تم اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرو۔ اس وعید سے بہت سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا اور راتوں رات وہاں سے نکل گئے اور اپنی جانوں کو محفوظ کیا لیکن ایک گروہ ایسا بھی تھا جس نے اس وعید کی جانب توجہ نہ کی اور اس ڈرانے والے کی تکذیب کی۔ ان کے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا کہ جب انہوں نے صبح کی تو دُشمن کا لشکر انہیں گھیر چکا تھا۔ اس نے ان پر حملہ کیا اور انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے میری اور میرے احکام کی تعمیل کی، انہوں نے فلاح و نجات پائی لیکن جنہوں نے نہ تو میری اطاعت کی اور نہ میرے احکام پر عمل کیا انہوں نے حق کو جھٹلایا اور تباہ و برباد ہو گئے''۔

سنت کی مخالفت عذابِ آخرت کا سبب ہے۔

قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ (النور:63)

''پس ڈریں وہ لوگ جو رسول اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں (ایسا نہ ہو) کہ انہیں کسی فتنے سے (نقصان) پہنچے یا دردناک عذاب سے واسطہ پڑے''۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہوا ہے:

﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ﴾ (النساء:115)

''حق کا راستہ ظاہر ہونے کے بعد جو لوگ رسول ﷺ کا اتباع نہیں کرتے اور اس کے خلاف کرتے ہیں، یہ لوگ مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ پر چلے تو ہم انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں گے اور انہیں جہنم میں ڈالیں گے''۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ

(1) رسول اللہ ﷺ کے احکام کی مخالفت اور آپ ﷺ کی سنت میں تبدیلی گمراہی ضلالت اور بدعت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جس نے سنت سے اعراض کی اور روگردانی کی وہ مجھ سے نہیں (یعنی وہ مسلم معاشرے سے علیحدہ ہے)"

(2) دوسری آیت میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ جو لوگ راہِ ہدایت کو جان لینے کے باوجود بھی اس پر نہیں چلتے اور رسول ﷺ کے احکام کی تعمیل نہیں کرتے تو انہیں ان کے اسی حال پر چھوڑ دیا جائے گا اور وہ اپنے اعمال کے نتائج کے ذمہ دار ہوں گے۔

# خود آزمائی نمبر2

-1 اطاعت کا مفہوم بتائیں۔

-2 اوامر و نواہی سے کیا مراد ہے؟

-3 اُمیّ کا کیا مطلب ہے؟

-4 کیا ایمان کے بغیر اطاعتِ رسول ﷺ ممکن ہے؟

-5 کیا اطاعت رسول ﷺ کے بغیر آدمی مومن ہو سکتا ہے؟

-6 آپ ﷺ کا اُمیّ ہونا کس طرح آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے؟

-7 رسول ﷺ کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا باہمی تعلق کیا ہے؟

-8 کیا کوئی مسلمان اطاعتِ رسول ﷺ سے مستثنیٰ ہو سکتا ہے؟

-9 وہ کون سے امور ہیں جن میں اطاعتِ رسول ﷺ ضروری ہے؟

-10 ترجمہ کریں: ﴿ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾

-11 اللہ تعالیٰ کی محبت کیسے حاصل کی جا سکتی ہے؟

-12 جذباتی اور عقلی محبت میں کیا فرق ہے؟

-13 ”اطاعتِ رسول ﷺ کامیابی کا ذریعہ ہے“ اس سے متعلق ایک آیت لکھیں۔

# 4- رسولِ اکرم ﷺ کی مختلف حیثیتیں اور اتباع کا حکم

اتباع کا لفظ گذشتہ کئی آیات میں استعمال ہوا ہے۔ اس کے لفظی معنی ''پیچھے پیچھے چلنا'' ''قدم قدم پیروی کرنا'' ہے۔ اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کی دل و جان سے اطاعت کی جائے اور آپ ﷺ کی پیروی کرنے میں فخر محسوس کیا جائے۔

اتباع کا دائرہ اطاعت کے دائرہ سے زیادہ وسیع ہے اطاعت کے دائرے میں تو عموماً وہی باتیں آتی ہیں جن کی حیثیت احکام و واجبات اور اوامر ونواہی کی ہو لیکن اتباع کے دائرے میں مستحبات اور نوافل بھی آ جاتے ہیں، پھر اطاعت بعض حالات میں محض ظاہری اور رسمی بھی ہو سکتی ہے لیکن اتباع میں متبوع (جس کا اتباع کیا جائے) کے لیے محبت و عقیدت اور احترام کا جذبہ پایا جانا بھی شرط ہے۔

قرآن مجید نے تصریح فرما دی ہے کہ اتباع نبوی ﷺ کو اپنی تمام خواہشات پر ترجیح دیں اور آپ ﷺ کے اتباع کو محبوب رکھیں۔ آیاتِ قرآنی کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ معلّم بھی تھے۔ حاکم بھی، شارح بھی اور شارع بھی اور قاضی بھی تھے۔ آپ ﷺ ان تمام حیثیتوں میں مامور من اللہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ) تھے۔ چنانچہ ہر مسلمان پر آپ ﷺ کی ہر حیثیت سے آپ ﷺ کا اتباع لازم ہے۔

## 4.1 اتباع رسول ﷺ بحیثیت معلّم و مربّی

قرآن مجید میں چار ایسے مقامات ہیں جہاں نبی کریم ﷺ کو بطور معلم و مربی کے پیش کیا گیا ہے۔

(1) ﴿وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ......... رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ یُزَكِّیْهِمْ﴾

(البقرہ:129)

''اور یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اس گھر (کعبہ) کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے تو (انہوں نے دُعا کی) اے ہمارے رب! ان لوگوں میں خود انہی کے

اندر ایک رسول مبعوث فرما جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے"۔

(2) ﴿ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلاً مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ﴾ (البقرہ:151)

"جس طرح ہم نے تمہارے اندر تم ہی میں سے رسول بھیجا جو تمہیں ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے"۔

(3) ﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ (آل عمران:164)

"اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے والوں پر احسان فرمایا جب کہ ان کے اندر خود ان ہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے"۔

(4) ﴿ هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ (الجمعہ:2)

"وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتا ہے، انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی باتیں سکھاتا ہے"۔

ان چاروں آیات میں جو بات مشترک نظر آتی ہے، وہ یہ ہے کہ

"اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو صرف قرآن کی آیات سنانے کے لیے نہیں بھیجا تھا بلکہ اس کے ساتھ بعثت کے تین اور مقاصد بھی تھے"۔

(ا) لوگوں کو آپ ﷺ "کتاب" کی تعلیم دیں۔

(ب)　اس ''کتاب'' کے احکام و ہدایات کے مطابق لوگوں کو کام کرنے کی حکمت سکھائیں۔

(ج)　لوگوں کے نفوس کا تزکیہ کریں یعنی اپنی تربیت سے ان لوگوں کی انفرادی اور اجتماعی خرابیوں کو دُور کریں، اور ان کے اندر اچھے اور پاکیزہ اوصاف پیدا کریں۔

## 4.2　اتباعِ رسول بحیثیت پیشوا و نمونۂ تقلید

ارشادِ ربانی ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ﴾

(الاحزاب: 21)

''تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ تقلید موجود ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت کی اُمید رکھتا ہے''۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ

(1)　خود اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو پیشوا مقرر کیا تھا، اور آپ ﷺ کی پیروی و تقلید کو مسلمانوں کے لیے لازم قرار دیا گیا ہے۔

(2)　جو شخص رسول کو نمونۂ تقلید نہیں سمجھتا، وہ اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا۔

(3)　یہ آیت اُس بات کی طرف بھی رہنمائی کرتی ہے جو آپ ﷺ نے اپنے آخری خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر کہی تھی کہ: ''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اپنی سنت''۔

## 4.3　اتباعِ رسول ﷺ بحیثیت شارع

قرآن حکیم میں ہے:

﴿ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾　(الاعراف: 157)

"وہ ان کو معروف کا حکم دیتا ہے اور منکر سے روکتا ہے اور ان کے لیے پاک چیزوں کو حلال قرار دیتا ہے اور ان پر ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اور بندھن اُتار دیتا ہے جو ان پر چڑھے ہوئے تھے"۔

نیز ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (الحشر:7)

"جو کچھ رسول تمہیں دے اسے لے لو اور جس سے منع کر دے اس سے رُک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے"۔

ان آیات سے صریحاً واضح ہو جاتا ہے کہ

(1) رسول کریم ﷺ کو تشریعی اختیارات اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اوامر ونواہی اور حلال وحرام جو قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں صرف یہی نہیں ہیں بلکہ ان میں وہ بھی شامل ہیں جن کو نبی کریم ﷺ نے حلال یا حرام قرار دیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے جو بھی حکم دیا یا جس کام یا جس چیز سے منع کیا وہ سب بھی اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اختیارات ہیں اس لیے وہ بھی قانونِ خداوندی کا حصہ ہیں۔

(2) یہاں یہ بات بھی واضح کر دی گئی ہے کہ مومنوں کے ایمان کی تکمیل اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ وہ ہر اس چیز سے منع ہو جائیں جس سے رسول اکرم ﷺ نے پرہیز کیا یا انہیں اس کے کرنے سے منع فرما دیا اور ہر اس چیز کو اپنائیں جس کو کرنے کا حکم محمد رسول اللہ ﷺ نے دیا یا جسے پسندیدہ قرار دیا۔

## 4.4 اتباعِ رسول بحیثیت قاضی ومُنصِف

قرآن مجید میں بکثرت مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ اس نے نبی کریم ﷺ کو قاضی مقرر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ﴾ (النساء:105)

"اے نبی ﷺ! ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے تا کہ لوگوں کے درمیان تم فیصلے کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دکھائے"۔

﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوٓا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا﴾ (النور:51)

"مسلمانوں کا قول، جب انہیں (کسی مقدمہ میں) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلایا جاتا ہے، تا کہ ان کے درمیان فیصلہ کردیں، یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے مان لیا"۔

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيماً﴾

"پس (اے نبی ﷺ) تیرے رب کی قسم! وہ ہرگز مومن نہ ہوں گے جب تک کہ وہ تجھے اپنے جھگڑوں میں فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر تو جو فیصلہ کرے، اس کی طرف سے اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ اسے بسروچشم قبول کرلیں"۔

ان آیات نے بالکل واضح کردیا ہے کہ

(1) اللہ تعالیٰ کا رسول ﷺ جب کوئی فیصلہ کرے تو مسلمان رسول ﷺ کے حکم کے آگے ظاہر و باطن میں راضی ہوں۔ خواہ خواہش نفس کے موافق ہو یا اس کے مخالف اور وہ یہ یقین رکھیں کہ جو کچھ رسولِ اللہ نے حکم دیا ہے وہ سب سے زیادہ حق ہے اس کے بعد ان کے باطن میں کوئی خدشہ نہ رہے۔ اسی کو "مقام تسلیم ورضا" کہتے ہیں۔

(2) اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو فیصلہ کرنے میں مستقل حیثیت عطا فرمائی ہے۔ قرآنِ حکیم میں نزاع کی صورت میں جو مراجع انصاف بیان کیے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاتم النبیین ﷺ کا ذکر بھی موجود ہے۔ ان دونوں مراجع سے منہ موڑنا منافقت ہے اور جو شخص حضور اکرم ﷺ کو بطور جج تسلیم نہیں کرتا یا آپ ﷺ کے فیصلے سے ملال محسوس کرتا ہے اس کا ایمان ہی باقی نہیں رہتا۔

(3) دُنیا میں کسی حاکم یا منصف عدالت کو یہ حیثیت حاصل نہیں کہ اس کے فیصلے سے ذرا سا انحراف کرنا بھی گمراہی کا سبب بن جائے۔ یہ شان صرف رسول مقبول ﷺ کی ہے کہ فیصلے سے اگر ذرا سی بھی تنگی محسوس کی جائے تو ایمان میں خلل آ جاتا ہے۔

## 4.5 اتباعِ رسول ﷺ بحیثیت حاکم وفرماں روا

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ (النساء:59)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول مقبول ﷺ کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے اولی الامر ہیں، پھر اگر تمہارے درمیان جھگڑا ہو جائے تو اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹا دو، اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر''۔

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾ (الاحزاب:36)

''کسی ایمان دار مرد اور کسی ایمان دار عورت کو گنجائش نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ کسی کام کا حکم دے دیں کہ (پھر) ان (مومنین) کو ان کے اس کام میں کوئی اختیار باقی رہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا کہنا نہ مانے گا تو وہ صریح گمراہی میں پڑا''۔

یہ آیات صاف بتا رہی ہیں کہ

(1) رسول کریم ﷺ کوئی ایسے فرمانروا نہیں جو خود اپنی قائم کردہ ریاست کے سربراہ بن گئے ہوں یا جسے لوگوں نے منتخب کر کے سربراہ بنا دیا ہو بلکہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ حاکم ہیں۔ آپ ﷺ کی اطاعت نہ کرنے کے معنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اطاعت نہ کرنے والے کا کوئی بھی عمل اللہ

تعالیٰ کے ہاں مقبول نہ ہو"۔

(2) پہلی آیت میں یکے بعد دیگرے تین اطاعتوں کا ذکر کیا گیا ہے:

(ا) سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی اطاعت۔

(ب) اس کے بعد رسول کریم ﷺ کی اطاعت۔

(ج) پھر اولی الامر کی اطاعت۔

اس سے پہلی بات تو یہ ثابت ہوئی کہ رسول کریم ﷺ اولی الامر میں شامل نہیں بلکہ اس سے الگ اور بالاتر ہیں اور آپ ﷺ کا درجہ اللہ تعالیٰ کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔ دوسری بات جو اس آیت سے معلوم ہوئی وہ یہ ہے کہ اولی الامر سے نزاع (جھگڑا) ہوسکتا ہے مگر رسول کریم ﷺ سے نہیں۔ تیسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جھگڑوں میں فیصلے کے لیے دو مرجع ہیں (جن کی طرف رجوع کیا جائے) ایک اللہ تعالیٰ اور دوسرا اس کا رسول ﷺ۔ ظاہر ہے کہ اگر مرجع صرف اللہ تعالیٰ ہوتا تو صراحت کے ساتھ رسول ﷺ کا ذکر نہ ہوتا۔

## 5- اللہ کے رسول ﷺ کی تعظیم وتوقیر

اتباع رسول ﷺ کے بعد مدارج اطاعت میں دوسری چیز جو شامل ہے، وہ ہے تعظیم وتوقیر رسول ﷺ۔ ذیل میں وہ آیات پیش کی جاتی ہیں جن میں رسول ﷺ کا ادب واحترام کرنے کے طریقے اور آداب سکھائے گئے ہیں:

(1) ﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ ﴾ (الحجرات:1)

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو"۔

(2) ﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴾ (الحجرات:2)

"اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز سے اونچی نہ کرو اور اس کے ساتھ کھل کر باآواز بلند بات مت کرو۔ جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بات چیت کر لیتے ہو۔ کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو"۔

(3) سورۃ نور میں اسی مفہوم کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

﴿ لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ﴾

"رسول ﷺ کو آپس میں اس طرح مت پکارو جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو"۔

ان آیات میں مسلمانوں کو تعلیم وتوقیر رسول ﷺ کے سلسلے میں جو احکام دیئے گئے ہیں، ان میں پہلا حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر اپنی رائے کو فوقیت نہ دو اور کسی معاملے میں بھی ان کی اجازت کے بغیر قدم مت اُٹھاؤ۔ اپنی خواہشات و جذبات کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کے فیصلوں کے تابع رکھو اور کسی بھی معاملے میں فیصلہ کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم معلوم کر لو، اور اس کے مطابق عمل کرو"۔

امام سہل بن عبداللہ تستری اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو یہ ادب سکھایا ہے کہ حضور ﷺ کے بات کرنے سے پہلے تم بات نہ کرو، جب آپ ﷺ فرمائیں تو تم ان کے ارشاد کو کان لگا کر سنو اور جب چپ ہوں تو آپ ﷺ کے احترام وتوقیر کے ضائع کرنے میں تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے قول کو سنتا اور تمہارے عمل کو جانتا ہے"۔

(2) آخر کی آیات میں حکم دیا گیا ہے کہ جب تم حضور ﷺ سے بات کرو یا حضور اکرم ﷺ کو پکارو یا آپ ﷺ کی موجودگی میں کسی سے بات کرو تو دھیمے اور مہذب لہجے میں بات کرو اور حضور اکرم ﷺ کی آواز سے تمہاری آواز بلند نہ ہو جائے، تم جس طرح ایک دوسرے کا نام لے کر بے تکلفی سے پکارتے ہو، اس طرح حضور ﷺ کا نام لے کر انھیں نہ بلاؤ "یا رسول اللہ ﷺ" "یا نبی اللہ ﷺ"۔ پھر یہ بات بھی یاد رکھو کہ رسول کریم ﷺ کے احترام میں ذرہ برابر کوتاہی تمہارے لیے اتنی نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے کہ تمہارے سارے اعمال غارت بھی ہو سکتے ہیں۔

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ

"رسول اکرم ﷺ کی آواز سے اپنی آواز کو اونچا کرنا جب اعمال کو ضائع کر دیتا ہے تو ان کے احکام کے سامنے اپنی رائے کو مقدم کرنا، اعمال صالحہ کے لیے کیونکر تباہ کن نہ ہوگا"۔

یہ آداب اگرچہ نبی کریم ﷺ کی مجلس کے لیے سکھائے گئے تھے اور اس کے مخاطب وہ لوگ تھے جو حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں موجود تھے مگر بعد کے لوگوں کو بھی انہی آداب کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ مثلاً جب اللہ کے رسول ﷺ کا ذکر ہو رہا ہو تو خاموشی کے ساتھ سنا جائے۔ حدیث رسول ﷺ پڑھتے وقت آواز کو پست رکھا جائے جس طرح کہ آپ ﷺ کے سامنے جب گفتگو ہوتی تو آواز پست رکھی جاتی تھی آپ ﷺ کا کلام وحدیث، آپ ﷺ کے بعد عزت ورفعت میں آپ ﷺ ہی کی مانند ہے۔ یہ بھی لازم ہے کہ کسی مناسب اور صاف جگہ پر بیٹھ کر پڑھا جائے۔ کسی آنے والے کی خاطر قرأت حدیث کے وقت کھڑا نہیں ہونا چاہیے اس لیے کہ اس میں حضور اکرم ﷺ کے ادب واحترام پر دوسرے کو ترجیح ملتی ہے اور یہ کہ غیر کی طرف متوجہ ہونے سے آپ ﷺ کی حدیث میں رکاوٹ لازم آتی ہے۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے حضرت محمدﷺ کے ذریعے سے دین اسلام ہی کی تکمیل نہیں فرمائی بلکہ نبوت اور رہنمائی کے سلسلے کو آپﷺ پر ختم کر کے سیرت انسانی کی بھی تکمیل فرما دی اور اس طرح تکمیل فرما دی کہ اس سے زیادہ مکمل اور اتنے اچھے نمونے و کردار کا تصور بھی ممکن نہیں، اس کے ساتھ ہی اُمت کے ہر فرد کے لیے آپﷺ کی اطاعت اور سیرت کا اتباع لازمی قرار دے دیا گیا ہے کیونکہ اتباع اور اطاعت رسولﷺ کے بغیر ایمان نامکمل ہے اور عمل بیکار ہے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کی کسوٹی بھی اطاعت رسول مقبولﷺ ہے اور اطاعت و اتباع رسولﷺ کے ذریعے سے ہی گناہوں کی معافی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند درجات حاصل ہوتے ہیں۔

# خود آزمائی نمبر 3

1- اطاعت اور اتباع میں کیا فرق ہے؟

2- آنحضرت کے چار فرائض نبوت تلاوت کتاب، تعلیم کتاب، تعلیم حکمت اور تزکیہ نفوس سے متعلق قرآن کریم میں کتنی آیات آئی ہیں؟

3- اسوۂ حسنہ کا کیا معنی ہے؟

4- آنحضرت ﷺ ہمارے لیے کون سی دو چیزیں چھوڑ گئے ہیں؟

5- تشریع اور تشریح میں کیا فرق ہے؟

6- قاضی کی حیثیت سے آنحضرت ﷺ کی انفرادی خصوصیت کیا ہے؟

7- قرآن حکیم نے آنحضرت ﷺ کے احترام کے جو آداب بتائے ہیں ان میں پانچ آداب کا ذکر کریں۔

8- خالی جگہ پر کریں:

(i) قرآن مجید کے بعد __________ ہمارے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔

(رسول - سنت - اجماع امت)

(ii) حضور اکرم ﷺ اسلامی ریاست کے __________ سربراہ تھے۔

(نامزد - منتخب - اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ)

(iii) اولوالامر سے اختلاف __________ ہے

(جائز - ناجائز - مکروہ)

# 6- جوابات

## خود آزمائی نمبر 1

1- (i) وعظ و نصیحت۔
(ii) علم اخلاق پر کتابوں کی تالیف۔
(iii) زبردستی اخلاق کا پابند۔
(iv) ایسا نمونہ اخلاق پیش کرنا جس پر لوگ خود بخود گرویدہ ہو جائیں۔

2- اللہ تعالیٰ کی عبادت اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا۔

3- کیونکہ ان میں توازن نہیں ہوتا۔

4- جامعیت

5- رسول اللہ جو تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے باز رکھیں اس سے رُک جاؤ۔

6- وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى

7- حضرت علی رضی اللہ عنہ کو۔

8- اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے۔

9- دبابہ

10- (i) صادق و امین
(ii) تیرہ
(iii) دس لاکھ
(iv) واجب اتباع

# خود آزمائی نمبر 2

1- کسی کا حکم ماننا

2- اوامر، امر کی جمع ہے، احکام۔ وہ کام مراد ہیں جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

نواہی، نہی کی جمع ہے۔ روکنا۔ وہ کام جن کے کرنے سے روکا گیا ہے۔

3- جس نے کسی سے لکھا پڑھا نہ ہو، جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو۔

4- نہیں۔

5- نہیں۔

6- آپ ﷺ نے اُمی ہونے کے باوجود ہر موضوع پر علم و تحقیق کی وہ باتیں بتائی ہیں کہ صدیوں کی تحقیقات میں بھی ان میں سے کوئی ایک حرف بھی غلط ثابت نہیں کیا جا سکا۔

7- رسول اللہ ﷺ کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

8- ہرگز نہیں۔

9- تمام امور میں۔

10- اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

11- اطاعتِ رسول ﷺ سے۔

12- مثلاً بیوی سے جو محبت ہوتی ہے وہ جذباتی محبت ہے۔ عقلی محبت وہ ہے جس کی بناء پر انسان اپنی عزیز ترین چیزوں پر اپنے اصولوں کو مقدم رکھتا ہے۔

13- مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا

# خود آزمائی نمبر 3

1- اطاعت کا تعلق احکام و واجبات سے ہے اور اتباع میں مستحبات بھی شامل ہیں۔اطاعت ظاہری ہو سکتی ہے مگر اتباع کے لیے عقیدت واحترام کا پایا جانا شرط ہے۔

2- چار آیات۔

3- عمدہ نمونہ۔

4- کتاب اللہ اور سنت۔

5- تشریع، قانون سازی اور تشریح، وضاحت کرنا، شرح کرنا۔

6- آپ ﷺ کے فیصلے کو دل و جان سے قبول کرنا ضروری ہے ورنہ ایمان جاتا رہتا ہے۔

7- (i) رسول اللہ ﷺ سے آگے نہ بڑھو۔

(ii) رسول اللہ ﷺ کے سامنے اونچی آواز سے نہ بولو۔

(iii) رسول اللہ ﷺ سے اس طرح بلند آواز سے گفتگو نہ کرو جیسے آپس میں کرتے ہو۔

(iv) رسول اللہ ﷺ کا نام لے کر نہ پکارو۔

(v) رسول اللہ ﷺ کو دُور سے اس طرح آواز نہ دو جیسے کہ ایک دوسرے کو آواز دی جاتی ہے۔

8- (i) سنت۔

(ii) اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ۔

(iii) جائز۔

یونٹ نمبر.......6

# رسول اللہ ﷺ بحیثیت سربراہ خاندان


تحریر: قدسیہ فاطمہ

نظر ثانی: ڈاکٹر شاہ معین الدین ہاشمی

محمد رفیق صادق

# فہرستِ مضامین



| | |
|---|---|
| یونٹ کا تعارف | 238 |
| یونٹ کے مقاصد | 239 |
| 1- خاندان کی ہیئت ترکیبی | 240 |
| 1.1 مرد، خاندان کا سربراہ | 240 |
| 2- والدین سے حسن سلوک | 241 |
| 3- رسول اکرم ﷺ کی عائلی زندگی | 243 |
| 3.1 آنحضور ﷺ بحیثیت شوہر | 243 |
| 3.2 محبت کرنے والے شوہر | 243 |
| 3.3 ازواجِ مطہرات کا محاسبہ | 244 |
| 3.4 حقوق کا خیال | 245 |
| 3.5 معاشی حقوق | 246 |
| 3.6 نجی زندگی کے بشری مظاہر | 248 |
| 4- خانگی انتظام | 251 |
| 4.1 اپنے کام خود انجام دینا | 251 |
| 4.2 دوسروں کے کام کر دینا | 251 |

| | |
|---|---|
| 4.3 گھریلو اخراجات کا انتظام | 252 |
| خود آزمائی نمبر 1 | 253 |
| 5- آنحضور ﷺ بحیثیت والد | 255 |
| 5.1 اولاد کی پرورش اور تربیت | 255 |
| 5.2 اولاد سے محبت | 258 |
| 5.3 بچوں پر شفقت و رحمت | 261 |
| 6- رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی | 264 |
| 6.1 قطع رحمی کی ممانعت | 264 |
| 7- غلاموں سے حسن سلوک | 267 |
| خود آزمائی نمبر 2 | 269 |
| 8- جوابات | 271 |

# یونٹ کا تعارف

فرد کی گھریلو زندگی اس کے سیرت و کردار کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے باہر کی زندگی میں ظاہرداری سے چادر اوڑھ کر نکلتا ہو اور جو کچھ وہ ہے، اپنے آپ کو اس سے مختلف شکل میں پیش کرتا ہو لیکن گھریلو زندگی میں وہ اس قسم کی چادر ڈالے رہنے میں زیادہ دنوں تک کامیاب نہیں رہ سکتا۔ اس وجہ سے کسی شخص کو جانچنے کے لیے سب سے بہتر معیار اس کی گھریلو اور نجی زندگی ہوتی ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دُنیا میں ایسی کئی عظیم ہستیاں گزری ہیں جنہوں نے انسانیت کے لیے کسی نہ کسی پہلو سے ہدایت کے سامان فراہم کیے ہیں لیکن کامل ہدایت ان سے ممکن نہ ہو سکی۔ زندگی کے تمام گوشوں سے متعلق وہ کامل نمونہ نہ دے سکے۔ یہ کمال صرف نبی اکرم ﷺ کو حاصل ہے کہ آپ ﷺ نے انسانیت کے لیے کامل نمونہ چھوڑا ہے جو تا قیامت باعثِ ہدایت رہے گا۔ زندگی کا کوئی پہلو، کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس پر آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ سے روشنی نہ پڑتی ہو اور انسانوں کے لیے کامل رہنمائی کا سامان نہ ہو۔ آپ ﷺ کی زندگی کے بے شمار مکمل و حسین پہلوؤں میں سے ایک اہم پہلو آپ ﷺ کی گھریلو نجی زندگی بھی ہے جسے آپ ﷺ نے اپنی تمام تر انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں کے باوجود انتہائی خوشگوار رکھا۔ آپ ﷺ کی زندگی کے اس پہلو کا مطالعہ اس طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ ایک خاندان کا فرد ہونے کی حیثیت سے ہمیں دیگر اہل خاندان سے کس طرح برتاؤ کرنا چاہیے۔ ہمارے آپس کے تعلقات کس قسم کے ہونے چاہئیں۔ ہم کس طرح اپنی گھریلو زندگی اور بیرونی مصروفیات کو متوازن رکھ سکتے ہیں۔

چنانچہ اپنی گھریلو زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے اسوۂ رسول اکرم ﷺ کے اس پہلو کا مطالعہ ہمارے لیے بے حد ضروری ہے خصوصاً اس دور میں جب کہ مغربی اثر کے ماتحت ہمارے گھروں میں خاندان کے ادارے کا استحکام ختم ہوتا جا رہا ہے۔ اس یونٹ میں آپ سیرت کے اسی پہلو کا مطالعہ کریں گے۔

# یونٹ کے مقاصد

ہمیں اُمید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1- خاندان کی ہیئت ترکیبی پر بحث کر سکیں اور خاندان میں مرد کی سربراہی کی وجوہات اور دلائل بیان کر سکیں۔

2- رسول اکرمﷺ کی عائلی زندگی پر روشنی ڈال سکیں اور آپﷺ کے گھریلو ماحول ، ازواج مطہرات سے تعلقات، ان کے حقوق کا خیال اور ازواجِ مطہرات کے باہمی تعلقات پر سیر حاصل تبصرہ کر سکیں۔

3- آنحضرتﷺ کی خانگی زندگی، گھریلو انتظامات اور گھریلو اخراجات کے بارے میں آپﷺ کے طرز عمل کی وضاحت کر سکیں۔

4- باپ کی حیثیت سے حضور اکرمﷺ کی سیرت اور تعلیمات کو اپنے الفاظ میں قلم بند کر سکیں۔

5- رشتہ داروں اور غلاموں سے آپﷺ کے حسن سلوک کے واقعات بیان کر سکیں۔

# 1-　خاندان کی ہیئت ترکیبی

خاندان کی ابتداء ہر مرد وعورت کے باہمی تعلق سے ہوتی ہے۔اس بنیادی تعلق کی بدولت انسانی زندگی کا کارواں آگے بڑھتا ہے۔ بچے ہوتے ہیں تو یہ مرد و عورت، والدین کا روپ دھار لیتے ہیں۔ بچے جوان ہوتے ہیں تو ازدواجی رشتے بنتے ہیں اور اس طرح کنبے اور قبیلے وجود میں آتے ہیں۔خون کے یہ رشتے بڑھتے ہیں اور اس طرح یہ وحدت پھیل کر معاشرہ بن جاتی ہے۔ انسانی زندگی کی کڑیاں یونہی پھیلتی اور سنورتی جاتی ہیں۔غرض یہ کہ خاندان کی سادہ اور ابتدائی صورت مرد وعورت کا مستحکم تعلق ہوتا ہے۔خاندان کے اس ادارے میں مرد کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے یعنی وہ اپنے خاندان کا سربراہ ہوتا ہے۔

## 1.1　مرد، خاندان کا سربراہ

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مرد ہی کیوں اس مرکزی حیثیت کا حامل ہوتا ہے؟ اسے کیوں سربراہ کا مقام حاصل ہوتا ہے؟ قرآنِ مجید میں اس بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾ (النساء: آیت 34)

''مرد عورتوں کے محافظ ہیں کیوں کہ بعض آدمیوں کو اللہ تعالیٰ نے بعض پر فضیلت عطا کی ہے اور اس وجہ سے (بھی) کہ مردوں نے عورتوں پر اپنا مال خرچ کیا''۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مرد چونکہ اپنی بیوی اور بچوں کی معاش کا انتظام کرتا ہے اس لیے اسے سربراہ کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ سربراہ خاندان کی حیثیت سے ایک مرد کا اپنے گھر والوں سے کس قسم کا سلوک ہونا چاہیے۔ اسے کیسا برتاؤ اپنے اہل خاندان کے ساتھ رکھنا چاہیے تو نبی اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ اس معاملے میں بھی رہنمائی کرتا ہے کہ سربراہ خاندان کو کن خطوط پر اپنی زندگی استوار کرنا چاہیے، اسے کس طرح اپنے بیوی بچوں سے سلوک کرنا چاہیے اور ان کے حقوق و دیگر ضروریات کو کس طرح پورا کرنا چاہیے۔

# 2- والدین سے حسن سلوک

خاندانی زندگی میں جن افراد سے سابقہ پڑتا ہے ان میں سب سے مقدم والدین ہیں۔ والدین کے ذریعے انسان دُنیا میں آتا ہے اور والدین ہی اپنا راحت و آرام قربان کر کے گوشت کے ایک لوتھڑے کو پال پوس کر قوی ہیکل جوان بننے میں مدد دیتے ہیں۔ اسی لیے قرآنِ حکیم نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد سب سے بڑی نیکی والدین کی خدمت بیان کی ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ کے والد محترم آپ ﷺ کی ولادت سے قبل وفات پا چکے تھے۔ آپ ﷺ کی عمر مبارک چھ سال تھی جب آپ ﷺ کی والدہ اللہ تعالیٰ کو پیاری ہوگئیں، دو سال بعد دادا عبد المطلب کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا البتہ آپ ﷺ کی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا اور رضاعی باپ حارث بن عبد العزیٰ آپ ﷺ کی بعثت کے بہت عرصہ بعد تک زندہ رہے اور آپ ﷺ کو ان کی خدمت کا موقع ملا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے نکاح کے بعد ایک مرتبہ حلیمہ سعدیہ مکہ معظمہ میں آئیں اور آپ ﷺ سے خشک سالی کی شکایت کی اور بتایا کہ ساری قوم قحط کا شکار ہو رہی ہے۔ یہ سُن کر آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اس بارے میں گفتگو کی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بیس بکریاں اور سواری کے لیے ایک اونٹ دے کر حلیمہ سعدیہ کو رخصت کیا۔

دوسری مرتبہ غزوۂ حنین کے موقع پر آئیں تو آپ ﷺ نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا "امی، امی! (ماں، ماں!)" پھر آپ ﷺ نے اپنی چادر ان کے لیے بچھا دی اور وہ اس پر بیٹھ گئیں۔ پھر آپ ﷺ نے ان کی ضرورت پوری کر کے اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔

آپ ﷺ کے رضاعی والد مکے میں آ کر مسلمان ہوئے اور آپ ﷺ نے ان کی بہت عزت و تکریم کی۔ آپ ﷺ کی رضاعی بہن حضرت شیماء رضی اللہ عنہا غزوۂ حنین میں گرفتار ہوئیں۔ انہیں آنحضرت ﷺ کے سامنے لایا گیا تو آپ ﷺ نے ان کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر بچھا دی اور فرمایا کہ اگر چاہو تو عزت و شفقت سے میرے پاس قیام کرو اور اگر اپنی قوم میں جانا چاہو تو تمہیں بحفاظت پہنچا دوں۔ انہوں نے واپس جانے کو ترجیح دی۔

چنانچہ حضور ﷺ نے انہیں ان کی قوم میں بھیج دیا اور روانگی کے وقت تین غلام، ایک لونڈی اور کچھ اونٹ اور بکریاں عطا کیں۔ آنحضرت ﷺ نے اسی رضاعی رشتے کا پاس کرتے ہوئے غزوۂ حنین میں قید ہونے والے قبیلہ بنوسعد کے تقریباً چھ ہزار مردوں، عورتوں اور بچوں کو آزاد کر دیا اور ان کے مال مویشی بھی انہیں واپس کر دیے۔ رضاعی رشتوں کی اس قدر تعظیم سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضور ﷺ کی نظر میں حقیقی والدین کس قدر عزت و احترام کے مستحق ہیں۔ احادیث میں اگرچہ والدین میں سے ہر ایک کی خدمت اور عزت کرنے کی تاکید کی گئی ہے مگر ماں کو باپ کی نسبت تین گنا زیادہ حسن سلوک کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے والدین کے احترام کو اس قدر ملحوظ رکھا کہ کسی دوسرے کے والدین کو گالی دینے کی اجازت نہیں دی۔

قرآن مجید میں متعدد جگہ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا:

﴿ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا﴾ ”اور ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو“۔

ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ سے جہاد میں شرکت کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی ماں کی خدمت کرو نیز فرمایا کہ جنت تمہاری ماؤں کے قدموں میں ہے۔

ایک شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں شکایت کی کہ اُس کا والد اُس کے مال لینا چاہتا ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (اَنْتَ وَمَا لُکَ لِاَ بِیْکَ) ”تو اور تیرا مال دونوں تیرے باپ کے ہیں“۔

اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ماں باپ کا نفقہ واجب ہے خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، خواہ کام کرنے کی طاقت رکھتے ہوں یا نہ۔

# 3- رسولِ اکرمﷺ کی عائلی زندگی

## 3.1 حضور اکرمﷺ بحیثیت شوہر

خانگی زندگی میں سب سے پہلا تعلق شوہر اور بیوی کا ہوتا ہے۔ آپﷺ نے ایک سے زائد نکاح کیے اور تمام ازواج سے مثالی سلوک کیا۔ نبی کریمﷺ کے کاشانۂ اقدس میں بیک وقت مختلف مزاج، مختلف حیثیت اور مختلف عمر کی ازواجِ مطہرات تھیں۔ ان میں عرب کے سرداروں کی بیٹیاں بھی تھیں، غریب و نادار خواتین بھی، صاحبِ حسن و جمال بھی تھیں اور صاحبِ کمال بھی، زیادہ عمر والیاں بھی تھیں اور کم عمر والیاں بھی، تیز مزاج بھی تھیں اور صبر و تحمل والیاں بھی، لیکن آپﷺ نے سب کے حقوق ادا کیے اور سب سے یکساں مہر و محبت کا برتاؤ رکھا کہ کبھی کسی کو شکایت کا موقع نہ ملا۔

نبی اکرمﷺ کی عائلی زندگی کے مطالعے کے لیے مندرجہ ذیل نکات پیش کیے جاتے ہیں:

| | | | |
|---|---|---|---|
| -1 | محبت کرنے والے شوہر | -2 | حقوق کا خیال |
| -3 | نجی زندگی کے بشری شوہر | -4 | انتظام خانگی |

## 3.2 محبت کرنے والے شوہر

آنحضورﷺ اپنی ازواجِ مطہرات سے حد درجہ محبت رکھتے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپﷺ کی پہلی بیوی تھیں۔ جب وہ نکاح میں آئیں تو اُن کی عمر چالیس برس تھی۔ نکاح کے بعد پچیس برس تک زندہ رہیں۔ نبی کریمﷺ کو ان سے بے انتہا محبت تھی اور ان کی زندگی تک حضور اکرمﷺ نے کوئی دوسری شادی نہ کی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد بھی آپﷺ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ جب بھی کوئی جانور ذبح کرتے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کے پاس اس کا گوشت ضرور بھجواتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

> ”مجھے جتنا رشک خدیجہ رضی اللہ عنہا پر آتا تھا، اتنا رسول اکرمﷺ کی کسی بیوی پر نہیں آتا تھا، حالانکہ میں نے انہیں دیکھا بھی نہیں تھا لیکن رسول اکرمﷺ اُن کا بکثرت ذکر کیا کرتے تھے اور

اکثر آپ ﷺ کوئی بکری ذبح فرماتے، پھر اس کے ایک ایک عضو کو جدا فرماتے اور اسے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ملنے والیوں کے پاس بھیج دیا کرتے تھے۔ کبھی میں آپ ﷺ سے کہہ دیتی کہ دُنیا میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سوا اور کوئی عورت ہی نہیں، تو فرماتے، ہاں وہ ایسی ہی تھی اور انہی سے میری اولاد ہوئی"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

"ایک مرتبہ حسانہ مزنیہ نبی کریم ﷺ سے ملنے آئیں ۔ آپ ﷺ نہایت مہربانی سے اس کا حال دریافت فرماتے رہے وہ چلی گئی تو میں نے پوچھا یہ بڑھیا کون تھی جس سے ایسی عنایت سے آپ باتیں فرماتے تھے۔ فرمایا: خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلی تھی، اسے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت تھی۔"

آپ ﷺ کے اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ تعلقات انتہائی خوشگوار تھے۔ کسی کی بھی دل شکنی آپ ﷺ کو گوارہ نہ تھی۔ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔ دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ آپ ﷺ نے رونے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ عائشہ اور زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہم تمام ازواج سے افضل ہیں ہم آپ ﷺ کی زوجہ ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی چچا زاد بھی ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کی دلداری کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہارون علیہ السلام میرے باپ، موسیٰ علیہ السلام میرے چچا اور محمد ﷺ میرے شوہر ہیں۔

آپ ﷺ کو اگرچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بے حد محبت تھی لیکن یہ محبت دوسری ازواج مطہرات کی حق تلفی کا باعث نہ بنتی چنانچہ اپنی زندگی کے آخری ایام بھی آپ ﷺ نے تمام ازواجِ مطہرات سے اجازت لے کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں بسر کیے تھے۔ بہرکیف حضور اکرم ﷺ اپنی بیویوں سے محبت کرنے والے شوہر تھے۔ ازواجِ مطہرات سے کامل اعتماد اور محبت کی خوشگوار فضا کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتے۔

## 3.3 ازواجِ مطہّرات کا محاسبہ

اس تمام محبت و اعتماد کے باوجود آپ ﷺ ان کے محاسبے سے غافل نہ رہتے تھے۔ دینی معاملات میں اگر ادنیٰ سی کوتاہی بھی کسی سے سرزد ہو جاتی تو حضور ﷺ ضرور ٹوک دیا کرتے تھے۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ شہادت

دیتی ہیں کہ حضور ﷺ اپنے ذاتی معاملات میں کسی سے باز پرس نہ فرماتے تھے لیکن اللہ تعالی کے معاملے میں ہر کوتاہی پر ضرور پوچھ گچھ کرتے تھے اور اس احتساب سے کوئی محبوب سے محبوب شخصیت بھی بچ نہیں سکتی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے ایک مرتبہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ الفاظ نکل گئے تھے کہ :''صفیہ رضی اللہ عنہا میں یہ عیب کیا کم ہے کہ ان کا قد چھوٹا ہے؟''

یہ بات ان کی زبان سے نکلنا تھی کہ آپ ﷺ نے فوراً ان الفاظ میں تنبیہ فرمائی

''عائشہ! تم نے ایک ایسی بات زبان سے نکالی ہے کہ اگر وہ سمندر میں ملا دی جائے تو اِس کی کڑواہٹ اُسے بھی تلخ کر کے رکھ دے''۔

حضور ﷺ کا یہ محاسبہ بھی دراصل آپ ﷺ کی محبت کا ایک پہلو تھا۔ جو لوگ اپنے گھر والوں سے محض مادی قسم کی محبت رکھتے ہیں وہ اپنے ذاتی راحت و آرام سے تعلق رکھنے والی باتوں پر تو بڑے سخت گیر اور تنگ مزاج ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالی اور شریعت کے معاملات میں وہ بڑے روادار اور فیاض ہوتے ہیں۔ حالانکہ شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کوتاہیوں کو نظر انداز کر دیا جائے جو اُن کی ذات سے متعلق ہیں اور شریعت کے معاملات پر سستی یا غفلت برتنے پر گرفت کی جائے۔ حضور ﷺ کا یہی طریقہ تھا۔ آپ ﷺ اپنے ذاتی آرام سے زیادہ اس بات کی فکر میں رہتے تھے کہ گھر والے اپنی آخرت کی ذمہ داریوں سے غافل نہ ہونے پائیں۔

## 3.4 حقوق کا خیال

نبی اکرم ﷺ کی ایک سے زائد بیویاں تھیں لیکن آپ ﷺ نے تمام کے درمیان عدل و توازن برقرار رکھا اور ہر ایک کے حقوق ادا کیے۔ کبھی ایسا نہ ہوا کہ آپ ﷺ نے کسی کے حقوق پر کسی دوسری زوجہ کو فضیلت دی ہو یا کبھی عدل و توازن کو ہاتھ سے جانے دیا ہو۔ تمام ازواج کو ان کے حقوق ادا کرنا آپ ﷺ کا بہترین اور مثالی کارنامہ ہے۔

عرب کے اس معاشرے میں جہاں عورت کو جینے کا بھی حق حاصل نہیں تھا، آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ بہترین سلوک کر کے عورت کی حیثیت اور معاشرے میں اس کے مقام کا تعین کیا۔ آپ ﷺ کا اسوہ قرآن پاک کی اس آیت کی عملی تفسیر تھا۔

(وَعَاشِرُ وھُنّ بِالْمعروف) ''اور ان کے ساتھ اچھی طرح رہو سہو''۔

آپ ﷺ کے متعدد ارشادات میں عورتوں سے حسن سلوک کی تلقین کی گئی ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضورﷺ نے فرمایا:

(خَیْرُ کم خیر کم لِاَ ھْلِہٖ وَاَنَا خَیْرُ کُم لِاَھْلِیْ)

''تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہے اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ بہت اچھا ہوں''۔

(اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَاناً اَحْسَنُھُمْ خُلُقاً وَخَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِنِسَاءِ ھِمْ)

''مومنین میں سے کامل ایمان والا وہ ہے جو سب سے زیادہ حسن اخلاق والا ہے اور تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کے لیے سب سے بہتر ہے''۔

حضور ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے حقوق کا اس حد تک خیال رکھتے تھے کہ جب آپ ﷺ سفر پر روانہ ہوتے تو اپنی رضا سے یا ازواج میں سے کسی کی خواہش پر ان کو ساتھ نہ لیتے بلکہ اس سلسلے میں تمام ازواج کے نام قرعہ ڈالتے تھے اور جس کے نام قرعہ نکل آتا تھا وہ ساتھ جاتی تھیں پھر کسی کے لیے کوئی عذر بھی نہیں رہ جاتا تھا۔آپ ﷺ ازواج مطہرات سے اس طرح سلوک کرتے کہ ان میں سے ہر ایک کو یہی احساس ہوتا کہ گویا آپ ﷺ انہی کے لیے ہیں۔آپ ﷺ ان کا اس طرح خیال رکھتے تھے کہ گھر کے کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹا دیتے اور ان کی ہر ضرورت کو پیش نظر رکھتے تھے۔

## 3.5 معاشی حقوق

### 3.5.1 مہر

بیویوں کے حقوق میں معاشی تحفظ کو بہت اہمیت حاصل ہے۔قرآن پاک میں ان کے مہر کا حکم دیتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاٰتُوا النِّسَاءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـئًا مَّرِيْٓـئًا﴾ (النساء:4)

''اور تم بیویوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دے دیا کرو، ہاں اگر وہ اس مہر کا کچھ حصہ تمہارے لیے

خوش دلی سے چھوڑ دیں تو خوش ہو کر کھاؤ''۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَعَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ ﴾

''وسعت والے پر اس کی حیثیت کے مطابق اور تنگ دست پر اس کی حیثیت کے مطابق''۔

انہی امور کا ذکر احادیث میں تفصیلاً آیا ہے:

حضرت ابو سلمہ ؓ کہتے ہیں کہ

''میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات کا مہر کتنا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ کا مہر اپنی بیویوں کے لیے بارہ اوقیہ اور ایک نش تھا۔ پھر حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ نش کو جانتے ہو؟ میں نے کہا: نہیں، کہا کہ نصف اوقیہ اور سب ملا کر پانچ سو درہم''۔

اس سلسلے میں حضرت عمر فاروق ؓ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ

''خبردار! عورتوں کا مہر زیادہ نہ باندھو۔ اگر زیادہ مہر باندھنا دُنیا میں زیادہ عظمت کا سبب اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تقویٰ کا باعث ہوتا تو نبی اکرم ﷺ اس کے زیادہ حقدار تھے اور مجھے نہیں معلوم آپ ﷺ نے اپنی کسی بیوی یا بیٹی کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ رکھا ہو''۔

## 3.5.2 نان ونفقہ

حکم بن معاویہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی یارسول اللہ! شوہر پر بیوی کا کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جب کھائے تو اسے کھلائے، جب پہنے تو اسے پہنائے، نہ اس کے چہرے پر مارے اور نہ اسے برا بھلا کہے اور گھر کے سوا اس سے علیحدگی نہ اختیار کرے''۔

''جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آل محمد ﷺ نے سیر ہو کر متواتر تین رات گیہوں کی روٹی نہ

کھائی، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے وفات پائی"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

"ہم لوگوں کو آگ جلائے ہوئے ایک ایک مہینہ گزر جاتا تھا۔ کبھی ہم صرف کھجوریں اور پانی استعمال کیا کرتے تھے مگر یہ کہ تھوڑا سا گوشت ہم لوگوں کے پاس آ جاتا تو اسے استعمال کر لیا کرتے تھے"۔

ان حالات میں ازواجِ مطہرات کی طرف سے شکایت کا پیدا ہونا قدرتی امر تھا چنانچہ ازواجِ مطہرات کی طرف سے مطالبہ ہوا تو قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

﴿ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ وَاُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحاً جَمِیْلاً وَاِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْکُنَّ اَجْراً عَظِیْماً ﴾ (الاحزاب:29)

"اے نبی ﷺ! اپنی بیویوں سے کہو کہ اگر تم دُنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو تو میں تمہیں کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کر دوں اور تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کی طلب گار ہو تو جان لو کہ تم میں سے جو نیکوکار ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس پر ازواجِ مطہرات کا ردِ عمل بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ

"رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اختیار دے دیا تو ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو پسند کیا اور آپ ﷺ نے اسی کو اختیار کیا"۔

## 3.6 نجی زندگی کے بشری تقاضے

آنحضور ﷺ کا گھر ایک انسانی گھر تھا جس کی فضا میں فطری جذبات کا مدوجزر تھا۔ اس میں آنسو بھی تھے اور خوشیاں بھی۔ محبتیں بھی کارفرما تھیں اور کبھی کبھی رشک بھی۔ پریشانیاں بھی ہوتیں اور تفریح کے لمحات بھی میسر آتے۔ جب نبی کریم ﷺ گھر میں آتے تو تمام گھر میں شگفتگی پھیل جاتی، گفتگو بھی ہوتی، مشورے بھی ہوتے۔ غرض دُور دُور تک بیزاری یا اکتاہٹ

کا نشان نہیں تھا۔ایک واقعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

''میں نے خزیرۃ ( قیمہ کو پانی میں پکا کر اس پر آٹا چھڑکتے ہیں جو ساتھ ہی پکتا ہے ) تیار کیا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں اور رسولِ خدا ﷺ دونوں کے درمیان بیٹھے تھے۔ بے تکلفی کی فضا تھی۔ میں نے سودہ سے کہا: کھاؤ۔ انہوں نے انکار کیا، پھر اصرار کیا، انہوں نے انکار کیا ادھر سے پھر کہا گیا کہ کھاؤ ورنہ میں تمہارے منہ پر مل دوں گی ۔ حضرت سودہ نے پھر بھی نہ کھایا۔ میں نے خزیرہ میں ہاتھ ڈال کر سودہ کے منہ پر مل دیا۔ اس بے تکلفی پر حضور ﷺ خوب ہنسے اور سودہ سے کہا کہ تم بھی اس کے منہ پر ملوتا کہ حساب برابر ہو جائے چنانچہ سودہ نے بھی ایسا کیا۔ حضور ﷺ پھر ہنسے۔''

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں۔ ایک دن انہوں نے کھانا پکا کر حضور ﷺ کے پاس بھیجا۔ آپ ﷺ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خادم کے ہاتھ سے پیالہ لے کر زمین پر دے مارا۔ آنحضور ﷺ نے پیالے کے ٹکڑے چن کر انہیں یکجا کیا اور دوسرا پیالہ منگوا کر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو بھجوایا۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضور ﷺ سے بلند آواز سے باتیں کر رہی تھیں۔ اتفاقاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آ گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تھپڑ مارنا چاہا لیکن آنحضور ﷺ آڑے آ گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غصے میں باہر چلے گئے۔ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ کیوں عائشہ کیسا بچایا، تو انہوں نے شرمندہ ہو کر گردن جھکا دی۔ چند روز بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ حالت بدل چکی ہے۔ بولے مجھے بھی صلح میں شریک کر لو جیسے اس دن میں نے جنگ میں شرکت کی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو مجھ سے جب ناراض ہوتی ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں۔ بولیں آپ ﷺ کو کیوں کر معلوم ہوا۔ ارشاد ہوا جب تو خوش ہوتی ہے تو محمد ﷺ کے رب کی قسم کھاتی ہے اور جب ناراض ہوتی ہے تو ابراہیم علیہ السلام کے رب کی قسم کھاتی ہے۔

ایک مرتبہ چند ازواجِ مطہرات نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آنحضور ﷺ کے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔ آپ نے

حضور ﷺ سے عرض کی کہ ازواج مطہرات نے مجھے سفیر بنا کر بھیجا ہے کہ آپ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی کو ہم پر ترجیح دیتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا، جانِ پدر! کیا تم اس کو نہیں چاہتیں جسے میں چاہتا ہوں۔ جناب سیدہ نے واپس جا کر کہا کہ اب میں اس معاملے میں دخل نہ دوں گی چنانچہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا جنہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برابری کا دعویٰ تھا، وہ منتخب ہوئیں۔ انہوں نے پیغام بڑی دلیری سے پیش کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سنتی رہیں پھر اذنِ رسول ﷺ پا کر اس زور کی تقریر کی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا لاجواب ہوگئیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا، کیوں نہ ہو، ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی خانگی زندگی کی یہ تفصیلات ظاہر کرتی ہیں کہ گھریلو ماحول میں انسانی تقاضے کیا مسائل پیدا کرتے ہیں اور انہیں کس طرح حل کرنا چاہیے۔

آپ ﷺ کا گھر انسانوں کا گھر تھا اور اس میں سارے انسانی جذبات کارفرما تھے مگر اس گھر میں معصیت اور گناہ نہ تھا۔ اس لحاظ سے یہ گھر مثالی گھر تھا۔

رات کو جب نبی اکرم ﷺ بستر پر ہوتے تو اہل وعیال سے گفت وشنید فرماتے، کبھی گھریلو امور پر اور کبھی عام مسلمانوں کے مسائل پر۔ یہاں تک کہ کبھی قصہ کہانی بھی سنایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ام زرع کی کہانی بیان کی۔ اس کہانی میں ام زرع نامی عورت اپنے خاوند کا اعلیٰ کردار پیش کرتی ہے۔ کہانی کے خاتمے پر حضور اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا "میں بھی تمہارے حق میں ویسا ہی ہوں جیسا کہ ابوزرع، ام زرع کے لیے تھا"۔

ان تمام واقعات سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا گھر جیتے جاگتے انسانوں کا گھر تھا جس میں جذبات واحساسات کے اُتار چڑھاؤ بھی تھے، شگفتگی اور خوش گفتاری بھی تھی اور رشک وشکر کے ملے جلے جذبات بھی، شفقت و محبت بھی تھی اور ایک دوسرے کے لیے عزت واحترام بھی۔

# 4- خانگی انتظام

گھریلو معاملات میں اس وقت بہت پیچیدگی پائی جاتی ہے جب رہن سہن، انتہائی پر تکلف ہو، عیش وعشرت کا ہر سامان میسر ہو اور خواہشات لامحدود ہوں لیکن اگر خواہشات کو محدود رکھا جائے اور رہن سہن میں سادگی پائی جائے تو پھر گھر کے انتظام میں بہت آسانی رہتی ہے۔ آنحضور ﷺ اور آپ ﷺ کے خاندان کا رہن سہن انتہائی سادہ تھا، نہ کوئی آرائش تھی اور نہ زیبائش، توکل وقناعت کا سہارا تھا۔ گھر کے معاملات بھی سادہ تھے اور ان میں کوئی پیچیدگی نہیں پائی جاتی تھی۔

## 4.1 اپنے کام خود انجام دینا

نبی اکرم ﷺ اپنے گھریلو امور خود انجام دیتے تھے۔ آپ ﷺ اپنے ذاتی کام کے لیے کبھی کسی کو تکلیف نہ دیتے۔ ایک مرتبہ کسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اکرم ﷺ اپنے گھر میں کیا کیا کام کرتے تھے تو انہوں نے فرمایا:

"آپ ﷺ اپنے کپڑوں کی دیکھ بھال خود کرتے تھے، بکری کا دودھ خود ہی دوہتے تھے اور اپنی ضرورتیں خود ہی پوری کیا کرتے تھے"۔

نیز آپ ﷺ اپنے کپڑوں کو خود ہی پیوند لگا لیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ بوجھ اُٹھا لیا کرتے، جانوروں کو چارہ ڈال دیتے، کوئی خادم ہوتا تو اس کے ساتھ مل کر آٹا پیس لیا کرتے تھے اور کبھی کبھی اکیلے ہی مشقت کر لیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کو بازار جانے میں کوئی عار نہ تھا، خود ہی سودا سلف لاتے اور ضرورت کی چیزیں ایک کپڑے میں باندھ کر لے آیا کرتے تھے، آپ ﷺ گھر میں جھاڑو دے لیا کرتے تھے، غلاموں اور مسکینوں کے ساتھ بلا تکلف بیٹھ کر کھانا تناول فرما لیتے اور حد تو یہ ہے کہ دوسروں کا بھی معمولی کام کرنے میں کوئی تامل نہ فرماتے تھے۔

## 4.2 دوسروں کا کام کر دینا

بعض صحابہ جو گھر میں نہ ہوتے تو ان کے گھر جا کر ان کی بکریاں دوہیا کرتے تھے۔ مسجد قباء، مسجد نبوی، اور غزوۂ خندق میں آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے ساتھ مل کر کام کیا۔ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ آپ ﷺ سب سے خندہ پیشانی سے ملا کرتے تھے۔ ضعیف وکمزور کو آپ ﷺ کبھی بھی حقیر نہ جانتے تھے اور یہ سب تعلیماً تھا کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو کسی پیشے یا

کام کی وجہ سے حقیر نہ جانے اور جائز طور پر جو بھی کام کیا جائے اور جو بھی پیشہ اختیار کیا جائے وہی اچھا ہے کیونکہ اسلام سے پہلے اور موجودہ دور میں بھی بعض پیشوں کے باعث ان کے اختیار کرنے والوں کو برا سمجھا جاتا ہے اس لیے حضور اکرم ﷺ نے عملاً کر کے دکھایا کہ کوئی پیشہ ہو، اگر وہ جائز ہے تو ذلیل نہیں۔

## 4.3 گھریلو اخراجات کا انتظام

آپ ﷺ کا اپنا طریقہ کار یہ تھا کہ جو کچھ آتا اسے تقسیم کر دیتے، یہاں تک کہ اگر دے دلا کر کچھ بچ رہتا تو اس وقت تک گھر میں نہ جاتے، جب تک وہ بھی کارِ خیر میں صرف نہ ہو جاتا لیکن ازواجِ مطہرات اور مہمانوں کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کا انتظام حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا۔

عبداللہ ہوزنی سے روایت ہے کہ میں نے بلالؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے خانگی انتظام کا کیا حال تھا؟ انہوں نے کہا کہ

> ''آنحضرت ﷺ کا تمام کاروبار میرے سپرد تھا اور آغاز سے اخیر زمانہ تک وفات تک میرے سپرد رہا معمول تھا کہ جب کوئی نادار مسلمان آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو مجھے ارشاد ہوتا، میں کہیں سے جا کر قرض لاتا اور اس کے کھانے کپڑے کا انتظام کر دیتا''۔

ازواجِ مطہّرات کے لیے یہ انتظام تھا کہ بنو نضیر کے نخلستان میں ان کا حصہ مقرر کر دیا گیا تھا۔ وہ فروخت کر دیا جاتا تھا جو سال بھر کے مصارف کے لیے کافی ہوتا تھا البتہ خیبر فتح ہوا تو بہت فراوانی ہوئی اور ازواج کے لیے فی کس 80 وسق کھجور اور 20 وسق جو سالانہ مقرر کیا گیا۔

نبی کریم ﷺ کے گھریلو امور کے انتظام سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی شاہانہ زندگی بسر نہ کی حالانکہ فتوحات کے بعد مالِ غنیمت کی کثرت کے سبب آپ ﷺ ایسا کر سکتے تھے مگر آپ ﷺ نے کبھی بھی دُنیاوی بادشاہوں کی طرح زندگی گزارنا پسند نہ فرمایا۔ آپ ﷺ انتہائی سادہ اور معمولی غذا کھاتے اور گھر میں جو کچھ آتا، اسے تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات نے کبھی عیش و عشرت کی زندگی نہیں گزاری بلکہ انتہائی عسرت (تنگی) میں بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ

> ''ہم تمام بیویوں کے پاس صرف ایک ایک جوڑا کپڑے کا تھا''۔

## خود آزمائی نمبر 1

1- خاندان کی ابتداء کیسے ہوتی ہے؟

2- مرد کو خاندان کی سربراہی کیوں حاصل ہے؟

3- آنحضرتﷺ کی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے بعد حلیمہ سعدیہ آنحضرتﷺ سے کتنی بار ملیں؟

4- شیماء کون تھیں؟

5- آنحضرتﷺ کا رضائی قبیلہ کون سا تھا؟

6- ماں، باپ کی بہ نسبت کتنے درجہ زیادہ حسن سلوک کی مستحق ہے؟

7- حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے وقت حضور اکرمﷺ کی عمر کتنی تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر کتنی تھی؟

8- حسانہ مزنیہ کون تھیں؟

9- حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کس خاندان سے تھیں؟

10- ازواجِ مطہرات کے محاسبہ کا کوئی واقعہ اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔

11- ترجمہ کریں: **وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوف**

12- بیوی کے معاشی حقوق کون کون سے ہیں؟

13- آنحضرتﷺ کون سی زوجہ مطہرہ کو سفر میں اپنے ساتھ لے جاتے تھے؟

14- ازواجِ مطہرات کے اخراجات کا کیا انتظام تھا؟

15- خالی جگہ پُر کریں:

(i) آپﷺ کی عمر ________ سال تھی جب آپﷺ کی والدہ ماجدہ اللہ تعالیٰ کو پیاری ہوگئیں۔

(4 سال 6 سال 8 سال)

(ii) ______________ کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں۔

(حضرت سودہ رضی اللہ عنہا ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا)

(iii) آنحضرت ﷺ کی تمام بیویوں کے پاس صرف ______________ کپڑے ہوتے۔

(ایک ایک جوڑا ۔ تین تین جوڑے ۔ دو دو جوڑے)

# 5- نبی اکرم ﷺ بحیثیت والد

نبی کریمﷺ کو اپنی اولاد سے بے حد محبت تھی۔ آپﷺ اپنی اولاد کا ہر طرح سے خیال رکھتے اور ان پر حد درجہ شفقت فرماتے تھے۔ اس کے ساتھ آپﷺ ان کی تربیت کا بھی خاص خیال رکھتے تھے۔ آپﷺ انہیں اُخروی زندگی کے ثمرات سے آگاہ کرتے اور دُنیاوی زندگی اور دُنیا کی چیزوں سے بے رغبتی برتنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔

آپﷺ کی محبت اپنی اولاد سے اس حد تک نہیں بڑھی تھی کہ حدود اللہ کا خیال نہ رکھتے۔ قرآنِ مجید میں اسی لیے مال اور اولاد کو آزمائش قرار دیا گیا ہے کہ ان دونوں سے انسان بے انتہا محبت کرتا ہے اور اولاد کی محبت میں تو ہر جائز و ناجائز کام کرنے کو تیار ہو جاتا ہے لہٰذا آنحضورﷺ نے اپنے اسوۂ مبارکہ سے اس بات کی طرف رہنمائی کی ہے کہ اولاد سے یہ محبت حد سے زیادہ نہ بڑھے کہ اللہ تعالیٰ کی حدود کا بھی خیال نہ رہے بلکہ اس میں اعتدال و توازن برقرار رہے۔ اولاد سے محبت بھی کی جائے اور ان کی غلطیوں پر انہیں تنبیہ بھی کی جائے۔

اچھا باپ بننے کے لیے اسوۂ رسولﷺ کے مندرجہ ذیل پہلوؤں سے رہنمائی حاصل کرنا چاہیے:

(1) اولاد کی پرورش اور تربیت (2) اولاد سے محبت

(3) عام بچوں پر شفقت و رحمت

## 5.1 اولاد کی پرورش اور تربیت

آنحضورﷺ کی زیادہ دیر تک زندہ رہنے والی اولاد میں آپﷺ کی بیٹیاں ہی تھیں جو کہ بعثت سے قبل پیدا ہوئی تھیں۔ بیٹے زیادہ عرصے تک زندہ نہ رہے بلکہ بچپن میں ہی انتقال کر گئے۔

آپﷺ کے بعض ارشادات سے اولاد کی پرورش کے بارے میں آپﷺ کا نقطۂ نظر واضح ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے پاس ایک عورت مانگنے کے لیے آئی۔ اس کے ساتھ دو بیٹیاں تھیں۔ اس نے میرے پاس سوائے کھجور کے کچھ نہ پایا، میں نے اسے وہی دے دی۔ اس نے وہ دونوں بیٹیوں کے درمیان تقسیم کر دی، پھر کھڑی ہوئی اور باہر چلی گئی۔ اس کے بعد نبی کریمﷺ گھر تشریف لائے تو میں نے آپﷺ کو بتایا۔ آپﷺ نے فرمایا:

"جس کو جوان بیٹیوں کی وجہ سے آزمائش میں ڈالا گیا اور اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو وہ اس کے لیے دوزخ سے آڑ ثابت ہوں گی"۔

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی حتیٰ کہ وہ بالغ ہو گئیں تو وہ اور میں قیامت کے روز اس طرح آئیں گے اور آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ملا دیا۔"

ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جس کے ہاں عورت (بہن، بیٹی) ہو، اور وہ اسے زندہ نہ گاڑھے، اس کی توہین نہ کرے اور لڑکوں کو اس پر ترجیح نہ دے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا"۔

## 5.1.1 بہترین نام رکھنا

اولاد کے حقوق کے ضمن میں یہ بحث بھی کی گئی ہے کہ اس کا نام اچھا رکھا جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے تمام بچوں کے نام اچھے رکھے اور دوسروں کو بھی اچھے اور بامعنی نام رکھنے کا حکم دیا۔

ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ

(احب الاسماء إلیٰ اللّٰهِ عبد اللّٰه وعبد الرحمٰن)

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پیارا نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہے"۔

نومولود بچے کو عبداللہ اور عبدالرحمٰن کے نام سے موسوم کرنا درحقیقت اسے توحید سے آگاہ کرنا اور اللہ کی بندگی سکھانا ہے۔

ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

"قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدبخت اور بدترین نام اس شخص کا ہو گا جو خود کو شہنشاہ کہلاتا ہے"۔

ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جس کے ہاں لڑکا پیدا ہوا، اس کا اچھا نام رکھنا چاہیے۔ اس کی بہترین تربیت کرنی چاہیے اور جب بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کر دینی چاہیے۔ اگر وہ بالغ ہو اور اس کی شادی نہ کی اور اس نے گناہ کا ارتکاب کیا تو اس کا گناہ باپ کے سر ہے''۔

## 5.1.2 تعلیم و تربیت

نبی اکرم ﷺ کے تمام بیٹے بچپن میں وفات پا گئے تھے البتہ آپ ﷺ نے اپنی بیٹیوں کی بہترین تربیت کی تھی اور مناسب مواقع پر ان کی شادیاں کیں۔ آپ ﷺ کی چاروں بیٹیوں نے بہترین ازدواجی زندگی گزاری۔ اس میں رسول اکرم ﷺ کی تربیت ہی کا دخل ہے۔

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کسی غزوے سے تشریف لائے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بطور خیر مقدم کے گھر کے دروازوں پر پردے لٹکائے اور دونوں صاحبزادوں حضرت حسن اور حضرت حسین ؓ کو چاندی کے کنگن پہنائے۔ آپ ﷺ حسب معمول سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئے تو اس دُنیاوی ساز و سامان کو دیکھ کر واپس چلے گئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی ناراضگی کو فوراً سمجھ گئیں۔ اسی وقت پردہ چاک کر دیا اور بچوں کے ہاتھوں سے کنگن نکال لیے۔ بچے اپنے نانا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''یہ میرے اہل بیت ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ دُنیاوی آسائشوں سے آلودہ ہوں۔ اس کے بدلے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے ایک عصیب کا ہار اور دو ہاتھی کے دانت کے کنگن خرید لاؤ''۔

ایک مرتبہ حضرت علی ؓ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سونے کا ہار لا کر دیا، آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا:

''کیوں فاطمہ! لوگوں سے کہلوانا چاہتی ہو کہ رسول اللہ کی بیٹی آگ کا ہار پہنتی ہے''۔

چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فوراً اس کو بیچ کر اس کی قیمت سے ایک غلام آزاد کر دیا۔

چنانچہ یہ آپ ﷺ کی تربیت کا ہی اثر تھا کہ آپ ﷺ کی اولاد نے کبھی بھی اپنے آپ کو دُنیاوی آلائشوں میں ملوث نہیں کیا۔

## 5.2 اولاد سے محبت

آنحضور ﷺ کو اپنی اولاد سے بے پناہ محبت تھی اور آپ ﷺ نے مختلف مواقع پر اپنی اس محبت کا اظہار بھی کیا آپ ﷺ نے اپنی اولاد سے جس محبت اور شفقت کا اظہار کیا وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ایسا کرنا تقویٰ، بزرگی اور پیغمبری کے خلاف نہیں۔ یہ تو فطری جذبہ ہے اور ہر شخص میں موجود ہوتا ہے۔ جو لوگ اس فطری جذبے کا اظہار نہیں کرتے وہ اپنی طبیعت پر جبر کرتے ہیں حالانکہ محبت میں بخل برتنا تو شخصی کمزوری کی علامت ہے۔

نبی کریم ﷺ چونکہ کامل اور مکمل شخصیت کے مالک تھے لہٰذا اس معاملے میں بھی آپ ﷺ کی ذات مکمل رہنمائی کا سامان فراہم کرتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی اس محبت سے آپ ﷺ کے بیٹے جو بچپن میں فوت ہو گئے تھے، شادی شدہ بیٹیاں، نواسے نواسیاں اور داماد سب ہی بہرہ اندوز ہوئے۔

آپ ﷺ نے جب اپنے بیٹے ابراہیم کی پیدائش کی خبر سنی تھی تو خبر سنانے والے کو ایک غلام عطا کیا، بچے کا عقیقہ کیا اور سر کے بالوں کے برابر چاندی بطور صدقہ عطا کی تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے روایت ہے کہ

> ”صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ حرم سے باہر نکل کر ہمارے پاس آئے اور فرمایا آج شب کو میرے ہاں لڑکا ہوا ہے اور میں نے اپنے باپ کے نام پر اس کا نام ابراہیم رکھا ہے“۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ

> ”میں نے کسی کو اپنے خاندان سے اس قدر محبت کرتے نہیں دیکھا جس قدر آپ ﷺ کیا کرتے تھے آپ ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم عوالی میں پرورش پا رہے تھے جو مدینہ منورہ سے تین چار میل دُور ہے۔ ان کے دیکھنے کے لیے مدینہ منورہ سے پیادہ جاتے۔ گھر میں دھواں ہوتا مگر آپ ﷺ بچے کو انّا کے ہاتھ سے لے لیتے اور منہ چومتے پھر مدینہ منورہ کو واپس آ جاتے“۔

آپ ﷺ کے ان صاحبزادے کا جب انتقال ہوا تو فرطِ غم سے نبی اکرم ﷺ کے آنسو نکل آئے اور آپ ﷺ بے اختیار رونے لگے اس سے آپ ﷺ کی شدید محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ

''جب ہم آنحضور ﷺ کے ہمراہ ابو یوسف لوہار کے گھر پہنچے۔ وہ ابراہیم کی رضاعی ماں کے شوہر تھے۔ ابراہیم کو رسول اللہ ﷺ نے اٹھایا۔ ان کے منہ پر اپنا منہ رکھ کر بوسہ دیا۔ پھر اس کے بعد ہم ابو یوسف کے ہاں گئے تو ابراہیم جاں کنی کے عالم میں تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! آپ رو رہے ہیں۔ فرمایا! ابن عوف یہ شفقت ورحمت ہے۔ آپ ﷺ پھر رو دیئے اور فرمایا! آنکھ روتی ہے اور دل غمگین ہے اور ہم نہیں کہتے مگر وہی بات جس سے ہمارا رب راضی ہو۔ اے ابراہیم! ہم تمہارے فراق کے باعث غمگین ہیں''۔

آپ ﷺ کو اپنی صاحبزادیوں سے جو محبت تھی اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر بدر سے قید ہو کر آئے اور فدیہ کی رقم ادا نہ کر سکے تو گھر کہلا بھیجا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے گلے کا ہار اُتار کر بھیج دیا۔ جب آنحضور ﷺ نے دیکھا تو بیٹی کی محبت سے بے تاب ہو گئے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ پھر صحابہ کرام ؓ سے فرمایا کہ اگر تمہاری مرضی ہو تو زینب رضی اللہ عنہا کو یہ ہار واپس بھیج دوں۔ سب نے منظور فرمایا۔

آپ ﷺ کو اپنی تمام بیٹیوں میں سب سے زیادہ محبت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے تھی جس کا اظہار مختلف مواقع پر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

(فَاطِمَۃُ بِضْعَۃٌ مِنّی فَمَنْ اَغْضَبَھَا فَقَدْ اَغْضَبِنَی)

''فاطمہ میرے گوشت کا ٹکڑا ہے جس نے فاطمہ کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا''۔

آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب آپ ﷺ سفر پر تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مل کر جاتے اور جب سفر سے آتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملتے تھے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب آپ ﷺ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے ،ان کی پیشانی چومتے، اور اپنی نشست گاہ سے ہٹ کر اپنی جگہ بٹھاتے لیکن اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے دُنیا وی آسائشوں کا سامان فراہم نہ کیا، وہ انتہائی عسرت (تنگی) کی زندگی بسر کرتی تھیں۔ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے، گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے خراب ہو جاتے، چولہے کے پاس بیٹھے بیٹھے کپڑے دھوئیں سے سیاہ ہو جاتے۔

ایک مرتبہ انہوں نے اپنے ہاتھوں کے چھالے دکھا کر ایک لونڈی مانگی لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: "بیٹی! ابھی تو صفہ کے مساکین کا بھی کوئی انتظام نہیں ہوا"۔

آپ ﷺ کو اپنے نواسوں اور نواسیوں سے بھی بے انتہا محبت تھی۔ محبت کے اس فطری جذبے کے اظہار سے آپ ﷺ نے کبھی دریغ نہیں کیا۔

آپ ﷺ کے نواسے عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہوا تو آپ ﷺ نے انہیں اپنی گود میں اٹھا لیا اور بے اختیار آنسوان پر گرنے لگے۔ آپ ﷺ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قبر میں اتارا۔

آپ ﷺ کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بیٹی امامہ سے بہت پیار تھا۔

ابو قتادہ کا بیان ہے کہ

> "ہم مسجدِ نبوی میں حاضر تھے کہ دفعتاً رسول اللہ ﷺ امامہ کو کندھے پر چڑھائے ہوئے تشریف لائے۔ اسی حالت میں نماز پڑھی۔ جب رکوع میں جاتے تو انہیں اتار دیتے، پھر کھڑے ہوتے تو چڑھا لیتے۔ اسی طرح پوری نماز مکمل کی"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

> "نجاشی نے رسولِ کریم ﷺ کو زیور بھیجے۔ اس میں سونے کی ایک انگوٹھی تھی جس کا نگینہ حبشی تھا۔ آپ ﷺ نے وہ امامہ کو عطا کی"۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ کو اپنے نواسوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بے انتہا پیار تھا۔ ان کو گود میں اٹھاتے، ان کے لیے دُعا فرماتے، ان کی تعریف کرتے اور اپنے رفقاء کو ان سے محبت کرنے کی تلقین کرتے"۔

ایک مرتبہ عرب کا ایک رئیس اقرع بن حابس رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ اس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا منہ چوم رہے تھے۔ عرض کی: میرے دس بچے ہیں میں نے کبھی کسی کو بوسہ نہیں دیا۔ فرمایا ”جو اوروں پر رحم نہیں کرتا اس پر کوئی بھی رحم نہیں کرتا“۔

آپ ﷺ حضرت حسین اور احضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے تھے کہ ”یہ دونوں میرے گلدستے ہیں“

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے تو فرماتے کہ ”لانا میرے بچوں کو“ وہ صاحبزادوں کو لے آتیں۔ آپ ﷺ ان کو سونگھتے اور سینے سے لپٹاتے۔

ایک مرتبہ آنحضور ﷺ کہیں دعوت میں جا رہے تھے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ راستے میں کھیل رہے تھے۔ آپ ﷺ نے آگے بڑھ کر ہاتھ پھیلا دیے۔ وہ ہنستے ہوئے قریب آ کر نکل جاتے۔ بالآخر آپ ﷺ نے ان کو پکڑ لیا۔ ایک ہاتھ ٹھوڑی پر اور ایک منہ پر رکھ دیا۔ سینے سے لپٹایا اور فرمایا( حُسَيْنٌ مِنِّي وَاَنَا مِنْ حُسَيْنٍ)

”نبی کریم ﷺ حضرت حسین اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنی گود میں لیتے اور پھر فرماتے:

”اے اللہ تعالیٰ! میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت رکھ“۔

ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

( اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ)

”حسن و حسین نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں“۔

آنحضور ﷺ کی محبت کے یہ مظاہر آپ ﷺ کی شخصیت کے صحیح خدوخال واضح کرتے ہیں۔

عرب کے اس معاشرے میں جہاں کوئی اپنی اولاد پر نظر التفات تک نہ کرتا تھا، نبی کریم ﷺ نے انہیں بچوں سے محبت و شفقت کا درس دیا اور اس کا عملی مظاہرہ بھی پیش کیا۔

## 5.3 بچوں پر شفقت و رحمت

نبی اکرم ﷺ نہ صرف اپنے بچوں سے بہت پیار کرتے تھے بلکہ دوسرے بچوں سے بھی نہایت محبت کا برتاؤ کرتے

تھے۔ ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے، پیار کرتے، ان کے لیے دُعا کرتے، ننھے بچے لائے جاتے تو انہیں گود میں اُٹھا لیتے۔ انہیں بہلانے کے لیے محبت آمیز کلمات زبان سے ادا فرماتے، بچوں کے نام تجویز فرماتے، بچوں کو جمع کر کے انعامی دوڑ لگواتے کہ دیکھیں کون ہمیں پہلے چھو لیتا ہے۔ بچے دوڑتے ہوئے آتے تو کوئی سینے پر گرتا اور کوئی پیٹ پر، لیکن آپ ﷺ ذرا بھی برا نہ مناتے۔ آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ سفر سے جب تشریف لاتے تو راہ میں جو بچے ملتے ان میں سے کسی نہ کسی کو سواری پر آگے پیچھے بٹھا لیتے۔

فصل کا جب بھی کوئی نیا میوہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتا تو حاضرین میں جو سب سے کم عمر بچہ ہوتا اسے عنایت کرتے تھے۔ ایک دن خالد بن سعید ؓ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ان کی چھوٹی بیٹی بھی ساتھ تھی اور سرخ رنگ کا کُرتا پہنے ہوئے تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (سنہ۔ سنہ) حبشی زبان میں "حسنہ" کو (سنہ) کہتے ہیں چونکہ ان کی پیدائش حبش میں ہوئی تھی، اس لیے آپ ﷺ نے اس نسبت سے حسنہ کی بجائے حبشی تلفظ (سنہ) کہا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی پشت پر مہر نبوت سے وہ کھیلنے لگی۔ خالد بن سعید ؓ نے اسے ڈانٹا تو آنحضور ﷺ نے انہیں روکا کہ کھیلنے دو۔

حضرت انس ؓ کہتے ہیں کہ آنحضور ﷺ فرماتے تھے کہ

> "میں نماز شروع کرتا ہوں اور ارادہ کرتا ہوں کہ دیر سے ختم کروں گا دفعتاً صف سے کسی بچے کے رونے کی آواز آتی ہے اور میں مختصر کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں کو تکلیف ہو گی"۔

جابر بن سمرۃ صحابی اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے آنحضرت ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ اپنے گھر کی طرف چلے۔ میں بھی ساتھ ہو لیا۔ ادھر سے چند لڑکے گزرے۔ آپ ﷺ نے سب کو پیار کیا۔ مجھے بھی پیار کیا۔

ایک مرتبہ عبداللہ بن بشیر کے ہاتھ ان کی والدہ نے آنحضور ﷺ کی خدمت میں انگور بھیجے جو انہوں نے راستے میں کھا لیے۔ بعد میں معاملہ کھلا تو آپ ﷺ انہیں پیار سے یا غُدَرُ یا غُدَرُ (او دھوکے باز) کہا۔

ہجرت کے موقع پر جب مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کا داخلہ ہوا تو انصار کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں خوشی سے دروازوں پر نکل کر گیت گا رہی تھیں۔ جب آپ ﷺ کا اِدھر سے گزر ہوا فرمایا۔ اے لڑکیو! تم مجھے پیار کرتی ہو۔ سب نے کہا ہاں یا رسول اللہ! فرمایا "میں تمہیں پیار کرتا ہوں"۔

## 5.3.1 کافر بچوں پر شفقت

آپ ﷺ کی یہ محبت و شفقت محض مسلمان بچوں تک محدود نہ تھی بلکہ مشرکین کے بچوں پر بھی اسی طرح لطف و مہربانی کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک غزوہ میں چند بچے مارے گئے۔ آپ ﷺ نہایت آزردہ ہوئے۔ کسی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! وہ مشرکین کے بچے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "مشرکین کے چھوٹے معصوم بچے تم سے بہتر ہیں۔ خبردار! بچوں کو قتل نہ کرنا، خبردار! بچوں کو قتل نہ کرنا۔ ہر جان اللہ تعالیٰ کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے"۔

# 6- رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی

نبی اکرم ﷺ جہاں اپنے اہل خاندان کے حقوق کا خیال رکھتے تھے، وہاں رشتہ داروں کے حقوق کو بھی بااحسن طریق ادا فرماتے اور ان سے مہر ومحبت اور ہمدردی کا سلوک فرماتے۔

قبائلی نظام میں جہاں خاندانی عصبیت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، وہاں یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک ہی خاندان کے لوگ آپس میں الجھ پڑتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کا یہ کارنامہ ہے کہ جہاں ان قبائلی عصبیتوں کا خاتمہ کیا وہاں رشتہ داروں سے حسن سلوک کا اعلیٰ نمونہ بھی پیش کیا۔ آپ ﷺ نے رشتہ داروں سے تعلقات قائم رکھنے کو بڑی اہمیت دی ہے چنانچہ اس سلسلے میں آپ ﷺ کے متعدد ارشادات ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''جس کو یہ بات پسند ہو کہ اس کے رزق میں وسعت ہو اور اس کی عمر دراز ہو تو اسے چاہیے کہ وہ صلہ رحمی کرے''۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

''ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ! مجھے ایسا کام بتائیں جو مجھے جنت میں داخل کر دے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

''بلا شرکت غیرے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور صلۂ رحمی کرو''۔

ان احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ صلۂ رحمی یعنی رشتہ داروں سے حسن سلوک دُنیا اور آخرت میں فلاح کا باعث ہے اور قطع رحمی یعنی رشتہ داروں سے تعلقات توڑنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ فعل ہے۔

## 6.1 قطع رحمی کی ممانعت

قطع رحمی کے بارے میں آنحضور ﷺ نے فرمایا:

(لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعُ رَحِمٍ)

"قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا"۔

عبداللہ بن ابی اوفی کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اللہ کی رحمت اس قوم پر نازل نہیں ہوتی جس میں قطع رحمی کرنے والا موجود ہو"۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"کوئی احسان جتانے والا، قطع تعلقی کرنے والا اور شراب کشید کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا"۔

آپ ﷺ کی یہ نہ صرف زبانی تعلیم تھی بلکہ آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا اس پر عمل کر کے دکھایا اور ایسا عمل کیا کہ لوگوں کے لیے ایک نمونہ، ایک اسوہ چھوڑ گئے جو رہتی دُنیا تک ہدایت کا سامان فراہم کرتا رہے گا۔

آپ ﷺ نے صرف اپنے مسلم رشتہ داروں سے ہی نہیں بلکہ کافر رشتہ داروں سے بھی اچھا سلوک کیا۔ بدر کے قیدیوں میں آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ گرفتار ہو کر آئے تھے۔ اتفاق سے ان کی مشکیں کس کر باندھی گئی تھیں اور وہ تکلیف سے کراہ رہے تھے۔ یہ آواز آنحضور ﷺ کے کانوں میں پڑتی تو وہ بے چین ہو جاتے تھے اور اِدھر اُدھر کروٹیں بدلتے تھے۔ کسی نے پوچھا "حضور ﷺ! آرام کیوں نہیں فرماتے" تو کہا کہ "عباس کی آواز مجھے سونے نہیں دیتی"۔ تھوڑی دیر بعد ان کی آواز نہ آئی تو فرمایا کہ "عباس کا کیا حال ہے"؟ کہا کہ "ان کی مشکیں کھول دی گئی ہیں"۔ آپ نے فرمایا "باقی لوگوں کی بھی کھول دو"۔

آپ ﷺ کو اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے شدید محبت تھی جو آپ ﷺ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ جنگ اُحد میں جب وہ شہید ہوئے اور ان کو مُثلہ کیا گیا تو آنحضور ﷺ کو بے حد رنج ہوا۔ اس سانحہ کے بعد آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو عورتوں کو اپنے اعزاء پر روتے ہوئے دیکھا تو فرمایا "افسوس حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے رونے والیاں بھی نہیں"۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے بعد ان کی بچی کی تربیت کا مسئلہ درپیش تھا۔ حضرت علی، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بچی کی پرورش کرنے کے لیے تیار تھے لیکن آنحضور ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا کہ ان کے گھر ان کی خالہ تھیں۔

آپ ﷺ نے اپنی پھوپھیوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کا عمدہ معیار قائم رکھا اور ہمیشہ جب بھی کبھی انہیں مالی امداد

کی ضرورت پڑی آپ ﷺ نے ان کی حاجت پوری فرمائی۔

اسی طرح آپ ﷺ کو اپنے چچازاد بھائیوں اور بہنوں کا بھی بہت لحاظ رہتا تھا۔ جمانہ دختر ابو طالب کے لیے نبی کریم ﷺ نے پیداوارِ خیبر میں 30 وسق کھجوریں مقرر فرما دی تھیں۔

نوفل بن حارث آپ ﷺ کے چچازاد بھائی تھے۔ آنحضرت ﷺ ان کی وقتاً فوقتاً خبرگیری کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کی شادی کروائی۔ ان کے پاس کھانے پینے کا کوئی سامان نہ تھا۔ آپ ﷺ نے ابورافع اور ابوایوب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اپنی زرہ ایک یہودی کے ہاتھ رہن رکھوائی اور اس کے بدلے 30 صاع جو حاصل کر کے انہیں عطا کیے۔ وہ آنحضور ﷺ کے ساتھ کسی غزوہ کے لیے نکلے۔ وادیٔ صغرا میں پہنچ کر وفات پا گئے۔ آپ ﷺ نے اپنے پیرہن میں کفنا کر دفن کیا اور فرمایا انہیں سعادت مل گئی۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ غزوہ موتہ میں شہید ہوئے۔ جب آپ ﷺ ان کی شہادت کا حال سنا رہے تھے تو آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور انتہائی غم کے آثار چہرے سے نمایاں تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے چچازاد بھائی اور داماد تھے۔ آپ ﷺ ان سے بے پناہ محبت رکھتے تھے۔ ایک موقع پر اپنی محبت کا اظہار اس طرح فرمایا:

(أَنْتَ مِنِّی وَأَنَا مِنْکَ)

"یعنی حضرت علی سے کہا تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں"۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

(أَنْتَ مِنِّی بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسیٰ وَلٰكِنْ لاَ نَبِیَّ بَعْدِی)

"تم میرے ساتھ ایسے ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہارون علیہ السلام مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے"۔

نبی کریم ﷺ نے مدینہ تشریف آوری پر بھی اپنے رشتہ داروں کی ہر قسم کی اعانت فرمائی۔ ان کی تکالیف کا آپ ﷺ کو ہمیشہ احساس رہا اور انہیں دُور کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ آپ ﷺ نے ان کی مالی امداد کرنے میں بھی ان کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔

# 7- غلاموں سے حسنِ سلوک

جس طرح دورِ حاضر میں ملازم خاندان کا ایک حصہ سمجھے جاتے ہیں، اسی طرح غلاموں کو دورِ قدیم میں تصور کیا جاتا تھا لیکن عصر حاضر میں ملازم کا مقام غلام کے برابر نہیں ہے۔ نوکر یا ملازم محض تنخواہ دار ہوتے ہیں، وہ اپنے اوپر مکمل اختیار رکھتے ہیں اور جب چاہے اپنے آقا کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے گھر میں نوکری کر سکتے ہیں لیکن غلام ایک ادنیٰ مخلوق سمجھے جاتے تھے جو اپنے اوپر کچھ اختیار نہیں رکھتے تھے، یہاں تک کہ ظالم آقا انہیں جان سے مارنے کا بھی مجاز تھا۔ ان کے ساتھ اس قدر وحشیانہ سلوک کیا جاتا تھا کہ انسانیت کی روح تک کانپ اُٹھتی ہے۔ انسانیت کے ایک حصے کی توہین ہو رہی تھی لیکن نبی کریمﷺ نے جہاں دیگر لوگوں پر اپنا دامنِ شفقت پھیلایا وہاں غلاموں کو بھی اپنے سایۂ رحمت میں پناہ دی اور ان سے حسن سلوک کی عملی مثالیں پیش کیں۔

آپﷺ نے فرمایا:

> ''جو تم کھاؤ، وہی اپنے غلاموں کو کھلاؤ اور جو تم پہنو، وہی ان کو بھی پہناؤ اور جو تمہارے مزاج کے موافق نہ ہو انہیں بیچ دو اور خلقِ خدا کو تنگی نہ دو''۔

آپﷺ کے پاس جو بھی غلام آتے، آپﷺ انہیں ہمیشہ آزاد فرما دیتے۔ زید بن حارثہ غلام ہو کر نبی کریمﷺ کے پاس آئے، آپﷺ نے انہیں آزاد کر دیا لیکن وہ آپﷺ کے حسن سلوک سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ماں باپ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ حضرت زید کے چچا اور باپ نے ان سے کہا کہ تجھ پر افسوس ہے کہ تو آزادی کو غلامی پر ترجیح دے رہا ہے اور اپنے باپ اور چچا اور گھر والوں پر ترجیح دیتا ہے۔ حضرت زید نے جواب دیا'' ہاں، میں نے آنحضورﷺ میں ایسی بات دیکھی ہے کہ میں ان پر کسی کو بھی ترجیح نہیں دے سکتا''۔

زید بن حارثہ کے بیٹے اُسامہ سے بھی آپﷺ بہت محبت کرتے تھے اور کبھی کبھی وفورِ محبت میں مزاح بھی فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپﷺ نے اُسامہ بن زید کی طرف مسکرا کر دیکھا اور کہا ''اگر یہ بیٹی ہوتے تو میں ان کو خوب زیور پہناتا اور خوب بناؤ سنگھار کرتا تا کہ ان کا چرچا ہوتا اور ہر جگہ سے پیام آتے''۔

حضرت زیدؓ غزوۂ موتہ میں شہید ہو گئے۔ ان کی بچی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ آپﷺ بھی ضبط نہ کر سکے

اور بے اختیار آنسو رواں ہو گئے۔ صحابہ کرام ؓ نے عرض کی، یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟ فرمایا: "یہ جذبہ محبت ہے"۔

غلام کا لفظ ایک ایسا لفظ ہے کہ یہ نام لے کر پکارنے سے غلام کی خود اپنی نظر میں تحقیر ہوتی ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس بات کا احساس کرتے ہوئے حکم دیا کہ

> "کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میرا غلام یا میری لونڈی بلکہ کہے میرا بچہ یا بچی، اور غلام بھی اپنے آقا کو خداوند نہ کہے، خداوند صرف خدا تعالیٰ ہے، آقا کہے"۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا (اتَّقُوا اللّٰهَ فِيمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُم) "غلاموں کے ساتھ معاملے میں اللہ سے ڈرنا"۔

ایک مرتبہ ابو مسعود اپنے غلام کو مار رہے تھے کہ پیچھے سے آواز آئی، "اے ابو مسعود! تمہیں جتنا اس غلام پر اختیار ہے، اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو تم پر ہے"۔ ابو مسعود نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو آنحضور ﷺ تھے۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں نے اللہ تعالیٰ کی خاطر اس غلام کو آزاد کر دیا۔ فرمایا اگر تم ایسا نہ کرتے تو دوزخ کی آگ تمہیں چھو لیتی۔

ایک شخص خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں غلاموں کا قصور کتنی مرتبہ معاف کروں۔ آپ ﷺ خاموش رہے۔ پھر دوسری اور تیسری مرتبہ پوچھنے پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر روز 70 مرتبہ معاف کرو۔

نبی کریم ﷺ غلاموں کا اس حد تک خیال رکھتے تھے کہ جب بھی مالِ غنیمت تقسیم ہوتا تو نبی کریم ﷺ اس میں سے غلاموں کو بھی حصہ دیتے تھے۔ جو غلام نئے آزاد ہوتے چونکہ ان کے پاس کچھ نہ ہوتا تھا۔ اس لیے سب سے پہلے انہی کو عنایت کرتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کی اسی شفقت کا نتیجہ تھا کہ اکثر کافروں کے غلام بھاگ بھاگ کر آپ ﷺ کے پاس پناہ لیتے تھے اور آپ ﷺ انہیں آزاد کروا دیا کرتے تھے۔

یہ آپ ﷺ ہی کا اثر تھا کہ صحابہ کرام ؓ غلاموں سے شفقت برتتے تھے۔ حضرت بلال ؓ پر اسلام لانے کے بعد بے پناہ مظالم ڈھائے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے انہیں گرانقدر معاوضہ دے کر آزاد کروایا۔

# خود آزمائی نمبر 2

1- آنحضرتﷺ کی کتنی صاحبزادیاں تھیں؟

2- آپﷺ کے کسی ایک صاحبزادے کا نام بتائیں۔

3- امامہ رضی اللہ عنہا کون تھیں؟

4- اولاد کی آزمائش ہونے کا کیا مطلب ہے؟

5- اللہ تعالیٰ کو کون سے نام سب سے زیادہ پسند ہیں؟

6- کون سا لقب سب سے زیادہ ناپسند کیا گیا ہے؟

7- ابراہیم رضی اللہ عنہ کی رضاعی ماں کے شوہر کا کیا نام تھا؟ وہ کیا کام کرتے تھے؟

8- بچوں سے آنحضرتﷺ کے پیار کا کوئی واقعہ اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔

9- کیا مشرکوں کے چھوٹے بچے بھی مشرک ہوتے ہیں؟

10- رزق میں وسعت اور عمر میں برکت کا حضورﷺ نے کیا نسخہ بتایا ہے؟

11- قطع رحمی سے کیا مراد ہے؟

12- حضرت حمزہؓ کے ساتھ حضورﷺ کے کون سے دو رشتے تھے؟

13- نوفل بن حارث کون تھے؟

14- حضرت جعفر طیارؓ کس غزوہ میں شہید ہوئے؟

15- حضرت اُسامہؓ کس کے بیٹے تھے؟

16- خالی جگہ پر کریں۔

(i) آپﷺ نے فرمایا: اپنے غلام کو ہر روز ________ بار معاف کیا کرو۔

(10 بار۔ 70 بار۔ 100 بار)

(ii) آپ نے حضرت ______ سے کہا کہ تم میرے ساتھ ایسے ہو جیسے موسیٰ کے ساتھ ہارون تھے۔

(ابو بکرؓ ۔ عمرؓ ۔ علیؓ)

(iii) حضرت حمزہؓ غزوۂ ____________ میں شہید ہوئے۔

(خندق ۔ اُحد ۔ خیبر)

# 8- جوابات

## خود آزمائی نمبر 1

-1 مرد اور عورت کے باہمی تعلق سے

-2 کیوں کہ مرد قوی ہوتا ہے اور معاشی ذمہ داریاں بھی اس کی ہوتی ہیں۔

-3 2 بار

-4 آنحضرتﷺ کی رضاعی بہن

-5 بنو سعد

-6 3 درجے

-7 حضورﷺ کی 25 سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی 40 سال

-8 حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلی تھی۔

-9 بنو اسرائیل سے

-10 دیکھئے: 3.3

-11 اپنی بیویوں سے حسن سلوک سے پیش آؤ

-12 دیکھئے: 3.5

-13 قرعہ اندازی فرماتے اور جس کے نام قرعہ نکل آتا اسے ساتھ لے جاتے تھے۔

-14 خیبر کی زمینوں میں ازواج مطہرات کے حصے مقرر تھے۔

-15 (i) 6 سال

(ii) حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

(iii) ایک ایک جوڑا

# خود آزمائی نمبر 2

-1 4

-2 ابراہیم ؓ۔

-3 نواسی ، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بیٹی۔

-4 اولاد کی محبت میں بسا اوقات آدمی جائز و ناجائز کی پرواہ نہیں کرتا۔

-5 عبداللہ اور عبدالرحمٰن۔

-6 شہنشاہ۔

-7 ابو یوسف ، لوہار تھے۔

-8 دیکھیے: 5.3

-9 نہیں۔

-10 صلہ رحمی۔

-11 رشتہ داروں سے تعلق ختم کر دینا یا بدسلوکی کرنا۔

-12 حضرت حمزہ ؓ آپ ﷺ کے چچا تھے اور رضاعی بھائی بھی۔

-13 آپ ﷺ کے چچازاد تھے

-14 غزوۂ موتہ میں

-15 حضرت زید بن حارثہ کے

-16 (i) 70 بار

(ii) علی ؓ

(iii) اُحد

یونٹ نمبر......7

# رسولِ اکرم ﷺ بحیثیت معلّم اور داعی و مبلّغ

تحریر: محمد رفیق صادق

نظر ثانی: ڈاکٹر شاہ معین الدین ہاشمی

# فہرستِ مضامین



| | |
|---|---|
| یونٹ کا تعارف | 277 |
| یونٹ کے مقاصد | 278 |
| 1- علم اور اس کی اقسام و ذرائع | 279 |
| 1.1 علم کا معنی و مفہوم | 279 |
| 1.2 علم کے ذرائع: حواس، عقل اور وحی | 279 |
| 1.3 علم کا منبع اور سرچشمہ | 283 |
| 2- رسولِ اکرم ﷺ بحیثیت معلّم | 284 |
| 2.1 حصول علم کا حکم، اہمیت اور فضیلت | 284 |
| 2.2 رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد۔ تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ | 287 |
| 2.3 رسول اکرم ﷺ کا طریقۂ تعلیم | 288 |
| خود آزمائی نمبر 1 | 293 |
| 3- رسول اکرم ﷺ کا نظام تعلیم | 294 |
| 3.1 رسول اللہ ﷺ کے تعلیمی نظام کا بنیادی نظریہ اور فلسفہ | 294 |
| 3.2 مکی دور میں تعلیم | 296 |
| 3.3 باقاعدہ تعلیم کا آغاز اور رسول اللہ ﷺ کا نظام تعلیم | 297 |
| 4- خواتین کی تعلیم | 300 |
| 4.1 خواتین کی تعلیم کی اہمیت و ضرورت | 300 |

| | |
|---|---|
| 4.2 نبوی ﷺ معاشرہ میں خواتین کے تعلیمی مراکز | 301 |
| 4.3 خواتین کی تعلیم کا نصاب | 301 |
| 4.4 تعلیم نبوی ﷺ کے نتائج اور ثمرات | 302 |
| خود آزمائی نمبر 2 | 304 |
| 5- دعوت و تبلیغ | 305 |
| 5.1 دعوت کا لغوی مفہوم | 305 |
| 5.2 تبلیغ کا لغوی مفہوم | 305 |
| 5.3 دعوت اور تبلیغ میں معنوی فرق | 306 |
| 5.4 دعوت اور تبلیغ کا اصطلاحی مفہوم | 306 |
| 5.5 دعوت و تبلیغ کی ضرورت و اہمیت | 307 |
| 6- دعوت و تبلیغ کا حکم | 309 |
| 6.1 انبیاء علیہم السلام کے لیے دعوت و تبلیغ کا حکم | 309 |
| 6.2 امت مسلمہ کے لیے دعوت و تبلیغ کا حکم | 309 |
| خود آزمائی نمبر 3 | 311 |
| 7- رسول اللہ ﷺ کی دعوت و تبلیغ کے اصول | 32 |
| 7.1 حکمت | 312 |
| 7.2 موعظہ حسنہ | 312 |
| 7.3 مجادلہ حسنہ | 313 |
| 7.4 عقلی استدلال | 313 |

| | |
|---|---|
| 7.5 خیر خواہی | 314 |
| 8- رسول اللہ ﷺ کی صفات بحیثیت داعی و مبلغ | 315 |
| 8.1 ایمان و یقین | 315 |
| 8.2 اخلاص | 317 |
| 8.3 علم و بصیرت | 317 |
| 8.4 تحمل و بردباری | 318 |
| 8.5 اعلیٰ اخلاق | 319 |
| 8.6 صبر و استقامت | 319 |
| 8.7 عفو و درگزر | 320 |
| 8.8 جرأت و بہادری اور بلند ہمتی | 321 |
| 8.9 تفاؤل اور پرامیدی | 321 |
| 8.10 خدمت خلق | 322 |
| 8.11 با کردار اور قول و فعل میں یکسانیت | 322 |
| خود آزمائی نمبر4 | 324 |
| 9- جوابات | 325 |

# یونٹ کا تعارف

عزیز طلباء! علم وہ صفت ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو فرشتوں پر برتری دے کر زمین پر اپنا خلیفہ اور نائب مقرر فرمایا۔ تاریخ انسانی کے ہر دور میں اہل علم و دانش کو معاشرے میں ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا ہے۔

رسول اکرم ﷺ مکہ مکرمہ کے جس معاشرے میں مبعوث ہوئے وہ علم سے نابلد تھا۔ چند افراد ہی معمولی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ خود رسول اکرم ﷺ نے بھی کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی تھی اللہ تعالیٰ نے جب وحی کے ذریعہ اپنے رسول کو علوم و معارف کے خزانے عنایت فرمادیئے تو چنانچہ پہلی وحی میں ہی پڑھنے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا: ''پڑھ اپنے پروردگار کا نام لے کر جس نے سب کچھ پیدا کیا.... قلم کے ذریعے تعلیم دی''۔

اس حکم کی تعمیل میں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے لیے انفرادی و اجتماعی سطح پر تعلیم و تربیت کا انتظام فرمایا۔ آپ ﷺ کے شاگردوں میں بچے، بوڑھے، مرد و عورت اور آزاد و غلام سب ہی شامل تھے۔ اس طرح عرب کے اس جاہلی معاشرے کو آپ ﷺ نے ایمان اور تعلیم کے زیور سے آراستہ کر کے چند ہی سالوں میں علوم و معارف کا گہوارہ بنا دیا۔ اس عظیم الشان علمی اور تہذیبی انقلاب برپا کرنے کی وجہ سے آپ ﷺ بجا طور پر ''معلّمِ انسانیت'' کہلانے کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے صرف دین حق کی تعلیم ہی نہیں دی بلکہ اس کی دعوت و تبلیغ کی ذمہ داریاں بھی حیران کن حد تک احسن طریقے سے سرانجام دیں۔ آپ ﷺ کے بعد اب یہ اہم ذمہ داری ہم مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے؛ اس ذمہ داری کو نبھانے کے لیے ضروری ہے کہ ہم مسلمان پہلے رسول اکرم ﷺ کی سیرت اور تعلیمات سے آگاہی حاصل کریں۔

غیر مسلم مفکرین بھی اس پر حیران ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت دنیا ہر لحاظ سے پستی کا شکار تھی مگر آپ ﷺ نے صرف تیئیس (23) برس کے مختصر عرصے میں اس کی تقدیر بدل ڈالی۔ آخر وہ کیا اصول اور طریقے تھے جن پر عمل کر کے آپ ﷺ دنیا کے کامیاب ترین مصلح قرار پائے۔

عزیز طلباء! اس یونٹ میں آپ رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی کا ایک کامیاب معلم اور مبلغ و داعی کی حیثیت سے مطالعہ کر کے تعلیم و تعلّم اور دعوت و تبلیغ کے بہترین طریقوں، اصول و ضوابط اور حکمت عملی سے آگاہی حاصل کر سکیں گے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ یونٹ آپ کے علم و عمل میں اضافے اور ترقی کا باعث ہوگا۔

# یونٹ کے مقاصد

ہمیں اُمید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1۔ علم کا لغوی و اصطلاحی مفہوم بیان کر سکیں۔

2۔ علم کی اہمیت، حصول علم کا حکم اور فضلیت پر قرآن و حدیث کی روشنی میں تبصرہ کر سکیں۔

3۔ علم کے ذرائع اور ان میں سے ہر ایک کی تعریف اور دائرہ کار کی وضاحت کر سکیں۔

4۔ رسول اللہ ﷺ کے مقاصد تعلیم واضح کر سکیں۔

5۔ رسول اللہ ﷺ کے طریقۂ تعلیم کی اہم خصوصیات بیان کر سکیں۔

6۔ رسول اللہ ﷺ کے نظام تعلیم اور تعلیمی نصاب کے اہم نکات قلمبند کر سکیں۔

7۔ خواتین کی تعلیم کی اہمیت و ضرورت اور آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ان کے مراکز کا جائزہ لے سکیں۔

8۔ رسول اللہ ﷺ کے نظام تعلیم کے نتائج اور ثمرات تحریر کر سکیں۔

9۔ دعوت و تبلیغ کا مفہوم، اور ضرورت و اہمیت بیان کر سکیں۔

10۔ رسول اللہ ﷺ کی دعوت و تبلیغ کے اصول و ضوابط سے آگاہی حاصل کر کے ان پر عمل پیرا ہو سکیں۔

11۔ رسول اللہ ﷺ کی داعی اور مبلّغ کی حیثیت سے صفات کو جان کر ان کو اپنانے کی کوشش کر سکیں۔

12۔ امت مسلمہ کی دعوتی اور تبلیغی ذمہ داریوں کا ادراک اور ان پر تبصرہ کر سکیں۔

# 1- علم اور اس کی اقسام و ذرائع

## 1.1 علم کا معنی و مفہوم

علم عربی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے "جان لینا، سمجھ لینا، ادراک کرنا، یقین کرنا" اسی سے تعلیم کا لفظ نکلا ہے جس کا معنی ہے سکھانا، تعلیم دینا اور سکھانے والے کو معلّم کہا جاتا ہے۔ لفظِ تعلّم بھی اسی سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے سیکھنا اور سیکھنے والے کو متعلّم کہا جاتا ہے۔

فلاسفہ کے نزدیک علم نام ہے: "کسی چیز کی شکل وصورت کا عقل میں آنا"۔

متکلمین (مفکرین اسلام) نے علم کی مختلف تعریفیں کی ہیں جن میں سے مشہور ترین تعریف یہ ہے:

علم ایک صفت ہے جس کے ذریعہ سے خوب واضح اور ظاہر ہوجاتی ہے وہ چیز جو قابل ذکر ہو یعنی جس کو ذکر کیا جاسکتا ہو (چاہے وہ چیز موجود ہو یا معدوم (جو چیز موجود نہیں)، ممکن ہو یا مستحیل، مفرد ہو یا مرکب، کلی ہو یا جزئی) ہر اس شخص پر جس کے ساتھ یہ صفت علم قائم ہے یعنی جو اس صفت علم سے متصف ہے۔

فلاسفہ کی تعریف میں معدوم داخل نہیں ہے لیکن متکلمین اسلام کی تعریف میں شامل ہے، اسی طرح اس تعریف میں وہ تمام چیزیں بھی شامل ہوجاتی ہیں جن کا ادراک اور جاننا حواس کے ذریعہ سے ہوتا ہے یا عقل کے ذریعہ سے۔

## 1.2 علم کے ذرائع

علم بنیادی طور پر تین اسباب و ذرائع سے حاصل ہوتا ہے حواس، عقل اور وحی۔

### 1.2.1 حواس

حصول علم کا پہلا اور آسان ترین ذریعہ "حواس" ہیں، جو پانچ ہیں: آنکھ، کان، زبان، ناک اور ہاتھ پاؤں وغیرہ، ان سے بالترتیب: دیکھنا، سننا، چکھنا، سونگھنا اور چھوکر کسی چیز کا سخت یا نرم ہونے وغیرہ کا علم ہوتا ہے۔ اس ذریعہ سے جو علم

حاصل ہوتا ہے وہ علم محسوسات کہلاتا ہے۔ سائنس کے اکثر علوم انہی کے ذریعے سے مشاہدات، ملاحظات اور تجربات سے حاصل شدہ معلومات کو انسانی فکر و استدلال اور عقل کی مدد سے نئے نتائج اخذ کر کے مرتب و مدون کیے گئے ہیں۔

## 1.2.2 عقل

حصول علم کا دوسرا ذریعہ عقل ہے، یقیناً اس کا مقام و مرتبہ حواس سے اعلیٰ و ارفع ہے۔

''عقل'' نام ہے: ''انسان کے جسم میں موجود اس خفیہ طاقت اور قوت مدرکہ (سمجھنے کی طاقت) کا جو پوشیدہ، غائب، نامعلوم اور غیر محسوس چیزوں کا ادراک و فہم اور علم (فکر و تدبر، سوچ و بچار اور قواعد کلیہ سے) خود بخود حاصل کر لیتی ہے جبکہ محسوس چیزوں کو (مختلف) وسائط اور ذرائع سے معلوم کرتی ہے''۔

قرآن کریم نے بھی انسانوں پر غور و فکر اور عقل کو استعمال کر کے باری تعالیٰ، رسالت، قرآن کی معرفت اور سچائی و حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کے لئے مختلف آیات کریمہ میں بڑا زور دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ﴾ (آل عمران، 3:190)

''بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات دن کے باری باری آنے جانے میں ان عقل والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔''

﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾ (محمد، 47:24)

''بھلا کیا یہ لوگ قرآن مجید پر غور نہیں کرتے، یا دلوں پر وہ تالے پڑے ہوئے ہیں جو دلوں پر پڑا کرتے ہیں؟۔''

فلاسفہ اور سائنس دانوں کی ایک کثیر تعداد حواس اور عقل کے علاوہ کسی دیگر ذریعہ علم کی قائل نہیں ہے لیکن یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ انسان مادی اور عقلی علوم میں جتنا بھی ترقی کر لے پھر بھی ان میں غلطی کا امکان اور احتمال باقی رہتا ہے جس کا واضح ثبوت آئے دن کے وہ نئے نئے اکتشافات ہیں جو سابقہ نظریات اور تجربات کی نفی کرتے ہیں۔

## 1.2.3 وحی

حصول علم کا تیسرا اور یقینی ذریعہ ''وحی'' ہے جو وہبی یعنی اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ اس میں انسان کی محنت اور کاوش کا کوئی دخل نہیں ہے اور نہ ہی انسان اس کا ادراک کسی طرح خود کر سکتا ہے۔ علم اور یقین کی اس حقیقت کو نہ انسان تول سکتا ہے نہ

ناپ سکتا ہے اور نہ اپنے علم کے اسباب وذرائع حواس اور عقل میں سے کوئی ذریعہ استعمال کر کے اس کو حاصل کر سکتا ہے۔

حصول علم کا یہ ذریعہ پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس میں خود خالق کائنات انسانوں میں سے کچھ کو منتخب کر کے اس ''وحی'' کے ذریعہ سے ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام فرماتے ہیں جو انبیاء ورسل علیہم السلام کہلاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴾ (الحج، 75:22)

ترجمہ ''اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے بھی اپنا پیغام پہنچانے والے منتخب کرتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر بات سنتا ہر چیز دیکھتا ہے۔''

''وحی'' کا لغوی معنی ہے: پوشیدہ طور پر کسی بات کی خبر دینا یا جلدی سے اشارہ کرنا۔ اور شریعت کی اصطلاح میں: ''انبیاء ورسل علیہم السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخصوص غیبی طریقے سے نازل ہونے والے کلام کو ''وحی'' کہا جاتا ہے''۔

(1) یہ کلام کبھی ذات باری تعالیٰ خود بلا کسی واسطے سے فرماتے ہیں لیکن نظر نہیں آتے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر فرمایا۔ (2) کبھی نبی کے دل میں بات ڈال دیتے ہیں یا ان کو خواب میں دکھا دیتے ہیں (ان دونوں صورتوں میں فرشتہ نازل نہیں ہوتا)۔ (3) کبھی فرشتہ (جبریل امین) اپنی اصل شکل میں وحی لاتے ہیں، (4) کبھی مطلقاً فرشتے کی صورت میں وحی لاتے ہیں یعنی جبریل اپنی اصلی شکل وصورت میں نہیں ہوتے اور (5) کبھی جبریل انسانی شکل میں وحی لاتے ہیں، (جو عام طور پر دحیہ کلبی کی ہوتی تھی) یہ کل پانچ صورتیں اور طریقے ہیں جن پر وحی نازل ہوتی ہے۔

انسان طبعی اور فطری طور پر اس بات کی شدید خواہش رکھتا ہے کہ اسے ایک ایسا عظیم معلم اور راہبر و راہنما میسر ہو جو ان سوالوں کا اسے صحیح جواب دے اور اس کے حواس اور عقل سے اوجھل غیبی حقیقتوں کے بارے میں صحیح معلومات اور اسے اس کائنات میں زندگی گزارنے کے لیے صحیح راہنمائی، ہدایات اور دستور فراہم کرے۔ اسی عظیم معلّم، پیغمبر اور برتر راہنما کا نام ''نبی ورسول'' ہے اور اسی دستور حیات کا نام ''وحی'' ہے۔

آج جدید سائنس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ انسان کی صلاحیتیں اور اس کا علم محدود ہے اور تا ابد محدود رہے گا اس لئے وہ حقیقت کا کلی ادراک نہیں کر سکتا کیونکہ انسان سائنسی وسائل وآلات سے جتنی اس کائنات کی کھوج لگاتا ہے اس پر یہ حقیقت اور زیادہ واضح طور پر منکشف اور ظاہر ہوتی ہے کہ یہ کائنات انتہائی پیچیدہ ہے اور انسان کا محدود ذہن وعلم اس کا مکمل طور پر احاطہ نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی روحانی اور اخروی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے وحی نازل فرمائی اور اس کے آغاز و انجام اور مقصدِ زندگی سے آگاہ کیا۔ زمین پر آنے اور بسنے والے سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اس ہدایت اور علم سے سرفراز تھے اور قیامت تک ان کی آنے والی اولاد کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے فیصلہ صادر فرما دیا کہ ان کے پاس یہ وحی اور ہدایت انبیاء علیہم السلام کے ذریعے مسلسل آتی رہے گی۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴾ (البقرہ،38:2)

"پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئی تو جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی، پس ان کے لئے نہ کوئی خوف و ڈر ہوگا اور نہ ہی وہ غم زدہ ہوں گے"۔

انسان اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے جس طرح پہلی قسم حواس اور دوسری قسم عقل کے علم کا محتاج ہے۔ اسی طرح وہ تیسری قسم کے علم یعنی "وحی" سے بھی کسی طور بے نیاز نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس علمِ وحی پر انسان کی ابدی سعادت و خوش نصیبی یا شقاوت و بدبختی کا دارومدار ہے۔ اس علم پر ایمان لاتے ہوئے اس کے مطابق زندگی بسر کرنے میں اس کی کامیابی ہے اور اس علم کے انکار اور اس سے بے نیازی اختیار کرنے میں اس کا خسارہ اور ناکامی ہے۔

ارشادِ باریِ تعالیٰ ہے: ﴿ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ﴾ (العصر،103:2-1)

"بے شک انسان خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے"۔

قرآنِ کریم واضح کرتا ہے کہ وہ قومیں جنہوں نے مادی اور عقلی علوم میں خوب ترقی کی اور محض اس دنیا کی زندگی کو خوب سے خوب تر بنانے کے لئے زیادہ سے زیادہ وسائل عیش و عشرت فراہم کئے، اپنے فنِ تعمیرات پر فخر کیا لیکن ہدایتِ الٰہی کو پس پشت ڈالا اور انبیاء و رسل کی تعلیمات کا مذاق اڑایا تو ان کی مادی ترقی ان کے کسی کام نہ آ سکی۔ ایسی قومیں بالآخر اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ہو کر نیست و نابود ہو گئیں۔

مختصر یہ کہ انسانی راہنمائی کے لئے انبیاء کرام بھیجے گئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے "وحی" کا وہ علم عطا کیا جو انسان محض اپنے حواس اور عقل کے ذریعے سے حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ انبیاء کرام نے اس علم کو صرف انسانوں تک پہنچایا ہی نہیں بلکہ اس کے مطابق سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا۔ اس سلسلہ نبوت و رسالت کی آخری کڑی محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جن کی امتیازی خصوصیت ہی یہ ہے کہ آپ ﷺ کو قیامت تک پوری انسانیت کے لئے معلّم بنا کر بھیجا گیا ہے۔

## 1.3 علم کا منبع اور سرچشمہ

علم کا منبع اور سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس نے اس کائنات کو بنایا اور اس میں انسان کو پیدا کیا وہی کل کائنات کی حقیقتوں اور انسان کی فطرت کا علم رکھتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَسِعَ رَبِّیْ کُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴾ (الانعام، 80:6)

"میرے رب کا علم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے۔"

﴿بَلٰی وَھُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ﴾ (یسین، 81:36)

"ہاں کیوں نہیں وہی خالق پیدا کرنے والا جاننے والا ہے۔"

انسان کے پاس جس قدر علم ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کا دیا ہوا ہے۔ خالق کائنات کا انسان پر یہ عظیم احسان ہے کہ اس نے اسے علم کی دولت سے نوازا اور اسی علم کی بنیاد پر فرشتوں کو انسان کے حضور جھکنے کا حکم دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا ثُمَّ عَرَضَھُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ ھٰٓؤُلَآءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ قَالُوْا سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ○ ﴾

(البقرہ، 32-31:2)

"اور اس نے آدم کو سارے نام سکھائے۔ پھر انہوں نے فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ اگر سچے ہو۔ انہوں نے عرض کیا' نقص سے پاک تو آپ ہی کی ذات ہے' ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں' جتنا آپ نے ہمیں سکھایا ہے۔ حقیقت میں آپ ہی سب کچھ جاننے والے اور حکمت والے ہیں۔"

# 2۔ رسولِ اکرم ﷺ بحیثیت معلّم

رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کے تمام پہلو اہم ہیں مگر آپ ﷺ کا معلّم ہونا خاص اہمیت رکھتا ہے۔ آپ ﷺ پوری انسانیت کے لئے ایک عظیم اور مثالی معلم بن کر تشریف لائے اور اپنے متعلق خود ارشاد فرمایا:

(انّما بُعِثتُ مُعَلِّمًا) (ابن ماجۃ، 83/1، حدیث نمبر:229)

''مجھے تو صرف معلّم بنا کر بھیجا گیا ہے۔''

آپ ﷺ کی بعثت سے قبل عرب معاشرہ میں پڑھنے لکھنے کا رواج نہ تھا بلکہ یہ معیوب سمجھا جاتا تھا، آپ ﷺ خود بھی لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، لیکن آپ ﷺ نے اپنے قول وفعل سے علم اور اہل علم کو بہت اہمیت اور فوقیت دی، حصول علم کو فرض قرار دیا اور اس کے لئے محنت وکوشش کرنے کی بہت بڑی فضیلت بیان کی؛ جس کی وجہ سے صحابہ کرام نے اپنی تمام تر توجہ علم حاصل کرنے اور اس کے پھیلانے کی طرف لگادی۔

آیئے! ہم بھی اس حوالے سے آپ ﷺ کی تعلیمات، ہدایات اور اسوہ حسنہ سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔

## 2.1۔ حصول علم کا حکم، اہمیت اور فضیلت

### 2.1.1۔ حصول علم کا حکم

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں: ﴿ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (النحل، 43:16)

''پس اگر تم خود نہیں جانتے تو جو علم والے ہیں ان سے پوچھ لو''۔

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ'' (ابن ماجہ، حدیث نمبر:224)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے''۔

اہل علم کے نزدیک اس سے مراد دین اسلام کا وہ ضروری علم ہے جس سے انسان اپنے شب و روز کے دینی اور دنیوی واجبات اور ذمہ داریوں کو شریعت کے مطابق اچھے طریقے سے ادا کر سکے، اتنا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔

## 2.1.2۔ علم اور علماء کی اہمیت

اسلام میں علم کی اہمیت اور آپ ﷺ کا علم کے ساتھ شغف و محبت کا اندازہ کتب حدیث میں مذکور اس واقعہ سے ہوتا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے بڑے منفرد انداز میں مسلمانوں کی توجہ حصول علم کی طرف دلائی:

"حضرت عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ مسجد میں منعقدہ دو مجلسوں میں سے گزرے۔ ان دونوں میں سے ایک عبادت اور دعا میں مصروف تھی۔ دوسری تعلیم و تعلّم میں۔ آپ ﷺ اس مجلس میں بیٹھ گئے جو علمی مذاکرے میں مصروف تھی۔

ایک دفعہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جس شخص نے علم طلب کیا اور اسے پالیا تو اس کے لیے دُہرا اجر ہے اور جس نے علم طلب کیا اور اسے حاصل نہ کر سکا اسے بھی ایک اجر ملے گا۔" (سنن الدارمی، 108/1 حدیث نمبر: 335)

علم کی اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن حکیم بار بار لوگوں کو تعلیم حاصل کرنے کی طرف متوجہ کرتا ہے اور علم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے غور و فکر سے کام لینے اور عقل کو راہ نما بنانے کی دعوت دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (الزمر، 9:39)

"آپ فرمادیں کہ کیا علم والے اور بے علم برابر ہوتے ہیں؟"

ذیل میں اس حوالے سے چند مزید احادیث ذکر کی جاتی ہیں:

1۔ "اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءُ" (سنن ابی داؤد، 354/3)

"علماء پیغمبروں کے وارث اور جانشین ہیں"۔

2۔ فَقِيْهٌ وَّاحِد اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ"۔ (سنن ابن ماجہ، 150/1)

"ایک فقیہ (عالم) شیطان کے مقابلے میں ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے۔"

اسی طرح آپ ﷺ نے اپنی امت پر علماء کا احترام کرنا لازم قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''وہ شخص میری امت میں سے نہیں ہے جو ہمارے بڑوں کا احترام نہیں کرتا' ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہمارے عالم کا حق نہیں پہچانتا۔'' (ترمذی، 322/4)

ان احادیث مبارکہ سے بخوبی معلوم ہوگیا کہ اسلام میں اساتذہ اور اہل علم کو کتنا بلند مقام و مرتبہ عطا کیا گیا ہے۔ ایک معلّم کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ رسول کریم ﷺ خود بھی معلّم تھے۔

## 2.1.3۔ حصول علم کی فضیلت

اسلام میں علم حاصل کرنے کے لئے سفر کو جہاد کے لئے سفر کی طرح قرار دیا گیا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''مَن خَرَجَ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ'' (سنن الترمذی، 244/9)

''جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکلے جب تک وہ واپس نہ آ جائے خدا کی راہ میں ہے۔''

اسی طرح آپ ﷺ نے نفع بخش علم کو ایک ایسی چیز قرار دیا جس کا اجر و ثواب موت کے بعد بھی منقطع نہیں ہوتا چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''جب انسان مرتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے۔ مگر تین چیزیں باقی رہتی ہیں' صدقہ جاریہ' ایسا علم جس سے بعد کے لوگ فائدہ اٹھائیں اور نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔''

آپ ﷺ نے صرف علم، طلباء اور اساتذہ کے فضائل بیان کرنے پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس بات کا بھی اطمینان کر لیا کہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی سلسلہ تعلیم جاری رہے چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام ؓ کو خصوصی ہدایات دیتے ہوئے مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

''تمہارے پاس لوگ دنیا کے کونے کونے سے علم دین سیکھنے آئیں گے۔ پس میری وصیت ہے کہ جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان سے لطف و شفقت سے پیش آنا۔'' (سنن ترمذی، حدیث نمبر: 2650)

## 2.2 رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد۔ تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ

رسول اللہ ﷺ کی تعلیم وتربیت نے صرف تیئس (23) برس کی مختصر مدت میں نہ صرف پورے جزیرہ عرب کی کایا پلٹ دی بلکہ پوری دنیا کے لئے رشد و ہدایت کی وہ ابدی شمعیں بھی روشن کر دیں جو رہتی دنیا تک انسانیت کو عدل و انصاف، امن وسکون اور خیر وفلاح کی راہ دکھاتی رہیں گی۔

قرآنِ حکیم نے مختلف مقامات پر واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود رسول اللہ ﷺ کو تعلیم وتربیت کے اس اعلیٰ ترین منصب پر فائز فرمایا ہے اور آپ ﷺ کی بعثت کا بڑا مقصد لوگوں کی تعلیم وتزکیہ بتایا ہے۔ آیئے! سیرت طیبہ اور ان آیات کریمہ کی روشنی میں آپ ﷺ کے فرائض اور مقاصد کا جائزہ لیتے ہیں۔ سورۃ بقرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا مذکور ہے:

1۔ ﴿رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ وَیُزَکِّیۡهِمۡ﴾ (البقرہ،2:129)

"اے ہمارے پروردگار! ان لوگوں میں خود انہیں کے اندر سے ایک رسول مبعوث فرما جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے، انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور انہیں پاک کرے۔"

2۔ ﴿هُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیۡهِمۡ وَ یُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ﴾ (الجمعہ،62:2)

"وہی ہے جس نے امّیوں (ان پڑھوں) کے درمیان خود انہیں میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو ان کو اس کی کتاب پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے"۔

قرآن کریم نے ان آیات کریمہ میں نبی کریم ﷺ کا تعارف بطور معلّم کرایا ہے اور آپ ﷺ کی بعثت اور تعلیم کی چار بنیادی ذمہ داریاں اور مقاصد بیان کئے ہیں جو درج ذیل ہیں:

(1) تعلیم تلاوت۔ (2) تعلیم کتاب۔ (3) تعلیم حکمت۔ (4) تزکیہ نفس۔

(1) تعلیم تلاوت: سب سے پہلے آپ ﷺ قرآنِ کریم کی تلاوت سکھاتے اور اس کے الفاظ کی درست ادائی پر

توجہ فرماتے ۔ اگر کہیں الجھن پیش آتی تو اسے دور فرماتے اور جو صحابہ کرام اچھا پڑھنے والے ہوتے انہیں دیگر صحابہ کرام کی تعلیم پر مامور فرماتے۔

(2)　تعلیم کتاب: پڑھنے اور تلاوت کی درستگی کے بعد آپ ﷺ درست تعبیر اور تفسیر و تشریح کی طرف توجہ فرماتے، اور آیات کریمہ کا معنی و مفہوم اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ سکھاتے۔ صحابہ کرام اس عظیم معلم سے رہنمائی حاصل کر کے اپنے اپنے کام کاج میں مشغول ہو جاتے اور اپنے گھروں، دکانوں اور کھیتوں وغیرہ میں بھی قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور حضور ﷺ سے سیکھے ہوئے اسباق ایک دوسرے کو سناتے رہتے۔ حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کے واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اپنے گھروں میں باقاعدہ قرآن پاک کی تلاوت اور تعلیم کیا کرتے تھے۔

(3)　تعلیم حکمت: رسولِ اکرم ﷺ تعلیم کتاب کے سوا اپنی احادیث مبارکہ اور سنت کی بھی مستقل تعلیم فرماتے اور دین و دنیا کی ہر مفید اور اچھی بات صحابہ کرام کو سکھانے کا اہتمام فرماتے۔

(4)　تزکیہء نفس: رسولِ اکرم ﷺ انفرادی اور اجتماعی طور پر صحابہ کرام کی اخلاقی اور روحانی تربیت کا اہتمام فرماتے اور ان کے نفوس کی رذائل سے پاک اور فضائل سے آراستہ کر کے تہذیب و اصلاح کرتے کیونکہ انہوں نے پوری انسانیت کی راہبری اور قیادت کا کام سرانجام دینا ہے۔

## 2.3 رسول اللہ ﷺ کا طریقہء تعلیم

محمد ﷺ کی دعوت دراصل تعلیم ہی تھی جو قرآن حکیم کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ پر اترتی تھی، جسے آپ ﷺ نے اپنے عمل کے ذریعہ قرآن مجید پر عمل کر کے دکھایا گویا آپ ﷺ قرآن مجید کی مجسم شکل بن کر تشریف لائے۔ آپ ﷺ اپنے شاگردوں صحابہ کرام تک پہنچا دیتے تھے۔ جس طرح قرآن پاک کا نزول آپ ﷺ کی زندگی کے تیئیس (23) برسوں پر پھیلا ہوا ہے، اسی طرح آپ ﷺ کے تعلیم و تعلم کا سلسلہ بھی تیئیس سالوں پر مشتمل ہے۔ آیئے! ہم اب دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہء تعلیم کیا تھا؟

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کی تعلیم و تربیت اور مقاصد بعثت کی تکمیل یعنی کتاب و حکمت کی تعلیم اور تزکیہ وغیرہ کے لئے جن مختلف طریقوں اور اسالیب کو اختیار کیا ان میں سے دس (10) اہم ترین درج ذیل ہیں:

1۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ آپ ﷺ اسے اس طرح جاری رکھتے کہ طالب علم اکتاہٹ محسوس نہ کرے۔ جب تک تعلیم اپنی خوشی سے حاصل نہ کی جائے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہوتے۔ اس لئے آپ ﷺ دوران تعلیم کوئی ہلکی پھلکی پُر مزاح بات کہہ دیتے جس سے دلچسپی برقرار رہتی۔ اس طرح وعظ میں کئی کئی دنوں کا وقفہ کرتے کیونکہ اگر اچھی بات بھی بار بار سنی جائے تو طبیعت کچھ اس کی عادی ہو جاتی ہے اور اکتاہٹ محسوس کرتی ہے، زیادہ اثر قبول نہیں کرتی۔

2۔ آپ ﷺ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ ﷺ مخاطب کے ذہنی اور عقلی معیار کو ہمیشہ مدنظر رکھتے۔ عام طور پر معلّمین بہت مشکل اصطلاحات وغیرہ سے لوگوں کو مرعوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انہیں عام لوگوں کی سطح پر بات نہیں کرنی چاہیے لیکن حضور ﷺ کے طریق تعلیم میں یہ بات صاف طور پر دکھائی دیتی ہے کہ آپ ﷺ کا بڑا مقصد یہی تھا کہ لوگ آپ ﷺ کی بات سمجھ جائیں۔ آپ ﷺ کے پاس دیہاتی اور شہری، ان پڑھ اور تجربہ کار، کم عقل اور ذہین سب طرح کے لوگ آتے تھے۔ آپ ﷺ ہر ایک سے اس کی سمجھ کے مطابق سلوک کرتے۔ اس طرح آپ ﷺ بڑی عمدہ مثالوں سے اپنی بات کو سمجھاتے اور مخاطب کی نفسیات اور ذہنی و عقلی مرتبے کو خصوصی اہمیت دیتے۔ کبھی لوگ آپ ﷺ سے سخت اور گستاخانہ لہجے میں بات کرتے تو بھی آپ ﷺ لوگوں سے جہالت کا مرض دور کرنے کے لئے تحمل اور بردباری سے کام لیتے۔

3۔ آپ ﷺ مخاطب کی ذہنی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی بولی اور لہجے کا بھی خیال رکھتے، آپ ﷺ کے طرز عمل سے واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ غیر ملکی زبانیں سیکھنا بہت مفید ہے لیکن ابتدائی تعلیم مادری زبان میں ہونی چاہئے تاکہ بنیادی قواعد کو بہتر طور پر سیکھا جاسکے۔ اسی غرض سے آپ ﷺ مختلف قبائل اور افراد سے ان کے لہجے میں بھی بات کرتے۔ اس سے اپنائیت کا بھی احساس ہوتا اور سامع پر بہت خوشگوار اثر پڑتا۔

4۔ حضور اقدس ﷺ جب تعلیم دیتے تو آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر بات کرتے تاکہ سامع پوری طرح مستفید ہو بعض اوقات آپ ﷺ اپنی بات کو تین بار دہراتے تاکہ بات اچھی طرح سمجھ لی جائے اور یاد ہو جائے۔

''حضرت ابو امامہ ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بات کرتے تو تین مرتبہ دہراتے تاکہ اسے ٹھیک طرح سمجھ لیا جائے۔'' (بخاری، کتاب العلم، 32/1)

''اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول ﷺ جب گفتگو کرتے تو درمیان میں وقفہ کرتے اور بات کھول کر بیان کرتے تا کہ ان سے سننے والا یاد کر سکے۔'' (مشکوٰۃ، کتاب الفضائل، 143/3)

5۔ آپ ﷺ کی ایک اور خصوصیت '' آسانی '' ہے۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ آسانی کو پسند فرمایا اور اس حکم کو اختیار کرنے کی تلقین فرمائی جس میں آسانی کا پہلو غالب ہو۔ اسی طرح آپ ﷺ جہالت یا عدم واقفیت کو ایک مرض سمجھتے اور اس کے ازالے کی کوشش فرماتے۔ صحابہ کرام ؓ کی توجہ بھی اس طرف دلاتے ہوئے فرمایا:
''سکھاؤ اور آسانی پیدا کرو، مشکل نہیں اور جب کوئی غصے میں ہو تو وہ خاموش ہو جائے۔'' (مسند احمد، 39/4)

نماز سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں۔ لیکن آپ ﷺ نے اس میں بھی آسانی کو مدنظر رکھتے ہوئے باجماعت نماز میں تلاوت کو کم کرنے کا حکم دیا۔ اسی طرح آپ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو اس بات سے بھی منع کیا کہ جن باتوں کا میں کرنے کا حکم نہ دوں یا جن کاموں اور باتوں سے میں منع نہ کروں، ان کے متعلق غیر ضروری سوال نہ کیا کرو ورنہ دین مشکل ہو جائے گا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو حکم دیا کہ لوگوں میں دین کو آسان بنا کر پیش کرو۔

6۔ بطور معلم آپ ﷺ کی ایک خوبی انکسار اور تواضع بھی ہے۔ اگرچہ آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہ راست وحی آتی تھی اور آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ اور حقیقی علم عطا کیا تھا۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے کبھی غرور نہیں کیا اور ہمیشہ تواضع کی روش کو اپنایا۔ جب آپ ﷺ صحابہ کرام ؓ سے خطاب فرماتے تو بہت نرم لہجے میں بات کرتے۔ آپ ﷺ کی حیثیت ایک رحیم اور مشفق باپ کی سی تھی۔

7۔ رسول اللہ ﷺ کے انداز تعلیم و تربیت کی ایک اہم ترین خصوصیت یہ تھی کہ آپ ﷺ اپنی امت کو جس بات کی بھی تعلیم دیتے سب سے پہلے اس کا بذات خود ''عملی نمونہ'' بن کر دکھاتے۔ آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت اور وعظ صرف دوسرے کے لئے نہ تھے بلکہ سب سے پہلے اپنی ذات کے لئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سے معاملات میں آپ کو اجازت و سہولت عطا فرمائی لیکن آپ ﷺ نے اس اجازت سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اپنے آپ کو دوسرے عام مسلمانوں کی صف میں رکھنا پسند فرمایا۔

آپ ﷺ نے لوگوں کو نماز کی تلقین فرمائی تو خود اپنا یہ عالم تھا کہ دوسرے اگر پانچ وقت نماز پڑھتے تھے تو

آپ ﷺ آٹھ وقت نماز ادا فرماتے تھے جس میں چاشت اشراق اور تہجد کی نمازیں شامل تھیں۔

آپ ﷺ نے مسلمانوں کو زکوٰۃ دینے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی تاکید فرمائی تو سب سے پہلے اس کا نمونہ خود پیش فرمایا۔ عام مسلمانوں پر مال کا چالیسواں (40) حصہ فرض کے طور پر دینے کا حکم تھا اور اس سے زائد حسب توفیق خرچ کرنے کی ہدایت تھی لیکن آپ ﷺ کا اپنا یہ عمل تھا کہ اپنی ضروریات کو نہایت سادہ طریقے سے پورا کرنے کے بعد اپنی ساری آمدنی ضرورت مند افراد میں تقسیم فرما دیتے تھے اور ضرورت سے زائد ایک دینار بھی گھر میں رکھنا گوارا نہ تھا۔

آپ ﷺ نے مسلمانوں کو زہد و قناعت کی تعلیم دی تو خود اس کا عملی نمونہ بن کر دکھایا۔ غزوہ خندق کے موقع پر بعض صحابہ کرام ؓ نے بھوک کی شکایت کی اور پیٹ سے کپڑا ہٹا کر دکھایا جہاں پتھر بندھا ہوا تھا۔

سرور عالم ﷺ نے جواب میں اپنے شکم مبارک سے کپڑا ہٹایا جس پر دو (2) پتھر بندھے ہوئے تھے۔

8۔ رسول اللہ ﷺ تعلیم میں دلچسپی پیدا کرنے اور طلباء کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے لئے جہاں اور بہت سے طریقے اختیار فرماتے، وہیں بعض اوقات مناسب اور پرکشش سوال سے بھی ابتداء فرماتے جس سے ان کی پوری توجہ آپ ﷺ کی جانب مبذول ہو جاتی تھی۔ احادیث میں (أتدرون) کیا تم جانتے ہو اور (أتحبون) ''کیا تم پسند کرتے ہو'' وغیرہ کلمات سے بات کا آغاز کرنے کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

9۔ رسول اللہ ﷺ کے انداز تعلیم و تربیت کی ایک اہم خصوصیت ''تدریج'' (مرحلہ وار) بھی تھی جن کاموں یا عادتوں کا چھوڑنا انسان کے لئے مشکل ہے، ان میں ''تدریج'' اپناتے جیسے: آپ ﷺ نے شراب کی حرمت کے سلسلے میں طریقہء کار اپنایا۔

10۔ رسول اللہ ﷺ کے طریقہء تعلیم و تربیت کی ایک اہم خصوصیت ''شاگردوں اور طلبہ کا امتحان لینا'' بھی تھی۔ آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام کی صلاحیتوں اور فہم و دانش کا جائزہ لینے کے لئے ان کا امتحان بھی لیتے، احادیث مبارکہ میں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔

عزیز طلباء! آپ نے حضور ﷺ کے طریقہ تعلیم کے ضمن میں جن اسالیب کا مطالعہ اب تک کیا ہے ان کا خلاصہ ذیل میں نکات کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے آپ اسے ذہن نشین کر لیں:

1- تعلیم میں طلبہ کی دلچسپی برقرار رکھنے کے لئے آپ ﷺ کبھی وعظ میں کئی کئی دنوں کا وقفہ بھی فرماتے۔

2- مخاطب کے ذہنی و عقلی معیار اور اس کی نفسیات کے مطابق بات کرنی چاہئے تا کہ وہ بات کو سمجھ سکے۔

3- آپ ﷺ کی تعلیم صرف زبانی نہیں تھی بلکہ آپ ﷺ نے اپنے عمل سے اس کا نمونہ بھی پیش فرمایا۔

4- تعلیم صرف مدرسے تک محدود نہیں ہونی چاہئے بلکہ استاد کو ہمہ وقت اپنے طالب علموں کی ذہنی حالت سدھارنے پر توجہ دینی چاہئے۔

5- آپ ﷺ لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے کبھی کبھی سوال کر کے بات کا آغاز کرتے جس سے طلباء پوری دلچسپی سے آپ ﷺ کی بات سنتے۔

6- آپ ﷺ آہستہ آہستہ گفتگو فرماتے اور کبھی تین تین بار اپنی بات دہراتے تھے تا کہ لوگ آپ کی بات کو سمجھ کر یاد کر لیں

7- مخاطب کی اپنی بولی اور لہجے اگر میں بات کی جائے تو زیادہ اثر کرتی ہے اس کے علاوہ ابتدائی تعلیم مادری زبان ہی میں ہونی چاہئے۔

8- آپ ﷺ نے ہمیشہ لوگوں کی ''آسانی'' کو مدنظر رکھا۔

9- آپ ﷺ نے کتاب کی طرف خصوصی توجہ دلائی۔

10- معلم کو اپنے علم پر متکبر نہیں بلکہ متواضع ہونا چاہئے تا کہ طالب علموں تک صحیح علم پہنچ سکے۔ آپ ﷺ خود صحابہ کرام سے انکساری اور تواضع سے پیش آتے جس کے نتیجے میں لوگ آپ ﷺ کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔

11- رسول اللہ ﷺ اپنی تعلیم و تربیت میں جہاں ضرر ہوتا وہاں ''تدریج'' (مرحلہ وار) کے طریقے کو اپناتے۔

12- رسول اللہ ﷺ اپنے شاگردوں کی صلاحیتوں اور فہم و دانش کا جائزہ لینے کے لئے ان کا امتحان بھی لیتے۔

# خود آزمائی نمبر 1

1۔ فلاسفہ اور متکلمین کے نزدیک علم کا مفہوم کیا ہے؟

2۔ حصول علم کی فضیلت پر ایک حدیث مبارک لکھیں۔

3۔ حصول علم کے ذرائع کتنے اور کون کون سے ہیں؟

4۔ وحی کا لغوی اور اصطلاحی معنی تحریر کریں۔

5۔ علم کا سرچشمہ کیا ہے اور اس کی دلیل کیا ہے؟

6۔ فرشتوں کو کس بناء پر انسان کے سامنے جھکنے کا حکم دیا گیا؟

7۔ حصول علم کا حکم کیا ہے؟

8۔ علماء کی اہمیت پر قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ تحریر کریں۔

9۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور تعلیم کے مقاصد کتنے اور کیا ہیں؟

10۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کے صرف دو طریقے تحریر کریں۔

11۔ خالی جگہ پر کریں۔

(i) علم عربی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے..........۔

(ii) اسلام میں اساتذہ اور..................کو بلند مقام و مرتبہ عطا کیا گیا ہے۔

(iii) اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی کا اردہ فرماتے ہیں، اسے..................عطا کرتے ہیں۔

(iv) حضور ﷺ مختلف قبائل کے وفود سے ان کے..................میں بات کرتے۔

(v) رسول اللہ ﷺ طلباء کی صلاحیتوں اور فہم و دانش کا جائزہ لینے کے لئے ان کا..........بھی لیتے۔

# 3- رسول اکرم ﷺ کا نظام تعلیم

رسول اللہ ﷺ کا تعلیمی نظام اور علوم جاننے سے پیشتر یہ ضروری ہے کہ ہم آپ ﷺ کی تعلیم کے بنیادی تصورات، نظریہ اور فلسفہ سے آگاہی حاصل کریں۔ آپ ﷺ کی تعلیم میں اولین چیز یہ ہے کہ آپ ﷺ رنگ و نسل اور زبان و وطن کے تمام امتیازات نظر انداز کر کے انسان کو بحیثیت انسان مخاطب کرتے ہیں اور ہر حال میں اس کا احترام ملحوظ رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ کی تعلیمات کا نقطۂ آغاز ہی یہ ہے کہ ( یا ایُّھا النَّاسُ اعْبُدُوْا ربَّکم )''اے لوگو! اپنے رب کی بندگی کرو۔''

(قُل یاَیھا النَّاسُ اِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعاً) (الاعراف،158:7)

''کہہ دیجئے! اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔''

آپ ﷺ کا لایا ہوا پیغام قرآن کریم اپنے آپ کو (ھُدًی للناس)''تمام لوگوں کے لئے ہدایت کی شکل میں پیش کرتا ہے۔ گویا آپ ﷺ خود رسول و معلم انسانیت ہیں اور آپ ﷺ کا لایا ہوا پیغام، پیغام انسانیت ہے لہٰذا آپ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیم کو جو بھی مان لے وہ مسلم ہے اور ایک عالمگیر امت مسلمہ کا فرد ہے۔ اب وہ کالا ہو، گورا ہو، عجمی ہو یا عربی کوئی زبان بھی بولتا ہو، جس نسل میں بھی پیدا ہوا ہو، وہ آپ ﷺ کا امتی ہے۔ اس کے لئے معیار فضیلت اب صرف یہی ہے کہ وہ آپ ﷺ کی تعلیم کو کتنا اپنے اندر جذب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے کتنا ڈرتا ہے۔

## 3.1 رسول اللہ ﷺ کے تعلیمی نظام کا بنیادی نظریہ اور فلسفہ

نظام تعلیم قدیم ہو یا جدید ہر زمانہ میں سیاسی، معاشی، سماجی و معاشرتی اور تعلیمی کوئی بھی نظام ہو وہ بنیادی طور پر ایک کلی تصور، فلسفہ اور نظریہ پر قائم ہوتا ہے جسے اس نظام کی ہر چیز میں ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ مغربی تصور کے مطابق تعلیم کا مقصد صرف مادی اور دنیوی فوائد کا حصول ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین اسلام کا نظریہ اور فلسفۂ تعلیم اس کے برعکس ہے جو مادیت و روحانیت دونوں کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے اور توحید، رسالت اور آخرت کو ماننے اور اس پر یقین کرنے کی وجہ سے روحانی، اخلاقی اور اخروی پہلوؤں کو دنیا اور اس کی مادی چیزوں پر ترجیح دیتا ہے۔

## 3.1.1 توحید

رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کے بنیادی تصورات میں سب سے مقدّم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرنا ہے، صرف اس معنی میں نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ ہے بلکہ اس معنی میں کہ اس کائنات کا واحد خالق و مالک، مدبر و منتظم، اللہ تعالیٰ ہی ہے، کوئی دوسری ہستی پوری کائنات میں ایسی نہیں جس کے پاس حاکمیت کا اقتدار ہو جس کو حکم دینے اور منع کرنے کا حق ہو، جس کے حرام کرنے سے کوئی چیز حرام اور جس کے حلال کرنے سے کوئی چیز حلال ہو سکتی ہو۔ یہ سارے اختیارات صرف اس ہستی کے پاس ہیں اس کو ہم پر حکم چلانے کا حق ہے، اس کے ہاتھ میں زندگی اور موت ہے لہٰذا اس کے سامنے سر جھکایا جائے گا۔ توحید کا یہ عقیدہ آپ ﷺ کے نظامِ تعلیم کی اساس اور کارفرما روح کی حیثیت رکھتا ہے۔

## 3.1.2 رسالت اور اطاعت رسول

اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ پر ایمان لانا اور اس کی غیر مشروط اطاعت اس نظام تعلیم کا دوسرا بنیادی نکتہ ہے۔ رسالت کے منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ دنیا کے دیگر معلموں، مصلحوں اور مفکروں سے کہیں زیادہ بلند مقام و مرتبہ رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ کا دوٹوک بیان ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا نبی ہوں اور نوع انسان کی آخری ہدایت کے لئے اس نے اپنا قانون میرے ذریعے بھیجا ہے میں خود بھی اس قانون کا پابند ہوں اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی کا اختیار نہیں رکھتا اس کے بعد میں تمام انسانوں کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ ہر دوسرے قانون کی پیروی چھوڑ کر اس قانون کی پیروی کریں۔

﴿ قُلْ مَایَكُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓى اِلَیَّ ﴾ (یونس 15)

"کہہ دیجئے! میرا یہ کام نہیں ہے کہ میں (وحی) میں کوئی تغیّر و تبدل کرلوں۔ میں تو بس اس وحی کا پیرو ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے۔"

## 3.1.3 آخرت

تیسرا بنیادی تصور، نکتہ آخرت ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ مرنے کے بعد ہر انسان دوبارہ زندہ ہوگا اور اپنے ایک ایک فعل، ایک ایک قول اور اپنی پوری اختیاری زندگی کے اعمال کا حساب اپنے خالق کو پیش کرے گا۔

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ (الزلزال،8,7:99)

''جس نے ذرہ برابر اچھائی کی ہوگی وہ اسے دیکھے گا،اور جس نے ذرہ برابر کوئی برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھے گا''۔

## 3.1.4 عمل اور تزکیہء نفس

رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کے بنیادی تصورات میں سے ایک اہم تصور اپنے سیکھے ہوئے علم پر عمل کرنا اور اور اپنے باطن ونفس کی اصلاح وتزکیہ کرنا بھی ہے۔اسلام میں علم برائے علم یا صرف معلومات اکٹھی کرنے یا ذہنی اور عقلی عیاشی کا نام نہیں ہے بلکہ علم سے مقصود اس پر عمل کرنا ہے۔

## 3.2 مکی دور میں تعلیم

محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمی سرگرمیوں کا آغاز اسی وقت سے ہوگیا تھا جب آپ ﷺ پر غار حراء میں پہلی ''وحی'' نازل ہوئی ،اس طرح سب سے پہلے مکہ مکرمہ کی سرزمین اور مکی معاشرہ آپ کی تعلیمی ،تبلیغی اور دعوتی سرگرمیوں کا مرکز بنا۔ جب اس معاشرہ میں آپ ﷺ کی تعلیم اور دعوت کو پذیرائی نہ ملی اور آپ ﷺ کے لئے بے شمار رکاوٹیں اور دشواریاں پیدا کر دی گئیں تو آپ ﷺ نے خفیہ طور پر اپنی تعلیمی اور دعوتی سرگرمیاں جاری رکھیں اور اپنا مرکز ایک جانثار صحابی حضرت ارقم ؓ کے گھر کو بنایا جو خانہ کعبہ کے ساتھ تھا۔(یہ گھر اب حرم شریف کی توسیع کے اندر آ گیا ہے)

حضرت ارقم ؓ کے گھر میں صحابہ کرام ؓ خفیہ طور پر جمع ہوتے اور معلم انسانیت رسول اللہ ﷺ سے (بنیادی نظریات) عقائد: توحید، رسالت، آخرت ،جنت، دوزخ اور دین کی بنیادی تعلیمات:طہارت ،نماز، صدقہ اور اخلاق وغیرہ کی تعلیم حاصل کرتے۔

مکی دور میں تعلیم کے میدان میں سب سے قابل ذکر کام قرآن مجید کی کتابت کا تھا۔آپ ﷺ نے کاتبین مقرر فرمائے جن کا کام یہ تھا کہ جیسے جیسے وحی نازل ہوتی جائے اسے لکھ لیں اور اس کی نقلیں تیار کرلیں۔تقریباً چالیس(40) کاتبین وحی کے نام روایات سے معلوم ہوتے ہیں۔حضرت عمر ؓ کے ایمان لانے کے مشہور واقعے کے ضمن میں یہ ذکر ملتا ہے کہ انہیں قرآن مجید کی چند سورتیں لکھی ہوئی اپنی بہن کے گھر سے ملی تھیں۔آپ ﷺ نہ صرف یہ کہ تعلیم دیتے بلکہ اپنے ان شاگردوں کو بھی معلم اور مبلغ بنا کر آگے تعلیم اور تبلیغ کے لئے تیار کرتے۔ بیعت عقبہ ثانیہ جو ہجرت سے دو(2)

سال پہلے منعقد ہوئی تھی۔ جس میں مدینہ منورہ کے تقریباً بارہ (12) افراد نے اسلام قبول کیا تھا ان کی خواہش پر رسول اکرم ﷺ نے ان کے ساتھ مکہ مکرمہ سے حضرت مصعب بن عمیر ؓ کو جو بہترین معلّم تھے روانہ کیا جنھوں نے وہاں جا کر انہیں قرآن کی تعلیم اور توحید کی دعوت دی اور مدینہ منورہ کی فضاء کو اسلام کے حق میں ہموار کیا۔

## 3.3 باقاعدہ تعلیم کا آغاز اور رسول اللہ ﷺ کا نظام تعلیم

باقاعدہ ایک نظام کے تحت تعلیم کا آغاز رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے فوراً بعد مدینہ منورہ میں اس وقت ہوا جب آپ ﷺ نے مسجد نبوی ﷺ تعمیر کی اور اس مسجد کے ایک حصے میں طلبہ کے لیے سائبان اور چبوترہ (صفہ) بنایا۔

کسی بھی نظام تعلیم کے اندر چار عناصر کا پایا جانا ضروری ہے:

(1) انتظامیہ اور عملہ، اساتذہ وغیرہ (2) طلبہ (3) نصاب تعلیم (4) اماکن اور مراکز تعلیم

اس اعتبار سے جب ہم آپ ﷺ کے نظام تعلیم کو دیکھتے ہیں تو اس میں ہمیں یہ چاروں پہلو موجود نظر آتے ہیں اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ ﷺ کا نظام ایک مکمل اور بھرپور نظام تعلیم تھا جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

### 3.3.1 انتظامیہ اور اساتذہ

اس نظام تعلیم کے رسول اللہ ﷺ خود پالیسی ساز، نگران اعلیٰ، ناظم تعلیمات اور صدر مدرس تھے۔ آپ ﷺ نے مختلف کورسز پڑھانے کے لئے مزید مدرس مقرر کیے ہوئے تھے جن کی نگرانی آپ ﷺ خود کیا کرتے تھے۔ اگر کسی سے کوئی غلطی ہو جاتی تو آپ ﷺ اصلاح فرماتے اور ضروری ہدایات جاری فرماتے۔ آپ ﷺ کے نظام تعلیم کی ایک خوبی نظام تعلیم کا مفت اور رضا کارانہ ہونا تھا۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ حضور ﷺ کے بعد مدتوں تک علماء تعلیم پر اجرت لینا حرام خیال کرتے تھے اور معاش کے لئے کوئی اور پیشہ اختیار کرتے تھے۔ بعد میں جب بہت سی پیچیدہ معاشرتی مجبوریوں کی وجہ سے علماء مدرسوں میں تنخواہیں لینے لگے تب بھی طالب علم پر کوئی مالی بوجھ نہ ڈالا گیا جس سے تعلیم کے فروغ میں بہت مدد ملی۔

آپ ﷺ کی تعلیمی پالیسی میں نومسلم قبائل کی تعلیم و تربیت بھی شامل تھی چنانچہ ان کی تربیت کے لئے آپ ﷺ معلم روانہ فرماتے۔

## 3.3.2 طلبہ

آپ ﷺ کے شاگرد صحابہ کرام کی جماعت تھی جس میں بچے، جوان، بوڑھے اور خواتین سب شامل تھے، جنہیں ان کی استعداد و صلاحیت اور ضرورت کے مطابق تعلیم دی جاتی تھی۔ آپ ﷺ نے صفہ کے ذریعے سے طلبہ کے لئے مفت اقامتی اور ہمہ وقتی تعلیم کا آغاز کیا۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج بھی طلبہ کے تمام اخراجات جن میں کتب کے علاوہ طعام اور لباس وغیرہ کے اخراجات بھی شامل ہیں بعض حکومتوں، رفاہی اداروں اور اہل خیر کی طرف سے ادا کیئے جاتے ہیں۔

## 3.3.3 نصاب تعلیم

رسول اللہ ﷺ کے نصاب تعلیم میں "علم شریعت" پر بنیادی توجہ دی جاتی تھی البتہ دیگر شعبہ ہائے علوم میں سے مفید دنیاوی علوم کو بھی مدنظر رکھا جاتا تھا۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے نشانہ بازی، پیراکی، تقسیم ترکہ کا حساب، مبادیٔ طب، علم ہیئت کی تعلیم کا بھی حکم فرمایا۔ اسی طرح بعض حربی و جنگی علوم سیکھنے اور ان حربی آلات کے استعمال کی تربیت حاصل کرنے کے لیے حضور ﷺ نے کچھ صحابہ کرام کو خاص طور پر حکم فرمایا۔ دو صحابہ کرام حضرت عروۃ بن مسعود اور حضرت غیلان بن مسلم رضی اللہ عنہ دبابے (ٹینک) اور منجنیق کا استعمال سیکھنے کے لیے جرش نامی ایک جگہ پر بھیجے گئے۔

قرآن وسنت کی تعلیم کے ساتھ ساتھ مفید دنیوی علوم آپ ﷺ کے نصاب تعلیم کا حصہ تھے مگر عربوں کی تعلیمی پسماندگی کو جلد از جلد دور کرنے کے لئے اور قرآن کریم کی بذریعہ کتابت حفاظت کی غرض سے حضور ﷺ کتابت سیکھنے کو فوقیت دیتے تھے۔ حضور ﷺ نے مسجد نبوی میں عبداللہ بن سعید بن العاص اور عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کو اصحاب صفہ کو کتابت سکھانے پر مامور فرمایا۔ کتابت کی اس اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضور ﷺ نے ہجرت جیسے پرخطر سفر میں بھی سامان کتابت ساتھ رکھنا ضروری خیال کیا تھا۔ اس کے علاوہ بدر کے قیدیوں سے کچھ پڑھے لکھے قیدیوں کا فدیہ قرار پایا کہ ہر ایک دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے۔

صلح حدیبیہ کے بعد سیاسی معاہدات اور سرکاری خط و کتابت میں بھی اضافہ ہوا۔ (تاریخ نے رسول اللہ ﷺ کے تقریباً تین سو (300) خطوط محفوظ کئے ہیں) ایک مملکت کے حاکم کی حیثیت سے آپ ﷺ کو مترجمین کی بھی ضرورت تھی جو غیر زبانیں جانتے ہوں چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ترجمان تھے۔ وہ فارسی، رومی اور حبشی زبانیں

جانتے تھے اور آپ ﷺ کے حکم پر انھوں نے خاص طور پر عبرانی زبان بھی سیکھی تھی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بہت سی زبانیں جانتے تھے۔

## 3.3.4 مراکز تعلیم

رسول اللہ ﷺ نے تعلیم و تعلّم کے لئے مرکز اور جگہ کی اہمیت پر زور دیا۔ جس کے لئے مسجد نبوی ﷺ کے ساتھ ملحقہ چبوترہ (صُفّہ) تعمیر کروایا جو پہلی اسلامی اقامتی درس گاہ اور جامعہ تھی (رات کو طلباء اس میں سوتے تھے) اس میں ایسے اساتذہ کا تقرر کیا گیا جو علم دین کے ساتھ ساتھ مختلف فنون کی تعلیم دیتے تھے۔ عبداللہ بن سعید بن العاص ؓ کو جو زمانہ جاہلیت میں بھی کاتب کی حیثیت سے مشہور تھے۔ کتابت سکھانے پر مامور کیا گیا۔ حضرت عبادہ بن صامت ؓ کو بھی کتابت اور قرآن حکیم کی تعلیم پر مقرر کیا گیا۔ صفہ کی درس گاہ میں تعلیم پانے والے صحابہ کرام ؓ کی تعداد بعض مؤلفین نے چارسو بھی (400) لکھی ہے۔ مقیم طلباء بھی ستر اسی تک ہو جاتے تھے۔ اس اقامتی درس گاہ میں کتابت کے علاوہ قرآن حکیم حفظ کرایا جاتا تھا۔ فن تجوید سکھایا جاتا تھا اور دیگر اسلامی علوم کی تعلیم کا بندوبست تھا۔ مقیم طلباء کی خوراک کا بندوبست بھی کیا جاتا تھا۔ صحابہ کرام ؓ کے مسجد نبوی ﷺ میں تعلیمی حلقے بنا کر بیٹھنے کا رواج حضور ﷺ کے زمانے میں ہو چکا تھا۔ رسول کریم ﷺ اکثر ان مجلسوں میں تشریف فرما ہوتے اور ان کے تعلیمی و تربیتی معاملات کو درست فرماتے۔ مسجد نبوی ﷺ کی تعلیمی فضاء کا ذکر احادیث میں بھی ملتا ہے۔ روایات سے آپ ﷺ کا مسجد نبوی ﷺ کے حلقہ ہائے درس کا معائنہ کرنا اور حسب ضرورت اصلاح فرمانا ثابت ہے۔

''ایک مرتبہ رسول خدا ﷺ نے قضا و قدر کے بارے میں لوگوں کو بحث کرتے ہوئے سنا تو آپ ﷺ اپنے حجرے سے باہر تشریف لائے۔ غصے سے آپ ﷺ کا چہرۂ انور سرخ ہو رہا تھا۔ آپ ﷺ نے اس موضوع پر بحث سے منع فرما دیا اور فرمایا بہت سی گزشتہ امتیں اسی مسئلے پر الجھ کر گمراہ ہوئیں۔'' (ابن ماجہ، 63/1، رقم:85)

حضور ﷺ نے مسجد کو ہی مسلمانوں کی تعلیم کا مرکز قرار دیا اور مسجد نبوی ہی آپ ﷺ کے مرکزی آفس کی حیثیت رکھتی تھی۔ مسجد نبوی ﷺ کے علاوہ مدینہ منورہ کی بعض دیگر مساجد میں بھی مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا بڑا اہتمام ہوتا تھا لیکن آپ ﷺ نے اپنی تعلیم کو صرف مسجد اور مرکز تک محدود نہیں رکھا کہ صرف وہیں تعلیم حاصل کی جا سکے بلکہ جہاں کہیں بھی کسی کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ ﷺ اس کی وضاحت فرما دیتے۔ حتیٰ کہ راستے اور سفر میں بھی آپ ﷺ کی تعلیم و تعلّم کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

# 4 - خواتین کی تعلیم و تربیت

قرآن کریم اور احادیث نبوی ﷺ کے مطابق اس دنیا میں انسانی معاشرے کی ابتداء ایک مرد اور ایک عورت حضرت آدم و حواء علیہا السلام سے ہوئی۔ اور پھر ان سے آگے ان کی نسل نے بڑھتے بڑھتے معاشرے کی شکل اختیار کر لی۔ مرد و زن کے باہمی تعاون، اور اشتراک عمل سے ہی انسانی معاشرہ کامیابی اور ترقی کی منازل طے کر سکتا ہے اس لئے مردوں کی تعلیم و تربیت کی طرح عورتوں کی تعلیم و تربیت بھی ضروری ہے۔

## 4.1 خواتین کی تعلیم کی اہمیت و ضرورت

خواتین کے لئے بھی تعلیم کی اتنی ہی اہمیت اور ضرورت ہے جتنی مردوں کے لئے ہے بلکہ ماں ہونے کی حیثیت سے اس کے لئے مردوں سے زیادہ تعلیم کی ضرورت ہے کیونکہ وہ بچے کی اولین معلّمہ ہے اور بچے کی تعلیم و تربیت کی سب سے پہلی ذمہ داری بھی اسی پر عائد ہوتی ہے۔ شاعر نیل حافظ ابراہیم کا مشہور شعر ہے:

اَلْاُمُّ مَدْرَسَۃٌ اِذَا اُعْدَدْتَھَا　　　　اُعْدَدْتَ شَعْبًا طَیِّبَ الْاَعْرَاقِ

”ماں ایک سکول ہے اگر آپ نے اس کی اچھی طریقے سے تعلیم و تربیت کی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے ایک بہترین قوم تیار کی ہے“

اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے مرد و عورت دونوں کے لئے یکساں طور پر حصول علم دین کو فرض قرار دیا اور ازواج مطہرات کی تعلیم و تربیت کر کے اپنے عمل سے بھی اسے ثابت کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے صرف بیٹیوں اور آزاد خواتین ہی کی نہیں بلکہ کنیزوں اور لونڈیوں تک کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کی تلقین فرمائی اور اسے باعث اجر و ثواب قرار دیا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

”جس کسی کے پاس کوئی لونڈی اور باندی ہو اور وہ اس کی عمدہ تعلیم و تربیت کر کے اسے آزاد کر دے اور پھر اس سے نکاح کر لے تو اس کے لئے دوگنا ثواب ہے۔“ (بخاری، حدیث نمبر: 2547)

## 4.2 نبوی ﷺ معاشرہ میں خواتین کے تعلیمی مراکز

جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہوں گے کہ مسجد نبوی ﷺ مسلمانوں کی سب سے بڑی تعلیمی درس گاہ تھی جہاں آپ ﷺ صحابہ کرام ؓ کو تعلیم دیا کرتے تھے لیکن ابتداء میں خواتین وہاں نہیں جاتی تھیں اور ان کے مرد بھی انہیں مسجد نبوی ﷺ جانے سے منع کرتے تھے۔ اس لیے آپ ﷺ نے حکم دیا کہ

''تم اللہ تعالیٰ کی بندیوں (عورتوں) کو اللہ تعالیٰ کی مساجد میں جانے سے نہ روکو۔'' (بخاری، حدیث نمبر:900)

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم خواتین کی بڑی تعداد آپ ﷺ کی مجالس وعظ میں شریک ہونے لگیں اور آپ ﷺ کی تعلیمات سے مستفید ہوتیں تاہم کچھ مسائل ایسے بھی تھے جنہیں وہ براہ راست آپ ﷺ سے معلوم نہ کر سکتی تھیں اس لیے ان معاملات میں وہ امہات المؤمنین حضرت عائشہؓ اور دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ذریعے سے رہنمائی حاصل کرتیں اور خواتین کے مخصوص مذہبی مسائل سے آگاہی حاصل کرتیں۔

اس کے باوجود ان خواتین نے محسوس کیا کہ حضور ﷺ سے ہفتہ میں ایک دن صرف خواتین کے لئے مخصوص کرا لینا چاہئے چنانچہ ان کی درخواست پر آپ ﷺ نے ہفتے میں ایک دن صرف خواتین کی تعلیم کے لئے مخصوص کر دیا۔ اس دن آپ ﷺ انہیں نصیحت فرماتے، ان کے سوالات کے جواب دیتے اور ملکی حالات سے بھی آگاہ فرماتے۔

حضور ﷺ نے خواتین کی تعلیم کا یہ سلسلہ اپنے گھر سے شروع کیا تھا اور آپ ﷺ ہی کی تعلیم کی بدولت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حدیث تفسیر، فقہ اور شعر و ادب میں بہت بڑی عالمہ ہو گئی تھیں اور انہوں نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد بھی اپنے تعلیمی فیض کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہی حال دیگر ازواج مطہرات کا تھا۔ ان میں سے کوئی اگر لکھنا پڑھنا نہ جانتی ہوتیں تو آپ ﷺ دیگر خواتین کو ان کی تعلیم پر مأمور فرماتے۔ ام المؤمنین حضرت حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کی اجازت سے ہی اپنی ایک رشتہ دار خاتون شفاء بنت عبداللہ سے لکھنا سیکھا تھا۔

## 4.3 خواتین کی تعلیم کا نصاب

یہ بات ظاہر ہے کہ خواتین جسمانی وحیاتیاتی اور نفسیاتی اعتبار سے مردوں سے مختلف ہیں اس لئے ان کے لئے ایسی تعلیم کی ضرورت ہے جو ان کی فطرت، جذبات اور صلاحیتوں سے مطابقت رکھتی ہو، ان کی نسوانیت اور شرم وحیاء کی

حفاظت کرتی ہو اور ان کی گھریلو وسماجی زندگی کے فرائض و ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں ان کے لئے معاون و مددگار ہو۔

## 4.4 تعلیم نبوی ﷺ کے نتائج اور ثمرات

رسول اللہ ﷺ نے جب عربوں کی تعلیم و تربیت کا آغاز کیا تو اس وقت وہ قوم دنیا میں بے حیثیت و بے وقار، ان پڑھ اور جاہل، قتل و غارت، ظلم و تشدد کی خوگر اور انسانیت و شرافت کی قدروں سے محروم تھی۔ حضور ﷺ نے تشریف لا کر اس قوم کی کایا پلٹ دی۔ ان کے دل و دماغ میں انقلاب پیدا کیا جس سے ان کے اخلاق کی قدریں بدل گئیں۔ ان کے عقائد اور نظریات تبدیل ہو گئے اور ان کے سینوں میں علم و عرفان کی شمعیں روشن ہو گئیں۔

یہ اُس معلّم اعظم ﷺ کا ہی کمال ہے کہ جس نے اِس جاہل قوم کو اپنی تعلیم و تربیت کے ذریعے انسانیت کی عظیم قدروں سے روشناس کرایا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کی اتنی بڑی تعداد کو زیور تعلیم سے مزّین فرمایا کہ وہ آنے والی نسلوں کے لئے روشن مینار ثابت ہوئے۔ انہوں نے بہت جلد دنیا میں سیاسی، معاشرتی، سماجی اور معاشی نظام میں برتری کے ساتھ ساتھ علمی میدان میں بھی اپنی عظمت کے جھنڈے گاڑ دیے اور کئی صدیوں تک دنیا صرف مسلمانوں کے علم و فن سے فیض یاب ہوتی رہی۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ رول ماڈل اور آئیڈیل معلم اور تعلیم کے طور پر معلوم انسانی تاریخ سے لے کر آج تک معلم انسانیت محمد عربی ﷺ سے بہتر کوئی معلم و مربی پیدا ہی نہیں ہو سکا اور نہ ہی آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت سے زیادہ مؤثر، فعال اور بہترین نتائج کی حامل کوئی تعلیم اور تربیت ہے۔ یہ وہ گواہی ہے جس کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں سے بھی اعتراف کروایا ہے۔ ہم ان میں سے صرف دو کے اقتباسات پیش کر کے یونٹ کے اس پہلے حصے کو یہاں ختم کرتے ہیں۔

امریکن مصنف مائیکل ہارٹ (جو مذہبی طور پر عیسائی اور پیشہ کے طور پر سائنس دان ہیں) نے اپنی کتاب ''ایک سو'' میں ان سو (100) افراد کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے انسانی تاریخ پر سب سے زیادہ اثرات ڈالے ہیں، اس نے بھی اپنی کتاب میں سرفہرست حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نیوٹن کی جگہ حضرت محمد ﷺ کو رکھا ہے اور آپ ﷺ کی شخصیت پر تبصرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

He was the only man in history who was supremely successful on both the religious and Secular levels. (Dr.Michael H,hart,The100,newyark1978)

''آپ تاریخ کے وہ تنہا شخص ہیں جو انتہائی حد تک کامیاب رہے، مذہبی سطح پر بھی اور دنیوی سطح پر بھی''۔

پروفیسر فلپ ہٹی رسول اللہ ﷺ کی شخصیت، تعلیم و تربیت کی فعالیت اور نتیجہ خیزی کو اپنی کتاب ''تاریخ عرب'' میں ان شاندار الفاظ سے خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

After the death of the prophet sterile Arabia seems to have been converted as if by magic into a nursery of heroes the like of whom both in number and quality is hard to find anywhere.

(P.K. Hitti History of Arabs (1979) P. 142)

''پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے عرب کی بنجر زمین جادو کے ذریعہ ہیروؤں کی نرسری میں تبدیل کردی گئی ہو، ایسے ہیرو جن کی مثل تعداد یا نوعیت میں کہیں اور پانا سخت مشکل ہے''۔

اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ دعا پوری ہوئی جو انہوں نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت اپنے رب سے مانگی تھی کہ:

''اے ہمارے رب ان لوگوں میں ایسا رسول مبعوث فرما جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے۔ انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کے باطن کو پاک کرے''۔(سورۃ البقرہ، 129:2)

آج ہمیں حضور ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے اور آپ ﷺ کی دکھائی ہوئی راہوں پر چلنے کی اشد ضرورت ہے۔ آپ ﷺ کی بتائی ہوئی تعلیمات پر عمل کرکے ہم نہ صرف سچے مسلمان بن سکتے ہیں بلکہ آخرت کے ساتھ دنیا میں بھی سرخرو ہو سکتے ہیں۔

# خود آزمائی نمبر 2

1۔ رسول اللہ ﷺ کے تعلیمی نظام کا بنیادی نظریہ اور فلسفہ کیا ہے؟

2۔ دار ارقم کہاں واقع تھا؟ اور وہاں صحابہ کرام کیا کرتے تھے؟

3۔ مکی دور میں رسول اللہ ﷺ کا سب سے زیادہ قابل ذکر تعلیمی کام کیا ہے؟

4۔ بیعتِ عقبہؑ ثانیہ ہجرت مدینہ سے کتنے سال پہلے ہوئی؟

5۔ اقامتی جامعہ سے کیا مراد ہے؟

6۔ صفہ کی درس گاہ کا نصاب کیا تھا؟

7۔ تزکیہء نفس سے کیا مراد ہے؟

8۔ تعلیمی نظام کے چار اہم عناصر کیا ہیں؟

9۔ رسول اللہ ﷺ نے ہفتے میں کتنے دن خواتین کی تعلیم کے لئے مخصوص فرمائے؟

10۔ پروفیسر فلپ ہٹی نے رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تربیت کی فعالیت اور نتیجہ خیزی کے بارے میں کیا کہا؟

11۔ خالی جگہ پر کریں۔

(i) حضرت زید بن ثابت ؓ نے آپ ﷺ کے حکم سے.......... زبان سیکھی۔

(ii) ..........اور.......... نے دبابے اور منجنیق کی صنعت سیکھی۔

(iii) عبداللہ بن سعید بن العاص اور..........کو آپ ﷺ نے اصحاب صفہ کو..........سکھانے پر مأمور کیا۔

(iv) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے .................... سے لکھنا سیکھا تھا۔

(v) رسول اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ سے حضرت مصعب بن عمیر ؓ کو مدینہ منورہ .......... بنا کر بھیجا۔

# 5- دعوت و تبلیغ

## 5.1۔ دعوت کا لغوی مفہوم

ابن فارس تحریر کرتے ہیں کہ:"دال، عین اور حرف واو بنیادی طور پر ایک ہی معنی پر دلالت کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ: آپ اپنی آواز اور گفتگو کے ساتھ کسی چیز کو اپنی طرف مائل کریں (بلائیں)۔اس کا مصدر دُعاء ہے، اسی طرح اس کا مصدر دال کے فتحہ کے ساتھ دَعْوَة بھی آتا ہے جو کھانے کی طرف بلانے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

لفظ دعوۃ مختلف مفاہیم میں استعمال ہوتا ہے مثلاً پکارنا، بلانا، درخواست کرنا، نام دینا، نام رکھنا، سبب بننا، دعوت دینا، فرمائش، مشن و پیغام اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا وغیرہ۔ الـدُّعَـــاء اسم کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے جس کی جمع الْأَدْعِيَة آتی ہے۔قرآن مجید میں ان ہی معانی میں استعمال ہوا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ﴾ (النور،63:24)

"(اے لوگو) اپنے درمیان رسول کو بلانے کو ایسا (معمولی) نہ سمجھو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلایا کرتے ہو۔"

## 5.2۔ تبلیغ کا لغوی مفہوم

"(بَلَغَ) کا بنیادی معنی ہے کسی چیز تک پہنچنا، پالینا، باب نصر مجرد سے بَلَغَ الشیء يَبْلُغُ بُلُوغاً وبَلاغاً استعمال ہوتا ہے۔باب افعال اور تفعیل سے اِبْـلاغ و تَبْـلِيـغ بطور مصدر استعمال ہوتے ہیں جن کا معنی ہے ایصال اور پہنچانا۔ (الْبَلاغ) کا بھی یہی معنی ہے لیکن یہ تبلیغ سے اسم مصدر ہے۔(بَـلاغ وبُـلْـغة وبَلُغ) تینوں کا معنی ہے کفایت یعنی کافی ہونا، بقدر کفاف، اتنا جس سے گذر بسر ہو سکے۔اس مادہ کے معانی میں کسی چیز کا اپنی انتہا اور اختتام تک پہنچنا، درخت کا پھل دینے کی حالت تک پہنچنا، بالغ ہونا، جاننا، کسی بات کا علم ہونا بھی آتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ﴾ (النحل،35:16)

"پس ہمارے پیغمبر کی ذمہ داری اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ صاف صاف طریقے پر پیغام پہنچا دیں"۔

اس آیت کریمہ میں بلاغ بمعنی تبلیغ پہنچا دینے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

قرآن کریم میں دعوت و تبلیغ کے لئے ان کے سوا مزید الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں جو تھوڑے بہت فرق کے

ساتھ اسی معنی و مفہوم پر دلالت کرتے ہیں جیسے انذار و تبشیر اور تذکیر۔

اِنذار: کا معنی ہے پہنچا دینا لیکن یہ صرف ڈرانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کا اسم ہے النُّذُر۔ قرآن کریم میں ہے۔ ''فکیف کان عذابی ونزر'' سو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا؟۔ ( یہاں نُذُرِ بمعنی اِنذار ہے) جبکہ النَّذِیر کا معنی ہے ڈرانے والا۔

تبشیر: خوشخبری دینا، اسی سے لفظ (اَلْبِشَارَة) ہے باء کے کسرہ کے ساتھ جس کا معنی ہے خوشی بھلائی اور خیر کی خبر سنانا، کبھی مطلقاً خبر دینے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اچھی ہو یا بری۔ مُبَشِّر: خوشخبری دینے والا۔

تذکیر: کا معنی ہے یاد دلانا اور نصیحت کرنا۔ مُذَکِّر: یاد دہانی کرانے والا، ناصح۔

## 5.3۔ دعوت اور تبلیغ میں معنوی فرق

سابقہ تفصیل سے یہ معلوم ہو گیا کہ لفظ دعوت مطلقاً مائل کرنے اور بلانے کے معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے چاہے اپنی ذاتی کسی چیز، مذہب یا پروگرام کی طرف بلائیں یا کسی اور کی چیز، بات پیغام اور مشن و پروگرام کی طرف بلائیں لیکن تبلیغ کے معنی سے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ کسی کا کوئی پیغام یا امانت ہے جو آگے پہنچانی ہے۔

## 5.4۔ دعوت و تبلیغ کا اصطلاحی مفہوم

علماء کرام نے اس کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔

امام طبریؒ مختصر مگر جامع تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''هِيَ دَعْوَةُ النَّاسِ إِلَى الْإِسْلَامِ بِالْقَوْلِ وَالْعَمَلِ''.

''دعوت الی اللہ کا مطلب ہے: ''لوگوں کو قول و فعل سے اسلام کی طرف بلانا''۔

معاصر اہل علم میں سے شیخ علی بن صالح المرشد نے اس کی تعریف درج ذیل الفاظ میں کی ہے:

''ہر جگہ اور ہر زمانے میں مدعوین (دعوت دیئے جانے والے لوگوں) کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے مناسب طریقوں اور مناسب وسائل و ذرائع سے اسلام کی دعوت اور پیغام پہنچانا''۔ غیر مسلموں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان اور ان کی اطاعت کی ترغیب دے کر اسلام قبول کرنے کی دعوت دینا اور مسلمانوں اسلامی تعلیمات پر کار بند رہنے کی یاد دہانی اور ترغیب دینے کا نام دعوت و تبلیغ ہے۔

## 5.5۔دعوت و تبلیغ کی ضرورت و اہمیت

دعوت و تبلیغ ایک ایسا عمل اور ذمہ داری ہے جس میں اپنی قوم و اہل ملت کو غفلت و نسیان اور بے عملی کی تاریکی سے نکلنے کی ترغیب دی جاتی ہے اور انہیں اپنے اصل مقصد و کام کو یاد رکھنے کی نصیحت کے ساتھ بھولنے اور انکار و بے راہ روی کے انجام بد سے خبردار کیا جاتا ہے۔اور دیگر اقوام و اہل مذاہب کو اپنے عقیدہ و عمل اور مقصد و نصب العین کی طرف اخلاص سے بلایا جاتا ہے۔اس دعوت و مقصد سے اتفاق اور ماننے کے فوائد و ثمرات سے آگاہ کیا جاتا ہے اور اختلاف و انحراف کی صورت میں نقصانات و خطرات سے ڈرایا جاتا ہے۔

دعوت و تبلیغ کے دو میدان اور دائرہ کار ہیں(1) ایک داخلی اور دوسرا (2) خارجی۔ داخلی دائرے میں یہ کسی قوم کے افراد اور اس کے اجتماعی و معاشرتی نظام کو اندرونی فساد و بگاڑ سے بچانے کا ذریعہ ہے اور خارجی دائرے میں عام انسانوں اور اقوام کو اپنے نظریئے اور نظام کی حقانیت اور افادیت کا قائل کرنا ہے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ سیرت النبی میں انبیاء کی تبلیغ کے مفہوم اور تبلیغ کی ضرورت و اہمیت کے متعلق تحریر کرتے ہیں:

''نبی کا سب سے پہلا اور اہم فرض تبلیغ اور دعوت ہے یعنی جو سچائی اس کو خدا سے ملی ہے اس کو دوسروں تک پہنچا دینا اور جو علم اس کو عطا ہوا ہے اس سے اوروں کو بہرہ ور کرنا خدا کا جو پیغام اس تک پہنچا ہے وہ لوگوں کو سنا دینا اس نے اس کو جس صداقت سے آگاہ کیا ہے اس سے اپنے ہم جنسوں کو باخبر کرنا۔ جو مالی، جانی، زبانی، دماغی، روحانی اور اخلاقی طاقتیں اس کو بخشی گئی ہیں ان کو اس راہ میں صرف کرنا، اور اس سمجھانے بجھانے اور راہ راست پر لانے میں صداقت کی ہر تاثیر سے کام لینا۔ اس اعلان اور دعوت میں تکلیف بھی پیش آئے اس کو راحت جاننا۔ جو مصیبت درپیش ہو اس کو آرام سمجھنا۔ جو کانٹے بھی اس وادی میں اس کے تلووں میں چبھیں ان کو گل سمجھنا۔ اس حق کی آواز کو دبانے کے لئے جو قوت بھی سر اٹھائے اس کو کچل دینا، اور مال و منال، اہل و عیال غرض جو چیز بھی اس سفر میں سنگ راہ بن کر سامنے آئے اس کو ہٹا دینا اور ان کی ان ساری کوشش و کاوش کا مقصد خدا کی رضا مندی، مخلوق کی خیر خواہی اور اپنے فرضِ رسالت کی ادائیگی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ یہ ہے انبیاء کی تبلیغ و دعوت کا مفہوم۔

دنیا میں جس قدر پیغمبر آئے انہوں نے اپنے فرض کو اسی ایثار اور قربانی کے ساتھ انجام دیا اور ایک لحہ بھی اپنے فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی نہ کی اور آج دنیا میں جو کچھ خدا کی محبت، بھائیوں کا پیار، انسانوں کی ہمدردی، بے کسوں کی مدد،

غریبوں کی اعانت اور دوسری نیکیوں کا اس سطح زمین پر وجود ہے وہ سب بلواسطہ یا بلاواسطہ، دانستہ یا نادانستہ انہیں کی دعوت و تبلیغ اور جدوجہد کا اثر اور نتیجہ ہے"۔

دین اسلام میں اس کی اہمیت کا اندازہ رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث مبارک سے لگایا جاسکتا ہے جس میں آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: فَوَاللّٰهِ لَأَنْ يَهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلاً وَاحِداً خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ يَكُوْنَ لَكَ حُمُرُ النَّعَمِ. (بخاری، حدیث نمبر:4210)

"اے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تمہاری کوشش سے ایک آدمی کا بھی دین حق قبول کر لینا سرخ اونٹوں سے بہتر ہے"۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی بابرکت شخصیات تاریخ انسانی میں تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز رہی ہیں۔ دنیا میں جہاں کہیں حق وصداقت کی کوئی کرن نظر آتی ہے اس کا باعث یہی نورانی وجود ہیں۔ انہی حضرات کی مساعی جمیلہ کا جلوہ ہے جو انسانی تاریخ میں عیاں و پنہاں نظر آتا ہے۔

ان تمام انبیاء کرام میں سرور کونین حضرت محمد ﷺ کو منفرد مقام و مرتبہ حاصل ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اپنی تبلیغی مساعی کے ثمرات خود دیکھے ہیں جن کے گہرے نقوش صفحۂ ہستی پر ثبت ہیں۔ آپ ﷺ نے تبلیغ کا ایک اسلوب دیا، اس کی اہمیت واضح کی، اس کا طریق کار متعین کیا اور اس کی تنظیم کی گو اس طریق تبلیغ میں وہ ربانی ہدایت اور رحمانی حکمت غالب ہے جو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے طرز تعلیم میں قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتی ہے تاہم آپ ﷺ کی انفرادیت اور خصوصی بصیرت صاف جھلکتی دکھائی دیتی ہے۔ آپ کی حیات طیبہ کا داعیانہ و مبلغانہ پہلو کا مطالعہ دعوت و تبلیغ کا جذبہ رکھنے والے کارکنوں کے لیے بے حد افادیت کا حامل ہے۔

# 6- دعوت و تبلیغ کا حکم

## 6.1۔ انبیاء علیہم السلام کے لئے دعوت و تبلیغ کا حکم

دعوت و تبلیغ تمام انبیاء علیہم السلام کے مقدس نفوس کے لئے فرض عین ہے کیونکہ ان کی بعثت کا بنیادی مقصد ہی یہی ہے، اس کے بغیر ان کی رسالت اور پیغام کی تکمیل ناممکن ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴾ (النحل،35:16)

''لیکن پیغمبروں کی ذمہ داری اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ صاف صاف طریقے پر پیغام پہنچادیں''۔

خود محمد ﷺ پر بھی آخری نبی ہونے کی وجہ سے زیادہ مؤکد انداز میں تبلیغ کی فرضیت عائد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (المائدہ،67:5)

''اے رسول ! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو۔اور اگر ایسا نہیں کروگے تو (اس کا مطلب یہ ہوگا کہ) تم نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا۔اور اللہ تمہیں لوگوں (کی سازشوں) سے بچائے گا۔''

اس آیت کریمہ میں آپ ﷺ کو واضح حکم دیا گیا ہے کہ ہر قسم کے خطرات سے بے پرواہ ہوکر پیام الٰہی لوگوں تک پہنچائیں۔ اگر ایسا نہ کیا تو گویا آپ ﷺ نے رسالت کا فریضہ انجام ہی نہیں دیا۔دوسری آیت کریمہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاصْدَعْ بِمَا مَا تُؤْمَرُ﴾ (الحجر،94:15)

''یعنی آپ ﷺ کو جو حکم دیا گیا ہے اسے کھول کر کہہ دیں۔''

## 6.2۔ امت مسلمہ کے لئے دعوت و تبلیغ کا حکم

رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے باعث اب یہ اس امت کے ہر فرد کی خاص ذمہ داری ہے کہ وہ سب سے پہلے ذاتی اصلاح کرے اور اپنے آپ کو علم و عمل سے آراستہ کرنے کے بعد امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے دوسروں کی اصلاح کرے اور قیامت تک آنے والے انسانوں تک رسول اللہ ﷺ کی اس دعوت اور پیغام کو پہنچائے۔

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ (آل عمران،3:110)

''(مسلمانو) تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لیے وجود میں لائی گئی ہے، تم نیکی کی تلقین کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو''۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی احادیث مبارکہ میں اس فریضہ کے انجام دہی پر بڑی تاکید فرمائی ہے جن میں سے چند یہاں ذکر کی جاتی ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے ہیں:

مَنْ رَأَى مِنكُمْ مُنكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ. (صحیح مسلم،1/69،حدیث نمبر:49)

''جو شخص تم میں سے کوئی بات شریعت کے خلاف دیکھے تو وہ ہاتھ سے اس کو روک دے، اگر وہ ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے ہی کہہ دے۔ اور اگر زبان سے روکنے کی طاقت بھی نہ پاتا ہو تو کم از کم دل ہی سے اسے برا جانے۔ اور یہ کمزور ترین ایمان ہے''۔ کسی برائی کو محض دل سے بُرا جاننا ایمان کا آخری درجہ ہے اور ظاہر ہے کہ اگر یہ درجہ بھی کسی کو حاصل نہ ہو سکے تو پھر ایمان باقی نہ رہا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنكَرِ أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللَّهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ ثُمَّ تَدْعُونَهُ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ (سنن الترمذی،4/38)

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم ضرور نیکی کا کام کرتے رہو گے اور برائی سے روکتے رہو گے۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو منتظر رہو کہ اللہ تعالیٰ تم پر عذاب مسلط کر دے پھر تم دعائیں کرتے رہو گے مگر اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔ گویا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے غفلت اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کے مستحق ٹھہرو گے''۔

# خود آزمائی نمبر 3

سوال نمبر:1 مندرجہ ذیل سوالوں کے جواب تحریر کریں۔

1۔ دعوت وتبلیغ کے لغوی معنی اور ان میں فرق واضح کریں۔

2۔ دعوت وتبلیغ کا اصطلاحی مفہوم تحریر کریں۔

3۔ کوئی ایک آیت کریمہ مع ترجمہ تحریر کریں جس میں آپ ﷺ کو دعوت وتبلیغ کا حکم دیا گیا ہو۔

4۔ ہاتھ اور زبان سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کے بارے میں راجح رائے کیا ہے؟

5۔ ''معروف'' اور ''منکر'' کی کیا تعریف ہے؟

6۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت پر کوئی ایک حدیث عربی الفاظ میں تحریر کریں۔

7۔ کیا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے لڑنا اور اسلحہ اٹھانا جائز ہے؟

8۔ دعوت وتبلیغ کے سنت اور بڑے اجر وثواب والا کام ہونے پر قرآن وحدیث سے کوئی ایک دلیل دیں۔

9۔ احادیث مبارکہ میں کمزور ترین ایمان کا درجہ کس کو کہا گیا ہے؟

10۔ اس حدیث مبارک کا ترجمہ کریں: " أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ..... "؟

سوال نمبر:2 صحیح جواب کا انتخاب کریں۔

ا) تمام انبیاء علیہم السلام نے ................ کے فرض میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔
(اچھی اچھی باتیں بتانے ۔ دعوت وتبلیغ۔ برائی سے روکنے)

ب) موعظۃ حسنہ کا مطلب ................ ہے۔ (نصیحت ۔ خیر خواہی۔ عمدہ نصیحت)

# 7- رسول اللہ ﷺ کی دعوت و تبلیغ کے اصول

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو دعوت کے بہترین اصول عنایت فرمائے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان اصولوں کا عملی نمونہ پیش کیا۔ان دعوتی اصولوں میں چند نمایاں اور اہم اصول درج ذیل ہیں۔

## 7.1۔ حکمت

داعی و مبلغ کو، حکمت، عقل و دانش اور فہم و فراست کا مالک ہونا چاہیئے اور اسے منطق اور عقل و استدلال سے کام لے کر مخالف کو اپنے موقف کا قائل کرنا چاہیئے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ﴾ (النحل16: 125)

''اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دو، اور (اگر بحث کی نوبت آئے تو) ان سے بحث بھی ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو۔ یقیناً تمہارا پروردگار ان لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے بھٹک گئے ہیں، اور ان سے بھی خوب واقف ہے جو راہ راست پر قائم ہیں''۔

حکمت ایک جامع اصطلاح ہے اور اس کے ضمن میں وہ تمام طریقے اور طرز ہائے عمل آجاتے ہیں جو سامع اور مخاطب کو حق کے قبول کرنے پر آمادہ کریں۔

داعی کے لیے لازم ہے کہ وہ مخاطب کی علمی اور ذہنی استعداد کے مطابق گفتگو کرے۔ امام مسلمؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

''اگر تم کسی قوم کی ذہنی استعداد سے بڑھ کر گفتگو کرو جسے وہ نہ سمجھ سکیں تو ان میں سے بعض فتنے میں مبتلا ہو جائیں گے؛ اس لئے انسانوں سے ان کی عقلوں کے مطابق بات کیا کرو''۔

(صحیح مسلم، 11/1)

## 7.2۔ موعظۂ حسنہ

دعوت و تبلیغ کے لیے دوسری بنیادی چیز ''موعظۂ حسنہ'' ہے اس سے مراد عمدہ نصیحت ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ﴾. (النحل 16:125)

''اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دو''۔

یعنی خوش اسلوبی کا انداز دعوت دین میں بنیادی حیثیت اور بہت اہمیت رکھتا ہے آپ ﷺ بھی اس پر بھرپور توجہ دیتے تھے۔ام معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ ﷺ کے کلام کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں۔

''آپ ﷺ شیریں کلام تھے آپ ﷺ کی ہر بات نہایت واضح ہوتی نہ قلیل الکلام تھے نہ فضول الکلام۔آپ ﷺ کا کلام حیرت انگیز انداز سے پروئے ہوئے موتیوں کی مانند تھا جو لڑی میں پرو دیئے گئے ہوں۔آپ ﷺ کی آواز بھاری اور خوبصورت نغمہ لئے ہوئے تھی''۔(مسند احمد 20/43)

## 7.3۔مجادلۃ حسنۃ

''مجادلۃ حسنۃ'' کہتے ہیں ایک دوسرے کے ساتھ دلائل کے ساتھ بحث کرنا اور ان کا آپس میں تبادلہ کرنا، فریق مخالف کو مطمئن کرنے کے لیے اس کے دلائل کا جواب دینا اور اسے مثبت اور دلکش انداز میں استدلال کرنا جس سے مخاطب قبول حق پر مائل ہو سکے۔''مجادلۃ حسنۃ'' اصل میں نام ہے اس بات کا کہ اپنی بات اور دعوت کی سچائی ثابت کرنے اور منوانے کے لیے مخاطب اور مخالف سے حسن اخلاق، محبت، اعتماد اور حسن استدلال سے کام لیا جائے، جس کی بناء پر وہ داعی کی خیر خواہی، بے لوثی اور اخلاص سے متأثر ہو کر اس کی صداقت پر غور کرنے اور اس کے موقف کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہو سکے۔

## 7.4۔ عقلی استدلال

دعوت و تبلیغ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ مخاطب کو غور و فکر کی دعوت دی جائے اور اسے تفکر و تدبر کی راہ پر ڈالا جائے۔ عقلی دلائل اور مشاہداتی براہین کے ذریعہ دعوت حق کو مؤثر بنایا جائے۔مذاہب کی تاریخ میں محمد ﷺ کی نبوت و رسالت وہ منفرد ربانی آواز ہے جس نے محض حاکمانہ قانون اور آمرانہ احکام کی بجائے عقل انسانی کو مخاطب کیا، غور و فکر کی دعوت دی اور فہم و تدبر کا مطالبہ کیا۔اس نے اپنی تعلیم کے ساتھ اس کی خوبی، مصلحت اور حکمت خود ظاہر کی اور بار بار مخالفین کو آیات الٰہی میں غور و فکر کی ہدایت کی۔قرآن کریم میں عقلی استدلال کے شاندار نمونے جابجا بکھرے پڑے ہیں۔مثال کے طور پر قرآن کریم کے ان ارشادات عالیہ پر غور کیجئے :

﴿قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ،قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ﴾ (الانعام6:148)

"تم ان سے کہو کہ : کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے جو ہمارے سامنے نکال کر پیش کرسکو؟ تم تو جس چیز کے پیچھے چل رہے ہو وہ گمان کے سوا کچھ نہیں، اور تمہارا کام اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہمی اندازے لگاتے رہو۔(اے پیغمبران سے) کہو کہ : ایسی دلیل تو اللہ ہی کی ہے جو (دلوں تک) پہنچنے والی ہو"۔

﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾ (محمد،47:24)

"بھلا کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے، یا دلوں پر وہ تالے پڑے ہوئے ہیں جو دلوں پر پڑا کرتے ہیں"؟

## 7.5۔ خیرخواہی

دعوت وتبلیغ کے بنیادی اصول وضوابط میں سے ایک لوگوں کی خیرخواہی وبھلائی ہے۔دعوت ایک ایسا عمل ہے جس میں قلبی ماہیت وکیفیت تبدیل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور دنیا کا کوئی انسان اس وقت تک اپنا تاریخی پس منظر، نظریاتی وابستگی اور قومی وخاندانی وقار کے تقاضوں کو نہیں چھوڑ سکتا جب تک اسے داعی کی خیرخواہی، بے غرضی، نیک نفسی اور ہمدردی کا یقین نہ ہوجائے۔قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ امت مسلمہ کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خیرخواہی کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشادفرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾ (التوبہ،128/9)

"(لوگو) تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تمہی میں سے ہے، جس کو تمہاری ہر تکلیف بہت گراں معلوم ہوتی ہے، جسے تمہاری بھلائی کی دھن لگی ہوئی ہے، جو مومنوں کے لیے انتہائی شفیق، نہایت مہربان ہے"۔

# 8- رسول اللہ ﷺ کی صفات بحیثیت داعی و مبلّغ

دنیا میں بے شمار مصلح آئے جنہوں نے زبانی تعلیمات تو دیں مگر خود اس پر پوری طرح عمل کر کے نہیں دکھا سکے لیکن آپ ﷺ کی پوری زندگی اپنی دی ہوئی دعوت کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے ہر ہر پہلو پر خود عمل کر کے دکھایا اور صرف لوگوں کے خیالات ہی کی اصلاح نہیں کی بلکہ ان کے اخلاق و کردار کو بھی سنوارا تا کہ لوگ آپ ﷺ کے ارشادات سے ہدایت حاصل کرنے کے ساتھ آپ ﷺ کے افعال اور اسوہ حسنہ کی بھی پیروی کریں۔

عزیز طلباء! آیئے! رسول اللہ ﷺ کی داعیانہ صفات میں سے چند کا ذکر کرتے ہیں جن کا ہر داعی میں پایا جانا انتہائی ضروری ہے:

## 8.1- ایمان و یقین

کسی بھی عقیدے اور نظریے کی کامیابی کے لئے سب سے اہم اور ضروری بات یہ ہے کہ اس کی طرف دعوت دینے والوں کا پہلے خود اس کی صحت اور سچائی پر یقین ہو اور وہ اسے دل و جان سے تسلیم کرتے ہوں اور اس کے لئے ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہوں۔ اسی چیز کا مطالبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے قرآن کریم کی اس آیت کریمہ میں کیا ہے:

﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَالْکِتَابِ الَّذِی نَزَّلَ عَلَی رَسُولِهِ﴾

(النساء، 136:4)

"اے ایمان (کا دعویٰ کرنے) والو، تم لوگ (سچے دل سے) ایمان لاؤ اللہ پر اس کے رسول پر، اور اس کی کتاب پر جو اس نے اب اتاری ہے اپنے رسول پر"۔

رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی سب سے نمایاں خصوصیت ہی یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جو تعلیم دنیا کو دی اور جس ایمان و عمل کی طرف انہیں بلایا سب سے پہلے اس پر ایمان لانے والے اور عمل کرنے والے آپ خود تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَیْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ کُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِکَتِهِ وَکُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا﴾ (البقرۃ، 285:2)

"یہ رسول (یعنی حضرت محمد ﷺ) اس چیز پر ایمان لائے ہیں جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور (ان کے ساتھ) تمام مسلمان بھی، یہ سب اللہ پر، اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں (وہ کہتے ہیں کہ) ہم اس کے رسولوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے (کہ کسی پر ایمان لائیں، کسی پر نہ لائیں) اور وہ یہ کہتے ہیں کہ: ہم نے (اللہ اور رسول کے احکام کو توجہ سے) سن لیا ہے، اور ہم خوشی سے (ان کی) تعمیل کرتے ہیں"۔

رسول اللہ ﷺ کو اپنی دعوت کی کامیابی و کامرانی پر ہمیشہ پختہ یقین رہا۔ مکی زندگی کا واقعہ ہے کہ مسلمان قریش کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے ہر مسلمان کی جان خطرے میں تھی اور بظاہر اسلام کا کوئی مستقبل نظر نہ آتا تھا۔ ایسی حالت میں ایک دفعہ آپ ﷺ بیت اللہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت خباب بن الأرت فرماتے ہیں ہم نے شکایت کرتے ہوئے عرض کیا:

"آپ ﷺ ہمارے لئے مدد کیوں نہیں مانگتے ہمارے لئے آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا تم سے پہلے بعض لوگ ایسے ہوتے تھے کہ ان کے لئے زمین میں گڑھا کھودا جاتا وہ اس میں کھڑے کر دیئے جاتے پھر آرا چلایا جاتا اور ان کے سر پر رکھ کر دو ٹکڑے کر دیئے جاتے اور یہ عمل ان کو ان کے دین سے نہ روک سکتا تھا نیز لوہے کی کنگھیاں ان کے گوشت کے نیچے اور پٹھوں پر کی جاتی تھیں اور یہ بات ان کو ان کے دین سے نہ روکتی تھی اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ ضرور اس دین (اسلام) کو کامل اور غالب کر کے رہے گا۔ یہاں تک کہ ایسا وقت آئے گا کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک چلا جائے گا اور اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا اور نہ کوئی شخص اپنی بکریوں پر بھیڑیے کا خوف کرے گا لیکن اس معاملہ میں تم عجلت چاہتے ہو"۔ (صحیح بخاری، 201/4)

اسی طرح کوئی لالچ اور ترغیب بھی آپ ﷺ کو نہ اپنے مشن سے ہٹا سکی اور نہ ہی آپ ﷺ کے یقین کو متزلزل کر سکی۔ مکی زندگی ہی کا مشہور واقعہ کتب تاریخ و سیرت نے رسول اللہ ﷺ کے ان الفاظ میں محفوظ کیا ہے:

"اے میرے چچا خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں اور اس کے عوض یہ چاہیں کہ دعوت اسلام کا کام ترک کر دوں تو مجھے منظور نہیں اگر اس راہ میں مجھے ہلاکت نظر آئے تب بھی پیچھے نہ ہٹوں گا حتیٰ کہ یہ مشن کامیاب ہو یا اس میں میری جان چلی جائے"۔

## 8.2۔ اخلاص

ایمان و یقین کے بعد دین اسلام کی بنیاد و اساس اخلاص پر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے" اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِیٔ مَا نَوَی" اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں اخلاص کا پابند بنایا ہے کوئی عمل خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اس کو ادا کرنے والا کس قدر قربانی کیوں نہ پیش کرے اگر اس میں اخلاص نہ ہو تو وہ مردود ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی مشہور حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے:

اس میں ان تین بدنصیب اشخاص کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کو سب سے پہلے آتش جہنم میں ڈالا جائے گا (العیاذ باللہ) وہ مجاہد، عالم و قاری قرآن اور سخی ہوں گے جنہوں نے اپنی جان اور وقت و مال کی قربانی پیش کی ہوگی جو انسان کی سب سے قیمتی چیزیں ہیں لیکن ان تینوں کی نیکیاں اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے دربار الٰہی میں قبول نہ ہوں گی۔ اس لئے داعی کا مقصود صرف اور صرف رضائے الٰہی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہونا چاہئے نہ کہ شہرت یا مال و جاہ کی طلب۔

## 8.3۔ علم و بصیرت

داعی کے پاس اگر دینی اور شرعی علم ہی نہیں تو وہ کیا دعوت و تبلیغ کرے گا اس لئے سب سے پہلے دین کا علم خود سیکھے اور پھر لوگوں کو سکھائے اور اس کی طرف دعوت دے۔ حضرت عثمانؓ رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں:

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ . (صحیح البخاری، 192/6)

"تم میں سے بہترین وہ ہے جو خود قرآن کریم سیکھے اور پھر کسی اور کو سکھائے"۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي﴾ (یوسف، 108:12)

" (اے پیغمبر) کہہ دو کہ: یہ میرا راستہ ہے، میں بھی پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف بلاتا ہوں، اور جنہوں نے میری پیروی کی ہے وہ بھی"۔

یعنی پیغمبر دنیا کے امور یا نفس کے خواہشات کی طرف نہیں بلاتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے اور بصیرت کے ساتھ دعوت حق پیش کرتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بصیرت فراست، یقین، حجت، برہان اور وجدان کے اس نور جس سے قلب و عقل روشن ہو جاتے ہیں کے ساتھ شرعی علم کا نام ہے جو کتاب و سنت اور سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کے

طریقہ پر عقل و استدلال پر قائم ہو اور کسی کی اندھی تقلید نہ ہو۔ امام بغویؒ نے بصیرت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"وہ علم و معرفت اور سمجھ بوجھ جس کے ذریعے آپ حق و باطل میں فرق اور امتیاز کرتے ہیں"۔

## 8.4۔ تحمل و بردباری

داعی حق میں جن صفات کا ہونا بے حد ضروری ہے اُن میں سے ایک تحمل اور بردباری ہے۔ حلیم اس شخص کو کہا جاتا ہے جو انتقام اور بدلے کی قدرت رکھنے کے باوجود معاف کردے۔ داعی کو نرم خُو، مُتحمل مزاج اور عالی ظرف ہونا چاہیے۔ اسے اپنے رفقاء کے لئے شفیق، عامۃ الناس کے لئے رحیم اور اپنے مخالفین کے لئے حلیم ہونا چاہیے۔ اُسے اپنے ساتھیوں کی کمزوریوں کو بھی برداشت کرنا چاہیے اور دشمنوں کی سختیوں کو بھی۔ اُسے سخت سے سخت اشتعال انگیز مواقع پر بھی غصہ سے اجتناب کرنا چاہیے۔ نہایت ناگوار باتوں سے بھی اعلیٰ ظرفی کے ساتھ چشم پوشی کر دینی چاہئے۔

رسول اللہ ﷺ کی نرم خوئی کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ﴾ (آل عمران، 159:3)

"ان واقعات کے بعد اللہ کی رحمت ہی تھی جس کی بنا پر (اے پیغمبر) تم نے ان لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کیا۔ اگر تم سخت مزاج اور سخت دل والے ہوتے تو یہ تمہارے آس پاس سے ہٹ کر تتر بتر ہو جاتے۔ لہٰذا ان کو معاف کردو، ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو، اور ان سے (اہم) معاملات میں مشورہ لیتے رہو۔ پھر جب تم رائے پختہ کر کے کسی بات کا عزم کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ اللہ یقیناً توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے"۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے ارشادات عالیہ میں ہمیشہ نرمی اپنانے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ سے ارشاد فرمایا:

"اے عائشہ! بے شک اللہ تعالیٰ نرمی والا ہے اور نرمی کو پسند کرتا ہے، اور نرمی پر وہ کچھ دیتا ہے جو سختی پر اور دیگر کسی چیز پر نہیں دیتا" (صحیح البخاری، 16/9)

## 8.5۔اعلیٰ اخلاق

داعی اور مبلغ کو ہمیشہ بہترین اور اعلیٰ اخلاق کا مالک ہونا چاہئے اور لوگوں کو اپنے اخلاق سے راغب اور متأثر کرنا چاہئے۔آپ ﷺ کا اہم ترین وصف ہی یہ ہے کہ آپ ﷺ مکارم اخلاق کے مالک ہیں۔اللہ تبارک وتعالی نے آپ ﷺ کی خصوصی تعریف بھی اسی وصف سے فرمائی ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:﴿وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ (القلم،4:68)
اور یقیناً تم اخلاق کے اعلیٰ درجے پر ہو۔ حضرت انس بن مالک آپ ﷺ کے اخلاق کے متعلق فرماتے ہیں:

''كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْسَنَ النَّاسِ خُلُقًا'' (صحیح مسلم،457/1)

''آپ ﷺ کے اخلاق لوگوں میں سب سے زیادہ اچھے تھے''۔

اسلام میں اخلاق کی اہمیت اور دعوت الی اللہ میں اس کی ضرورت کا اندازہ حضرت ابو ہریرۃ سے روایت کردہ اس حدیث سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ ۔ (سنن الکبری للبیہقی،191/10)

''مجھے اسی لئے مبعوث کیا گیا ہے کہ میں مکارم اخلاق (اعلیٰ اخلاق) کی تکمیل کروں''۔

آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ کا یہ عالم تھا کہ ہر شخص یہ سمجھتا کہ حضور ﷺ سب سے زیادہ مجھ ہی پر مہربان ہیں۔رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اعلیٰ اور برتر اخلاق اپنانے کی ترغیب دیتے۔

## 8.6۔صبر و استقامت

دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والوں کو ہمیشہ صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنا چاہئے ۔قران مجید میں صبر اور صابرین کی بہت تعریف کی گئی ہے۔ارشاد باری تعالی ہے :

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ (البقرۃ،153:2)

''اے ایمان والو !صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

اور اللہ تبارک وتعالی نے آپ ﷺ کو حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ (الاحقاف،35:46 )

''سو آپ صبر کیجیے جیسے ہمت والے پیغمبروں نے صبر کیا''۔

دعوت کی راہ میں تکالیف برداشت کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہنا چاہیے یہ پھولوں کی سیج نہیں کانٹوں کا راستہ ہے اس لئے اس میں ہمت وحوصلہ سے مصائب کا سامنا کرتے ہوئے صبر واستقامت کا دامن ہاتھ سے چھوڑنا نہیں چاہیے۔

## 8.7۔ عفوو درگزر

عفوو درگزر دعوت وتبلیغ دین میں رسول اللہ ﷺ کا انتہائی مؤثر طرز عمل تھا اور کسی بھی داعی کو اسے اپنانے کے سوا کوئی چارہ نہیں کیونکہ داعی کو ہر طرح کے مخالفانہ اور معاندانہ رویوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لئے فضا و ماحول سے کھچاؤ ختم کرنے، رواداری کے فروغ اور حالات کو سازگار بنانے کے لیے عفوو درگزر کے سوا کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔ اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی پہلے معاف کرنے کا حکم فرمایا اور پھر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکم دیا۔ ارشاد باری تعالی ہے :

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ (الأعراف، 199:7)

''(اے پیغمبر) درگزر کا رویہ اپناؤ، اور (لوگوں کو) نیکی کا حکم دو، اور جاہلوں کی طرف دھیان نہ دو''۔

یعنی لوگوں کی ایذاء رسانی پر درگزر کریں اور ان کے عذر ومعذرت کو قبول کرتے ہوئے ان کے لئے آسانیاں پیدا کریں، ان کے نادانوں اور بے وقوفوں سے درگزر اور چشم پوشی کریں اور غصہ کا جواب غصہ سے ہرگز نہ دیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ 126) وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾ (النحل، 16:127- 126)

''اور اگر تم لوگ (کسی کے ظلم کا) بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی زیادتی تمہارے ساتھ کی گئی تھی۔ اور اگر صبر ہی کرلو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت بہتر ہے۔ اور (اے پیغمبر) تم صبر سے کام لو، اور تمہارا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔''

داعی کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ اس میں انتقامی جذبہ نہ ہو۔ اس حوالے سے رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل کے بارے میں حضرت عائشہ بیان فرماتی ہیں:

وَمَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهِ. (صحیح البخاری، 189/4)

''آپ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام نہیں لیا''۔

## 8.8۔ جرأت و بہادری اور بلند ہمتی

داعی اور مبلغ کو ہمیشہ جرأت، بہادری اور بلند ہمتی کی مثال ہونا چاہیے اور کسی صورت بھی حق بات کہنے میں خوف، ڈر اور مداہنت و نفاق کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی کسی لالچ و مصلحت کا شکار ہونا چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ، وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ﴾ (القلم،68:9-10)

"یہ چاہتے ہیں کہ تم ڈھیلے پڑ جاؤ تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں۔ اور کسی بھی ایسے شخص کی باتوں میں نہ آنا جو بہت قسمیں کھانے والا، بے وقعت شخص ہے"۔

دعوتی کام میں کوئی پہلو ابتذال اور اوچھے پن کا بھی پیدا نہ ہو۔ داعی کو چاہیے کہ وہ ایسے لوگوں سے دور ہو جائے اوصرف انہی لوگوں پر توجہ دے جو حق کے متلاشی اور علم کے طالب ہوں ۔

## 8.9۔ تفاؤل اور پر امیدی

داعی اور مبلغ کو ہمیشہ امید اور تفاؤل کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے اور بد ترین حالات میں بھی مایوسی کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ اور طرزِ عمل یہی رہا ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی میں کئی مشکل ترین مراحل آئے لیکن آپ ﷺ کبھی مایوس نہیں ہوئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ (رض) نے ایک دن رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کیا اُحد کے دن سے بھی زیادہ سخت دن آپ ﷺ کی زندگی میں آیا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا :

"میں نے تمہاری قوم کی جو جو تکلیفیں اٹھائی ہیں وہ اٹھائی ہیں اور سب سے زیادہ تکلیف جو میں نے اٹھائی وہ عقبہ کے دن تھی جب میں نے اپنے آپ کو ابن عبد یا لیل بن عبد کلال کے سامنے پیش کیا تو اس نے میری خواہش کو پورا نہیں کیا پھر میں رنجیدہ ہو کر سیدھا چلا ابھی میں ہوش میں نہ آیا تھا کہ قرآن الثعالب میں پہنچا میں نے اپنا سر اٹھایا تو بادل کے ایک ٹکڑے کو اپنے اوپر سایہ فگن پایا میں نے جو دیکھا تو اس میں جبرائیل (علیہ السلام) تھے انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے آپ ﷺ کی قوم کی گفتگو اور ان کا جواب سن لیا ہے۔

اب پہاڑوں کے فرشتہ کو آپ ﷺ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ ﷺ ایسے کافروں کے بارے میں جو چاہیں حکم دیں پھر مجھے پہاڑوں کے فرشتہ نے آواز دی اور سلام کیا پھر کہا کہ اے محمد ﷺ سب کچھ آپ ﷺ کی مرضی ہے اگر آپ ﷺ چاہیں تو میں "اخشبین" نامی دو پہاڑوں کو ان کافروں پر لا کر رکھ دوں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (نہیں) بلکہ مجھے امید

ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کی نسل سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف اسی کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ بالکل شرک نہ کریں گے"۔

طائف کے سفر میں جن لوگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ انتہائی ناروا سلوک کیا آپ ﷺ اس کے باوجود ان سے نا امید نہیں ہوئے اور نہ ہی ان کے لیے بددعا فرمائی بلکہ ان کے حق میں دعا فرمائی جو قبول ہوئی۔

## 8.10۔ خدمتِ خلق

خدمتِ خلق دعوتِ حق کے فروغ و اشاعت کے لیے بڑا مؤثر ذریعہ ہے خاص طور پر عصر حاضر میں؛ اس لئے داعی کو اس صفت سے ضرور متصف ہونا چاہئے اور جس معاشرے میں وہ رہ رہا ہے ان کی خدمت اور نفع رسانی کا بلاتفریق صالح و فاسق اور مسلم و غیر مسلم کے اہتمام کرتے ہوئے ان کے لیے آسانیاں اور مسرت کے اسباب پیدا کرنے چاہئے۔

حضرت جابر سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی مروی ہے: "خَيْرُ النَّاسِ أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ" (المعجم الاوسط للطبرانی 58/6)

"لوگوں میں سب سے بہترین آدمی وہ ہے جو ان کے لئے سب سے زیادہ نفع رساں ہو"۔ اس حدیث مبارک میں ناس عام ہے جس میں مؤمن و مسلم یا غیر مسلم کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی دوسری حدیث مبارک حضرت عبداللہ بن عمر سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

... وَأَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللهِ تَعَالَى سُرُورٌ تُدْخِلُهُ عَلَى مُسْلِمٍ..... ، (المعجم الکبیر للطبرانی 453/12)

"لوگوں میں اللہ تعالی کو سب سے محبوب شخص وہ ہے جو دوسرے لوگوں کے لئے زیادہ فائدہ مند ہو۔ اور اللہ تعالی کے نزدیک سب سے محبوب عمل کسی مسلمان کو خوش کرنا ہے، یا اس کی مصیبت دور کرنی ہے یا اس کا قرضہ ادا کرنا ہے یا اس کی بھوک کو مٹانا ہے"۔

سیرت طیبہ ہمارے لیے مشعل راہ ہے کہ آپ ﷺ کس قدر غرباء، فقراء اور نادار افراد کی بلاتفریق مسلم و غیر مسلم مدد فرمایا کرتے تھے۔

## 8.11۔ باکردار اور قول و فعل میں یکسانیت

دعوت اسی وقت مؤثر ثابت ہوتی ہے جب داعی خود باکردار ہو، اپنی دعوت پر یقین رکھتے ہوئے اس پر عمل کرنے والا ہو اور اس کے قول و فعل میں یکسانیت ہو۔ یہ تمام خصوصیات آپ ﷺ میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔

رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی بنیاد ہی قول و فعل کی مطابقت پر تھی۔ آپ ﷺ نے اپنی دعوت دیتے وقت سب سے پہلے اپنے کردار کی عظمت کو بطور دلیل اہل مکہ کے سامنے پیش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ (یونس،16:10)

''آخر اس سے پہلے بھی تو میں ایک عمر تمہارے درمیان بسر کر چکا ہوں۔ کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟''

یعنی تم یہ اندازہ نہیں کر سکتے کہ اگر میں اس سے قبل غلط بیانی کرنے والا نہیں تھا تو اب میں کس طرح اپنی طرف سے ایک کتاب گھڑ کر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے پیش کر سکتا ہوں؟

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں آپ ﷺ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر تمام اہل مکہ کے ایک ایک قبیلے کا نام لے کر پکارا، جب سب جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''ذرا یہ تو بتاؤ! اگر میں تم سے کہوں کہ اس وادی کے پیچھے سے ایک لشکر تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات مان جاؤ گے؟ سب نے کہا ہاں ہم یقین کریں گے کیونکہ ہم نے ہمیشہ آپ ﷺ کو سچ بولتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک میں تمہیں آنے والے سخت عذاب سے آگاہ اور خبردار کرنے والا ہوں''۔ (صحیح البخاری،111/6)

اللہ تعالیٰ نے قول و فعل کے تضاد کی سخت مخالفت اور اس پر شدید وعید فرمائی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ (البقرۃ،44:2)

''کیا تم (دوسرے) لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ حالانکہ تم کتاب کی تلاوت بھی کرتے ہو! کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں''۔

رسول اللہ ﷺ تمام انسانیت کے لیے زندگی گزارنے کا بہترین نمونہ ہیں اور مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ اس نمونے کے مطابق اپنی پوری زندگی گزاریں، اس لئے دعوت و تبلیغ میں بھی ہمارے لئے بہترین نمونہ آپ ﷺ کی ذات گرامی ہے ہمیں اس حوالے سے ہمیشہ آپ ﷺ کے کردار اور اسوہ حسنہ کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

# خود آزمائی نمبر 4

سوال نمبر:1 مندرجہ ذیل سوالوں کے جواب تحریر کریں:

-1 اس آیت کریمہ کا ترجمہ کریں: ﴿إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾

-2 اس قول کا ترجمہ کریں: مَا أَنْتَ بِمُحَدِّثٍ قَوْمًا حَدِيثًا لَا تَبْلُغُهُ عُقُولُهُمْ، إِلَّا كَانَ لِبَعْضِهِمْ فِتْنَةً

-3 ''تالیف قلبی'' کا کیا مطلب ہے؟

-4 کن دو موقعوں پر دعوت نہیں دینی چاہئے؟

-5 اس حدیث شریف کا ترجمہ کریں: '' يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا، وَبَشِّرُوا، وَلَا تُنَفِّرُوا ''

-6 آپ ﷺ کی داعیانہ صفات میں سے ایک ''تفاؤل اور پر اُمیدی '' ہے اس سے کیا مراد ہے؟

-7 امام بغویؒ نے بصیرت کی کیا تعریف کی ہے؟

-8 آپ ﷺ کی داعیانہ صفات میں سے ''ایمان و یقین '' ہے اس کا کیا مطلب ہے؟

-9 ''حلیم'' کس کو کہتے ہیں؟

-10 یہ عبارت ''مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا'' کس نے کہی اور کیوں کہی؟

سوال نمبر2 یونٹ میں دی ہوئی معلومات سے استفادہ کرتے ہوئے سیرت طیبہ کی روشنی میں داعی کے لئے ''ضروری صفات'' پر مختصر اور جامع نوٹ تحریر کریں۔

# 9 - جوابات

## خود آزمائی نمبر 1

1۔ فلاسفہ کے نزدیک: ''کسی چیز کی شکل وصورت کا عقل میں آنا''۔ متکلمین کے نزدیک: علم ایک صفت ہے جس کے ذریعہ سے خوب واضح ہوجاتی ہے وہ چیز جو قابل ذکر ہو ہر اس شخص پر جس کے ساتھ یہ صفت علم قائم ہے۔

2۔ ''مَن خَرَجَ فِی طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ حَتّٰی یَرْجِعَ''

3۔ تین: حواس، عقل اور وحی الٰہی

4۔ ''وحی'' کا لغوی معنی ہے: پوشیدہ طور پر کسی بات کی خبر دینا۔ اور شریعت کی اصطلاح میں: ''انبیاء و رسل علیہم السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخصوص غیبی طریقے سے نازل ہونے والے کلام''۔

5۔ اللہ تعالیٰ۔ دلیل: ﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾ اور ﴿عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ﴾

6۔ علمی برتری کی وجہ سے۔

7۔ دین اسلام کا ضروری علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔

8۔ ﴿قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ (الزمر، 9:39)

9۔ (چار) 1- تعلیم تلاوت۔ 2- تعلیم کتاب۔ 3- تعلیم حکمت۔ 4- تزکیہ نفس۔

10۔ 1- آسانی (یُسر) 2- ''تدریج'' (مرحلہ وار)

11۔ (i) ''جان لینا، سمجھ لینا، ادراک کرنا، یقین کرنا''

(ii) علماء کرام (iii) دینی بصیرت

(iv) لہجوں اور بولی (v) امتحان

# خود آزمائی نمبر 2

1- توحید، رسالت اور آخرت کو ماننے اور اس پر یقین کرنے کی وجہ سے روحانی، اخلاقی اور اخروی پہلوؤں کو دنیا اور اس کی مادی چیزوں پر ترجیح دینا اور اپنے علم پر عمل کرتے ہوئے تزکیہ نفس کرنا۔

2۔ مکہ معظمہ میں خانہ کعبہ کے قریب صفا پہاڑی کے سامنے۔ رسول اللہ ﷺ سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔

3۔ وحی (قرآن مجید) کی کتابت۔

4۔ دو (2) سال

5۔ جہاں طلباء رات کو بھی رہتے ہوں۔

6۔ (i) تعلیم قرآن (ii) تعلیم سنت (iii) تعلیم کتابت (iv) تعلیم حساب (v) تعلیم لغات

7۔ نفس کو رذائل برے اخلاق سے پاک اور فضائل اچھے اخلاق سے آراستہ کر کے تہذیب و اصلاح کرنا۔

8۔ (1) انتظامیہ اور عملہ (2) طلبہ (3) نصاب تعلیم (4) اماکن اور مراکز تعلیم

9۔ ایک دن

10۔ ''پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے عرب کی بنجر زمین جادو کے ذریعہ ہیروؤں کی نرسری میں تبدیل کر دی گئی ہو، ایسے ہیرو جن کی مثل تعداد یا نوعیت میں کہیں اور پانا سخت مشکل ہے''۔

11۔ (i) عبرانی　(ii) حضرت عروۃ بن مسعود ﷺ۔ حضرت غیلان بن مسلم ﷺ
(iii) حضرت عبادۃ بن الصامت ﷺ۔ کتابت
(iv) شفاء بنت عبداللہ　(v) معلم

# خود آزمائی نمبر 3

سوال نمبر:1

1۔ دعوت کا معنی: اپنی آواز یا گفتگو سے کسی کو مطلقاً اپنی طرف مائل کرنا اور بلانا۔ تبلیغ کا معنی: ''پہنچانا'' یعنی کسی کا کوئی پیغام یا امانت دوسرے تک پہنچانا۔ فرق: دعوت عام اور مطلق ہے جبکہ تبلیغ خاص ہے۔

-2 ''حکیمانہ انداز میں غیر مسلموں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان اور ان کی اطاعت کی ترغیب دے کر اسلام قبول کرنے کی دعوت دینا اور مسلمانوں کو یاددہانی کرانا''۔

-3 ﴿یَاأَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ﴾ اے رسول ! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو۔

-4 اگر صاحب استطاعت وقدرت ہو اور ضرر و تکلیف کا اندیشہ بھی نہ ہو تو اسے اچھائی کا حکم اور برائی سے روکنا چاہئے۔

-5 معروف: ہر وہ کام ہے جسے عقل اور شریعت اچھا کہتی ہے اور منکر: ہر وہ فعل ہے جسے عقل اور شریعت برا کہتی ہے۔

-6 وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِهٖ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْکَرِ أَوْ لَیُوْشِکَنَّ اللّٰهُ أَنْ یَبْعَثَ عَلَیْکُمْ عِقَابًا مِنْهُ ثُمَّ تَدْعُوْنَهٗ فَلَا یُسْتَجَابُ لَکُمْ

-7 نہیں۔ اس لئے کہ اس سے اصلاح کم ہوگی اور فساد وفتنہ زیادہ پھیلے گا۔

-8 فَوَاللّٰهِ لَأَنْ یَهْدِیَ اللّٰهُ بِکَ رَجُلًا وَاحِدًا خَیْرٌ لَکَ مِنْ أَنْ یَکُوْنَ لَکَ حُمْرُ النَّعَمِ .

-9 فَإِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ . دل سے برائی کو برا سمجھنا اور اس سے نفرت کرنا۔

-10 تم میں سے ہر شخص نگران اور ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

سوال نمبر:2

ا) دعوت و تبلیغ ب) عمدہ نصیحت

# خود آزمائی نمبر 4

سوال نمبر:1

1- مگر نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

2- اگر تم کسی قوم کی ذہنی استعداد سے بڑھ کر گفتگو کرو جسے وہ نہ سمجھ سکیں تو ان میں سے بعض فتنے میں مبتلا ہو جائیں گے۔

3- دیکھیے: 7.5

4- الف۔ جب مخاطب پر اعتراض و نکتہ چینی کا غلبہ ہو۔　　ب۔ جب مخاطب اپنی کسی ایسی دلچسپی میں مصروف ہو جسے چھوڑ کر داعی کی طرف متوجہ ہونا اسے گراں گزرے۔

5- ''آسانی پیدا کرو تنگی نہیں، خوشخبری دو نفرت نہ پھیلاؤ''

6- داعی اور مبلغ کا بدترین حالات میں بھی مایوسی اور نا امیدی کا شکار نہ ہونا۔

7- ''وہ علم و معرفت اور سمجھ بوجھ جس کے ذریعے آپ حق و باطل میں فرق اور امتیاز کرتے ہیں''۔

8- رسول اللہ ﷺ کو اپنی دعوت کی سچائی اور کامیابی پر سو فیصد سے بھی زیادہ یقین تھا۔ آپ ﷺ نے جس ایمان و عمل اور تعلیم کی طرف دنیا کو بلایا سب سے پہلے اس پر خود ایمان و یقین لائے اور عمل کیا۔

9- حلیم اس شخص کو کہا جاتا ہے جو انتقام اور بدلے کی قدرت رکھنے کے باوجود معاف کردے۔

10- اہل مکہ نے کہی۔ اور رسول اللہ ﷺ کے صادق اور سچے ہونے اور جھوٹ نہ بولنے کی گواہی کے طور پر کہی۔

سوال نمبر:2

دیکھیے: 8- رسول اللہ ﷺ کی صفات بحیثیت داعی و مبلغ

یونٹ نمبر......8

# رسولِ اکرم ﷺ کی معاشی زندگی اور تعلیمات


تحریر: عاشق مصطفیٰ

نظر ثانی: ڈاکٹر شاہ معین الدین ہاشمی

محمد رفیق صادق

# فہرستِ مضامین


| عنوان | صفحہ نمبر |
|---|---|
| یونٹ کا تعارف | 333 |
| یونٹ کے مقاصد | 234 |
| 1- نبوی معاشی زندگی | 335 |
| 1.1 معاشی زندگی کا مفہوم | 335 |
| 1.2 معاشی مسئلہ | 336 |
| 1.3 معاشی مسئلہ کا حل | 336 |
| 1.4 نبوی معاشی زندگی | 337 |
| 2- نبوی معاشی زندگی۔قبل از نبوت (مکی دَور) | 338 |
| 2.1 قریش کے ذرائعِ معاش | 338 |
| 2.2 معاشی زندگی کا ایک پہلو | 339 |
| 2.3 ابو طالب کی معاشی معاونت | 340 |
| 2.4 تجارت | 340 |
| 2.5 نمائندہ تجارت | 341 |
| 2.6 خوش حالی | 341 |
| 2.7 تجارت کے لیے سفر | 342 |
| 2.8 اوصافِ حمیدہ | 342 |
| 2.9 اولادِ ابو طالب کی کفالت | 343 |

| | |
|---|---|
| 3- معاشی زندگی ۔ بعد از نبوت (مکی دَور) | 344 |
| 3.1 حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا | 344 |
| 3.2 حضرت ابو بکر صدیق ؓ | 345 |
| 3.3 متفرق معاشی امور | 346 |
| 4- معاشی زندگی ۔ ذمہ داریوں کا دَور | 348 |
| 4.1 اجتماعی معاشی ذمہ داریاں | 349 |
| 4.2 کفاف وقناعت | 352 |
| خود آزمائی نمبر 1 | 354 |
| 5- نبوی معاشی تعلیمات | 356 |
| 5.1 کسبِ معیشت | 356 |
| 5.2 رزقِ حلال کی ترغیب | 357 |
| 5.3 رازقِ مطلق پر یقین | 357 |
| 5.4 محنت کی عظمت | 358 |
| 5.5 حقِ معیشت میں مساوات اور درجاتِ معیشت میں تفاوت | 359 |
| 6- انفاق (خرچ کرنا) | 360 |
| 6.1 میانہ روی | 360 |
| 6.2 سخاوت وفیاضی | 361 |
| 6.3 بچت | 361 |
| 6.4 خرچ کے شرائط وآداب | 361 |
| 7- معاشرتی واجبات | 362 |

| | |
|---|---|
| 7.1 زکوٰۃ | 362 |
| 7.2 صدقات | 362 |
| 7.3 قرض | 363 |
| 7.4 عاریت | 363 |
| 7.5 ہبہ | 363 |
| 7.6 امانت | 364 |
| 7.7 میراث | 364 |
| 7.8 وصیت | 365 |
| 8- معاشی ممنوعات | 366 |
| 8.1 حرمتِ سود | 366 |
| 8.2 دولت جمع کرنا | 367 |
| 8.3 اشیائے صرف ذخیرہ کرنا | 367 |
| 8.4 بخل | 368 |
| 8.5 اسراف | 368 |
| 8.6 استحصال | 369 |
| 8.7 اہم نکات | 370 |
| خود آزمائی نمبر2 | 370 |
| 9- جوابات | 372 |

# یونٹ کا تعارف

انسان کو روئے زمین پر زندہ رہنے کے لیے چند ایسی چیزوں کی ضرورت ہے جن کے بغیر اس کا گزارا ممکن نہیں ہے ان چیزوں کو ہم بنیادی ضروریات کہتے ہیں مثلاً اسے کھانے کے لیے غذا، پہننے کے لیے لباس اور سر چھپانے، گرمی سردی سے بچنے کے لیے مکان کی ضرورت ہے۔تمدن کی ترقی کے ساتھ بنیادی ضرورتوں کی فہرست بڑھتی جاتی ہے۔ یہ ایسی ضرورتیں ہیں جن کے حصول کے لیے انسان کو محنت اور تگ و دو کرنا پڑتی ہے اس محنت کو علمی اصطلاح میں معاشی جدوجہد کہتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی ذات ستودہ صفات زندگی کے ہر شعبے میں ہر انسان کے لیے نمونہ حیات ہے چنانچہ انسانی زندگی کے اس اہم شعبے میں بھی آپ ﷺ کی تعلیمات کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ معاشی جدوجہد کرنے والوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔اس یونٹ میں رسول اکرم ﷺ کی معاشی زندگی اور تعلیمات پر بحث کی گئی ہے۔ یونٹ کا ایک حصہ رسولِ اکرم ﷺ کی مکی زندگی قبل از نبوت اور بعد از نبوت اور مدنی زندگی میں نجی معاشی حالات اور اجتماعی معاشی ذمہ داریوں کے لیے مختص ہے جب کہ دوسرے حصے میں قرآنِ حکیم اور تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں اسلام کی معاشی تعلیمات کو مختصراً بیان کیا گیا ہے۔وبالله التوفیق

# یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1- معیشت کا مفہوم بیان کر سکیں اور انسان کے معاشی مسئلے اور اس کے حل پر روشنی ڈال سکیں۔

2- اہل مکہ کی معاشی زندگی اور قبل از نبوت حضور اکرم ﷺ کی معاشی جدوجہد پر بحث کر سکیں۔

3- بعد از بعثت آپ ﷺ نے جس طرح تبلیغی، تعلیمی اور انتظامی امور کی انجام دہی کے ساتھ معاشی معاملات پر بھی پوری توجہ دی، اسے بیان کر سکیں۔

4- آنحضرت ﷺ نے ایک مکمل معاشی نظام دیا جس کی بنیاد کفالتِ عامہ پر رکھی گئی۔ اس نظام میں تقسیم دولت کے لیے قوانین وضع کیے گئے اور معاشی ناہمواری ختم کرنے کے انتظامات کیے گئے۔ سود کی بندش اور زکوٰۃ کے نفاذ سے دولت کے بہاؤ کا رُخ اہل ثروت کی طرف سے غریبوں کی طرف موڑ دیا گیا۔ یہ تمام باتیں آپ اپنے الفاظ میں قلم بند کر سکیں۔

# 1- نبوی ﷺ معاشی زندگی

رسولِ اکرم ﷺ کی معاشی زندگی کے تذکرہ سے پہلے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ معاشی زندگی کا مفہوم واضح کیا جائے تاکہ معاشی زندگی کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر متعین کیا جاسکے۔

## 1.1 معاشی زندگی کا مفہوم

معاشی زندگی کے مفہوم کو بیان کرنے کے لیے اس لفظ کے معانی پر غور کرنا ہوگا ''معاشی'' کا لفظ عربی زبان کے لفظ ''عیش'' سے ہے اور مندرجہ ذیل معانی کے لیے استعمال ہوا ہے۔

ا) عیش: عیش کا لفظ زندگی، زندہ رہنا اور ذرائع قیام و بقائے زندگی کے مفہوم کو ادا کرنا ہے۔ قرآنِ مجید نے (عِیْشَۃٌ رَّاضِیَۃٌ) کا تصور پیش کیا ہے، کہ نیکی، تقوئ طہارت اور اعلیٰ اصول زندگی اختیار کرنے والے اللہ تعالیٰ کے ہاں ''خوش حال اور ''امن پسند'' زندگی گزاریں گے

ب) معیشت: اس سے مراد سامان زیست یا ذرائع معاش ہے۔ قرآنِ مجید نے فرمایا:

﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَھُمْ مَعِیْشَتَھُمْ﴾ کہ ہم ان میں سامانِ زیست تقسیم کرتے ہیں۔

ج) معاش: اس سے مراد ذرائع معاش ہیں۔ قرآن مجید نے فرمایا:

﴿وَجَعَلْنَا النَّھَارَ مَعَاشاً﴾ کہ دن کو ہم نے وسائل معاش کے لیے خاص کیا ہے۔

د) معاشیات: یہ اس فن کے لیے مخصوص ہے جو وسائل پیداوار اور اس کے متعلقات سے بحث کرتا ہے اور انسان کی معاشی خوشحالی کا ضامن خیال کیا جاتا ہے۔

ر) قصد: معانی اور مفاہیم کے اطلاق کے اعتبار سے قصد، اقتصاد اور اقتصادیات بھی مندرجہ بالا الفاظ کی طرح استعمال ہوتے ہیں مگر ان میں میانہ روی اور کفایت شعاری کا مفہوم ایک سے زائد چیز کے طور پر شامل ہے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا (مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ) کہ جس نے ذرائع معاش میں میانہ روی اختیار کی وہ تنگ دست نہ ہوا۔

## 1.2 معاشی مسئلہ

معاشی زندگی دراصل معاشی مسئلے کا دوسرا نام ہے۔ نہ صرف تمام جاندار مخلوق میں بقائے حیات اور وسائل زندگی کے حصول کے فطری جذبے کی صورت میں موجود ہے بلکہ نباتات میں نشوونما کا احساس بھی اسی فطری جذبے کی ایک صورت ہے۔ انسانوں میں بھی معاشی مسئلہ عالمگیر حیثیت رکھتا ہے، اسے فرد، خاندان، قوم اور اقوام عالم میں برابر اہمیت حاصل ہے، جب سے دنیا بنی ہے معاشی مسئلہ موجود ہے انسان ہمیشہ سے روزی کی تلاش میں سرگرداں رہا ہے اور روزی حاصل کرنے کے لیے اس نے ہر حربہ استعمال کیا ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے روزی کمانا انسانی زندگی کا ایک اہم مسئلہ ہے لیکن اس کے نزدیک معاشی مسئلہ صرف معاشی نہیں بلکہ بیک وقت معاشرتی، دینی اور اخلاقی اہمیتوں کا حامل ہے موجودہ دور میں تو اسے سیاسی اہمیت بھی حاصل ہو گئی ہے۔

## 1.3 معاشی مسئلے کا حل

انسان نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے ہر طرح کی کوششیں کیں لیکن اس نے اس کی اصل اہمیت کو نظر انداز کر کے دولت کی فراوانی حاصل کی سائنسی و ایٹمی ترقی سے وسائل میں کثرت کے ساتھ ساتھ ہر طرح کے آرام و آسائش کا سامان اکٹھا کیا مگر وہ انسانیت کا معاشی مسئلہ حل نہ کر سکا اور نہ ہی عام انسانوں کو خوشحالی نصیب ہوئی۔ کیا یہ ایک حقیقت نہیں کہ وسائل و ذرائع کی اس دُنیا میں بائیس افریقی ممالک کے لاکھوں انسان بھوکوں مر رہے ہیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک مخصوص طبقے کو چھوڑ کر آج بھی انسان بحیثیت مجموعی معاشی مسئلے کا شکار ہے۔

معاشی مسئلے کا حل یہ ہے کہ اسے صرف روٹی، مکان اور کپڑا کا مسئلہ نہ سمجھا جائے اور نہ یہ محض دولت کمانے کا مسئلہ ہے بلکہ اسے انسان کے جملہ مسائل کا حصہ قرار دیا جائے اور اس کی اہمیت دیگر معاشی، سیاسی اور مذہبی و اخلاقی مسائل کی روشنی میں متعین کی جائے۔ اس سلسلے میں رسولِ اکرم ﷺ کی معاشی زندگی کا مطالعہ اور دینوی معاشی تعلیمات پر عمل ہمیں معاشی مسئلے کے حقیقی حل سے ہمکنار کر سکتا ہے۔

## 1.4 نبوی ﷺ معاشی زندگی

نبوی معاشی زندگی اور تعلیمات کی روشنی میں انسان بہتر زندگی گزار سکتا ہے۔ آپ ﷺ کی معاشی زندگی کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ ذاتی ضروریات پر دوسروں کی ضرورتوں کو ترجیح دی جائے کیونکہ ضرورت مند کی امداد اصل معاشی زندگی ہے آپ ﷺ نے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کے سلسلے میں وسائل معاش کو اختیار فرمایا مگر آپ ﷺ نے انہیں کبھی مقصود زندگی نہ بنایا آپ ﷺ نے ہمیشہ اپنی معاشی کوششوں کو افرادِ معاشرہ کی فلاح و بہبود کے لیے صرف کیا۔ آپ ﷺ نے اپنا ذاتی سرمایہ مسلمانوں کی بھلائی پر صرف کیا۔

آپ ﷺ نے انسانوں کو معاشی مسئلے کے حل کے سلسلے میں کسب حلال کا درس دیا، خدمت خلق اور رفاہِ عامہ کے کاموں کی طرف رغبت دلائی۔ آئندہ صفحات میں آپ ﷺ کی معاشی زندگی کا تذکرہ ان امور کی وضاحت اور بیان پر مشتمل ہوگا جس سے یہ امر بالکل واضح ہو جائے گا کہ انسان کے معاشی مسئلے کا حل دولت جمع کرنے یا خودغرض بننے میں نہیں بلکہ ایثار و قربانی اور سخاوت و فیاضی سے خدمت خلق کرنے میں ہے۔

# 2- نبوی معاشی زندگی ___ قبل از نبوت (مکی دَور)

رسولِ اکرم ﷺ کی معاشی زندگی قبل از نبوت کے مطالعے میں سہولت کے پیش نظر آپ ﷺ کے خاندان اور قبیلہ کے معاشی حالات کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

## 2.1 قریش کے ذرائع معاش

اہل عرب میں قبیلہ قریش کو کعبۃ اللہ کی تولیت کی وجہ سے مذہبی سیادت و برتری حاصل تھی۔ قریش کے جدامجد قصی بن کلاب نے اس سیادت و برتری کو مزید مستحکم کیا اور اس کے ذریعے سے تجارتی روابط بڑھائے یوں کعبۃ اللہ کی تولیت کے حوالے سے قریشی تاجر اہل عرب اور بین الاقوامی تجارت میں رابطہ کا فریضہ سرانجام دینے لگے اور انہیں ''تجارتی معاہدات'' کی وجہ سے ہر جگہ عزت اور پذیرائی نصیب ہونے لگی۔ قرآنِ مجید نے اس کا یوں ذکر کیا۔

﴿اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَماً اٰمِناً يُّجْبٰىٓ اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقاً مِّنْ لَّدُنَّا﴾

''کیا یہ درست نہیں کہ ہم نے انہیں ایک پر امن حرم دیا جو ان کے لیے جائے قیام ہے جس کی طرف ہر طرح کے پھل کھچے چلے آتے ہیں جو ہماری طرف سے بطور رزق انہیں دیا جاتا ہے''

ہاشم بن عبدالمناف نے قیصر روم سے ایک پروانہ راہداری حاصل کر لیا تھا جس سے انہیں امن و امان کی سہولت بھی میسر آئی اور تجارت کو بھی خوب فروغ ملا۔ سیرت کی کتب میں اس قسم کے کئی ایک پروانوں کا ذکر ملتا ہے جو ہاشم نے مختلف ملکوں کے بادشاہوں سے حاصل کیے جس سے انہیں بین الممالک تجارت کرنے کا موقع ملا اور معاشی آسودگی نصیب ہوئی۔

ہاشم بن عبدالمناف کی اولاد سے عبدالمطلب کو سرداری ملی۔ عبدالمطلب آپ ﷺ کے دادا ہیں انہوں نے بھی تجارت کے پیشے کو خوب ترقی دی۔ ان کی معاشی آسودگی کا اس امر سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے ایک بیٹے کی قربانی کی نذر مانی تھی پھر بیٹے کی قربانی کی بجائے ایک سو اونٹوں کی قربانی دی۔ عبدالمطلب کے یہ بیٹے عبداللہ تھے جو آپ ﷺ کے والدِ گرامی ہیں۔ جناب عبداللہ بھی تاجر تھے اور تجارت ہی کی غرض سے یثرب (مدینہ) میں ٹھہرے

ہوئے تھے کہ وفات پائی جناب عبد اللہ نے وفات کے وقت پانچ اونٹ، بکریوں کا ایک ریوڑ اور ایک لونڈی ام ایمن چھوڑی۔ یہ سب کچھ آپ ﷺ کے حصہ میں آیا۔

آپ ﷺ کے خاندان کے اس مختصر معاشی خاکے سے اس بات کا اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے کس طرح کے ماحول میں ابتدائی عمر گزاری۔ آپ ﷺ کے خاندان کو مذہبی قیادت و سیادت کے ساتھ ساتھ معاشی استحکام بھی حاصل تھا مگر آپ ﷺ کے والد آپ ﷺ کی ولادت سے پہلے اور والدہ اور دادا آپ ﷺ کے بچپن میں ہی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو ایک معاشرتی خلا کا سامنا کرنا پڑا۔ اس خلاء کو مشیتِ ایزدی نے اس یمن و برکت سے پر کیا جو آپ ﷺ کے وجودِ مسعود سے ابتداءً آپ ﷺ کے عزیز، رشتہ داروں کو اور پھر بعد میں سلسلہ بسلسلہ تمام عالم کو نصیب ہوئی۔

## 2.2 معاشی زندگی کا ایک پہلو/ یُمن و برکت

رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت کا ایک پہلو افراد و اقوام کی معاشی اعانت و امداد ہے۔ اس کی ایک صورت یُمن و برکت ہے جو آپ ﷺ کے وجودِ مسعود سے لوگوں کو نصیب ہوئی۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی رضاعی والدہ ہیں۔ وہ مکہ معظمہ میں آئیں اور آپ ﷺ کو عرب کے دستور کے مطابق پرورش کے لیے بادیہ لے گئیں۔ وہ بتاتی ہیں کہ جب وہ مکہ معظمہ آئیں تو بہت خستہ حال تھیں مگر جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کو گود میں لیا تو جیسے اُن کی قسمت سنور گئی۔ اسی چیز کو محسوس کرتے ہوئے حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کہنے لگے:

> ”اے حلیمہ! خدا تعالیٰ کی قسم! تم سمجھتی ہو کہ تم یہ کیسی بابرکت ہستی (بچہ) لائی ہو۔ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! واقعی میرا بھی یہی خیال ہے۔“

آپ ﷺ کی اس خصوصیت کا احساس دادا عبد المطلب کو بھی تھا۔ آپ ﷺ دادا جان کے ہاں دو (2) ہی سال رہے مگر دادا جان کا آپ ﷺ سے پیار اور محبت کا معاملہ عجیب تھا۔ وہ آپ ﷺ کے بغیر کھانا نہ کھاتے تھے آپ ﷺ کو نشست پر ہمیشہ اپنے ساتھ بٹھاتے اور کبھی جدا نہ کرتے تھے۔

رسولِ اکرم ﷺ کے چچا ابو طالب کثیر العیال تھے۔ جب عبد المطلب انتقال کر گئے تو آپ ﷺ اپنے چچا ابو طالب کے ہاں رہنے لگے ابو طالب آپ ﷺ کو اپنے تمام بچوں سے زیادہ چاہتے تھے اور اس کی وجہ انہوں نے خود بیان کی کہ ''محمد اِنَّکَ مُبَارَکٌ'' اے محمد تم بہت برکتوں والے ہو۔ کہتے ہیں کہ ابو طالب اور ان کے گھر والے آپ ﷺ کے بغیر کھانا نہ کھاتے کیونکہ جب وہ آپ ﷺ کے بغیر کھانا کھاتے تو کھانا کم ہونے کی وجہ سے سیر نہ ہو پاتے مگر جب آپ ﷺ کے ساتھ دستر خوان پر کھانا کھاتے تو سب سیر ہو جاتے اور تھوڑا کھانا بھی کفایت کر جاتا۔

## 2.3 ابو طالب کی معاشی معاونت

آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کم مالدار تھے اور ان کا گزر بسر بکریوں اور اونٹوں کے چرانے پر تھا۔ آپ ﷺ نے چچا کی معاشی اعانت کے پیشِ نظر ضروری سمجھا کہ ان کا ہاتھ بٹائیں چنانچہ دس (10) برس کی عمر میں آپ ﷺ کے چچا کی مالی امداد کی خاطر مکہ معظمہ والوں کی بکریاں چرانا شروع کیں۔ یوں تو گلہ بانی آپ ﷺ نے حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے ہی شروع فرما دی تھی جب آپ ﷺ اپنے دودھ شریک بھائی کے ساتھ جنگل میں بکریاں چرانے جایا کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں مکہ والوں کی کچھ بکریاں ''قراریط'' پر چرایا کرتا تھا۔ آپ ﷺ یہ معاوضہ یقیناً اپنے چچا کو لا دیتے ہوں گے۔

## 2.4 تجارت

آنحضور ﷺ نے اپنی معاشی جدوجہد کا باقاعدہ آغاز تجارت سے فرمایا۔ اگرچہ بطور تاجر آپ ﷺ نے زیادہ وقت نہیں گزارا تاہم اعلانِ نبوت سے پہلے کی زندگی میں آپ ﷺ کی تجارتی مصروفیات بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ آپ ﷺ نے پہلا تجارتی سفر 12 سال کی عمر میں شام کی طرف فرمایا۔ آپ ﷺ باصرار اپنے چچا کے ساتھ تشریف لے گئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے کئی تجارتی سفر فرمائے۔

چنانچہ ایک ایسے سفر کا تذکرہ بھی ملتا ہے جو آپ ﷺ نے اپنے چچا زبیر بن عبد المطلب کے ساتھ یمن کی طرف فرمایا۔ آپ ﷺ نے 20 سال کی عمر میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ شام کی جانب سفر تجارت کیا۔ اسی سفر میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے عمدہ اخلاق سے اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ ﷺ کے دلی دوست بن گئے۔ ان تجارتی سفروں سے سرکارِ دو عالم ﷺ کی شخصیت کا جو پہلو نکھر کر سامنے آتا ہے وہ آپ ﷺ کی معاملہ فہمی، حسن سلوک، زیرکی، دیانت داری

اور راست بازی ہے۔ آپ ﷺ کی انہی خصوصیات کی وجہ سے لوگ آپ ﷺ کو "صادق" اور "امین" کہنے لگے۔

## 2.5 نمائندہ تجارت

جناب ابو طالب بھی تجارت کیا کرتے تھے مگر سرمائے کی کمی کی وجہ سے وہ تجارت جاری نہ رکھ سکے چنانچہ ایک دن انہوں نے آپ ﷺ سے کہا کہ کیوں نہ ایسا ہو کہ تم بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نمائندہ تجارت کے طور پر کام کرو۔ بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا مکہ معظمہ کی ایک مالدار خاتون تھیں اور بیوہ تھیں۔ قریش کے لوگ ان کا سامانِ تجارت باہر کے ملکوں میں لے جاتے اور اس کے عوض معاوضہ لیتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"چچا جان! آپ مختار ہیں۔ مجھے ایسا کرنے میں کوئی عذر نہیں۔"

ابو طالب ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے۔ مدعا کہہ سنایا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

> "اے سردارِ قریش! مجھے کوئی اعتراض نہیں بلکہ محمد ﷺ تو ہمارے ہی قبیلے کا ایک فرد ہے اور تمام خاندان میں پسندیدہ صفات کا مالک ہے میں انہیں نمائندہ تجارت بھی بناؤں گی اور آپ کی خواہش کے مطابق چار شتر معاوضہ بھی دوں گی۔"

آپ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مالِ تجارت بصریٰ لے گئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خدمت کے لیے اپنا غلام" میسرہ" بھی ساتھ روانہ کیا۔ آپ ﷺ بہت سارا منافع لے کر لوٹے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اس سے بہت خوش ہوئیں۔

## 2.6 خوشحالی

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کا نکاح ہوا۔ آپ نے 300 شتر اور 500 طلائی درہم بطور زرِ مہر ادا کیا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی درخواست پر آپ ﷺ نے ان کے گھر رہائش پسند فرمائی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے بعد آپ ﷺ یقیناً خوشحال ہو گئے لیکن آپ ﷺ نے محنت کی عظمت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا اور تجارتی سفروں پر تشریف لے جاتے رہے جس سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تجارت کو بھی خوب فروغ ملا۔

## 2.7 تجارت کے لیے سفر

رسولِ اکرم ﷺ نے تجارت کی غرض سے مختلف مقامات کی جانب سفر فرمائے اور بعض جگہوں پر قیام بھی فرمایا۔ عرب میں مختلف مقامات پر تجارتی نوعیت کے بازار لگا کرتے تھے ان بازاروں میں آپ ﷺ کا تشریف لے جانا ثابت ہے ابن سید الناس نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ "بحاشہ" نامی بازار میں بغرض تجارت تشریف لے جاتے تھے۔ اسی طرح حاکم نے اپنی "مستدرک" میں لکھا ہے کہ "حیرش" ایک مشہور تجارتی مرکز تھا۔ آپ ﷺ وہاں بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مالِ تجارت لے جاتے تھے۔

"کتب سیرت" میں آپ ﷺ کے بحرین، عمان اور دُبا کی جانب تجارتی سفر کرنے کا تذکرہ موجود ہے۔ "دُبا" عرب کی مشہور بین الاقوامی تجارتی بندرگاہ تھی، یہاں تجارتی میلے لگا کرتے تھے۔ بعثت سے پہلے آپ ﷺ اس تجارتی میلے میں شریک ہوتے تھے۔

ابن ہشام نے "سیرت النبی ﷺ" میں لکھا ہے کہ یمن سے ایک وفد مدینہ منورہ آیا۔ آپ ﷺ نے ان کی وضع قطع دیکھ کر فرمایا کہ یہ "ہندی مرد" کون ہیں۔ گویا آپ ﷺ نے انہیں پہچان لیا تھا۔ اس طرح قبیلہ قیس کا وفد مدینہ منورہ آیا۔ آپ ﷺ سے ملا تو آپ ﷺ نے ان سے بحرین کے ایک مقام کا نام لے کر اس کے حالات دریافت کیے اور فرمایا کہ میں نے تجارتی سفروں کے دوران تمہارے ملک کی خوب سیر کی اور وہاں قیام بھی کیا۔

آپ ﷺ کا تجارتی سلسلے میں ملک حبشہ جانا بھی مذکور ہے۔ اور شاید آپ ﷺ کی شاہِ حبشہ سے ملاقات بھی ہوئی ہو گی کیونکہ آپ ﷺ نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو ہجرت حبشہ کے موقع پر نجاشی کے نام جو خط دیا تھا۔ اس کے مضمون میں اس خیال کو تقویت پہنچتی ہے۔ اس خط میں خاصی اپنائیت کا اظہار کیا گیا تھا۔ آپ ﷺ کے تجارتی سفروں کے سلسلے میں تین نام مذکور ہیں۔ یعنی شام، فلسطین اور یمن۔

## 2.8 اوصافِ حمیدہ

تجارت کی وجہ سے آپ ﷺ کی شہرت عام ہوئی۔ معاملات میں صداقت و دیانت، راست بازی وسخاوت جیسے عمدہ اوصاف نکھر کر آئے۔ صلہ رحمی، بیکسوں کی امداد، غربا پروری وغیرہ کے سبب آپ ﷺ کی ہر دلعزیزی بڑھی، آپ ﷺ کو

اخلاقی، معاشی و معاشرتی تفوق حاصل ہوا اور آپ ﷺ کا شمار سردارانِ قریش میں ہونے لگا۔ آپ ﷺ صاف گو اور معاملے کے کھرے تھے۔ ایک شخص قیس بن سائب آپ ﷺ کے شریک تجارت تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ

> ''ہم دونوں باری باری سامانِ تجارت لے جایا کرتے تھے۔ جب سرکارِ دو عالم ﷺ سامانِ تجارت باہر لے جاتے تو واپسی پر گھر جانے یا اہل خانہ سے ملنے کی بجائے میرے پاس آتے، تمام معاملات کی تفصیل بتاتے اور حساب سناتے لیکن جب میں اپنی باری پر سامان لے جاتا تو واپسی پر ہمیشہ رسولِ اکرم ﷺ میرا استقبال کرتے میری صحت و تندرستی کے بارے میں پوچھتے مگر تجارت کے سلسلے میں کوئی بات از خود شروع نہ فرماتے۔ قیس کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس مشترکہ کاروبار میں کبھی اختلاف نہ کیا۔''

آپ ﷺ کی معاشی زندگی کا ایک نمایاں وصف لوگوں کے احوال سنوارنا اور ان پر خرچ کرنا ہے۔ آپ ﷺ ہمیشہ محتاجوں اور غریبوں کے کام آتے بیواؤں اور یتیموں کا سودا سلف لا دیتے ان کا کام کاج کر دیتے۔ جو شخص مدد کو بلاتا، آپ ﷺ اس کی مدد کرتے مدد کا وعدہ کرتے تو ہر قیمت پر نبھاتے۔ آپ ﷺ نے تجارت سے بہت کمایا لیکن یہ آپ ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ جو کچھ پاس ہوتا، جب تک صدقہ و خیرات نہ کر دیتے خوش نہ ہوتے۔

## 2.9 اولادِ ابو طالب کی کفالت

رسولِ اکرم ﷺ نے جناب ابو طالب اور ان کے خاندان کے افراد کا ہمیشہ خیال رکھا۔ ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں سخت قحط پڑا جس میں جناب ابو طالب کا خاندان بھی متاثر ہوا۔ آپ ﷺ کو چچا کی کثرتِ اولاد کا خیال آیا تو آپ ﷺ اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انہیں ابو طالب کی امداد پر آمادہ کیا چنانچہ ان کی مالی امداد کے علاوہ آپ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے آئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے گئے۔

یہ ایک واقعہ ہے جو سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے۔ یقیناً آپ ﷺ نے قحط کے اس زمانے میں بہت سے دوسرے لوگوں کی بھی جنہیں آپ ﷺ نے معاشی پریشانی میں دیکھا ہو گا نہ صرف خود امداد کی ہو گی بلکہ دیگر متمول لوگوں کو بھی اس طرف توجہ دلائی ہو گی۔

## 3- معاشی زندگی ___ بعد از نبوت (مکی دَور)

اعلانِ نبوت کے ساتھ ہی آپ ﷺ تبلیغی امور میں مصروف ہو گئے اور معاشی سرگرمیوں سمیت دیگر تمام مصروفیات ثانوی حیثیت اختیار کر گئیں البتہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اعلانِ نبوت کے ساتھ ہی آپ ﷺ کی معاشی ذمہ داریاں بڑھ گئی تھیں کیونکہ جو لوگ آپ ﷺ پر ایمان لائے تھے ان میں کم عمر بچے، غریب افراد اور کچھ غلام بھی تھے ان لوگوں کو معاشرتی و معاشی تحفظ فراہم کرنا آنحضور ﷺ کی اہم ذمہ داری تھی۔

سرکارِ دو عالم ﷺ ہمہ وقت تبلیغی امور میں مصروف رہنے کی وجہ سے معاشی جدوجہد نہیں فرما سکتے تھے پھر جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہوں گے کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ اپنے مال سے معاشرے کے ضرورت مند افراد کی امداد فرمائی۔ کتب سیرت کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ دو اشخاص نے خاص طور پر آپ ﷺ کے ساتھ تعاون کیا۔ یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابو بکر صدیق ؓ یہ دونوں، سرکارِ دو عالم ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں اور مالی معاونت میں آپ ﷺ کے تمام ساتھیوں پر برتری رکھتے ہیں۔ ذیل میں ہم ان دونوں کا الگ الگ تذکرہ کرتے ہیں ان کا تذکرہ آپ ﷺ کی معاشی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کی جس قدر مالی امداد کی وہ ایک اعتبار سے سرکارِ دو عالم ﷺ کی ذمہ داریوں کا حصہ تھی یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان کی معاونت کو اپنے اوپر احسان جانا اور کئی ایک موقعوں پر اس کا اظہار بھی فرمایا۔

### 3.1 حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

یہ سعادت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حصہ میں آئی کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی تجارتی کوششوں سے آپ ﷺ کے سرمائے کو فروغ ملا اور وہ سرمایہ معاشرے کے ضرورت مند افراد پر صرف ہوا۔ اسلام کی نشر و اشاعت میں کام آیا خصوصاً نو مسلم غلاموں کو اس سے فائدہ پہنچا اور وہ آزادی کی نعمت سے سرفراز ہوئے یوں جب مسلمانوں کو معاشی اعتبار سے تقویت پہنچی تو آنحضور ﷺ کی ایک ذمہ داری تکمیل تک پہنچی اور سیدہ خدیجہ ؓ کی دولت بھی کام آئی۔ آپ ﷺ نے ان کا ذکر یوں فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے خدیجہ ؓ سے بہتر بیوی نہیں دی۔ وہ مجھ پر ایمان لائیں، جب لوگوں نے کفر کیا،

میری تصدیق کی، جب لوگوں نے جھٹلایا اور مال سے میری اعانت کی۔"

آپ ﷺ کا یہ فرمان ہماری اس معاملے میں مکمل رہنمائی کرتا ہے کہ آپ ﷺ نے کس طرح اپنا اور اپنی بیوی کا سرمایہ مسلمانوں کی بھلائی پر صرف کیا نیز خانگی ضروریات کی بجائے کس طرح خدمت خلق، بیکسوں کی امداد اور ضرورت مندوں کی اعانت فرماتے رہے۔

معاشی اعتبار سے اعلانِ نبوت کے بعد کا دَور مصارف کا دَور تھا۔ اس کی گواہی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا دیتی ہیں کہ آپ ﷺ اقرباء پر شفقت فرماتے ہیں، بیواؤں، یتیموں اور بیکسوں کی دستگیری کرتے ہیں، مہمان نواز ہیں اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد فرماتے ہیں چنانچہ ہم پڑھتے ہیں کہ ایک مرتبہ قحط کے زمانے میں حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال سے انہیں 40 بکریاں اور سامان سے لدا ہوا ایک اونٹ مرحمت فرمایا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آنحضور ﷺ کی خدمت میں ایک غلام خدمت کے لیے پیش کیا تو آپ ﷺ نے اسے قبول کیا اور پھر آزاد کر دیا۔

## 3.2 حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سرکارِ دو عالم ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لانے والے مرد ہیں، وہ بلا تامل ایمان لائے اور بہترین ساتھی بنے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جہاں آپ ﷺ کے لیے دینی و معاشرتی معاملات میں معاون رہے، وہاں معاشی امور میں بھی آپ ﷺ کے ایک باوقار مددگار ثابت ہوئے آپ ﷺ نے اس معاونت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ

"جس کسی کا ہم پر احسان تھا، اس کا بدلہ چکا دیا گیا ہے لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا احسان مجھ پر باقی ہے اور کسی کے مال نے مجھے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال نے دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نہ صرف یہ کہ میری تصدیق کی بلکہ اپنے مال و جان سے میری امداد بھی کی۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تجارت کیا کرتے تھے۔ دولت مند اور فیاض تھے۔ ایمان لائے تو چالیس ہزار درہم کے مالک تھے۔ تمام دولت اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی۔ رسولِ اکرم ﷺ کے ایماء پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھاری رقوم ادا کر کے کئی غلام آزاد کرا لیے، جو ایمان لانے کے سبب کفار کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے ان

میں بلال بن رباح، عامر بن فہیرہ، لبینہ، زنیرہ، نہدیہ اور ام عُبیس قابل ذکر ہیں۔

ہجرت مدینہ کا جملہ انتظام بھی حضرت صدیق اکبر ؓ نے کیا۔ انہوں نے سواری کے لیے اونٹنیاں خریدیں۔ ایک با اعتماد راہبر کا انتظام کیا۔ ہجرت کو نکلے تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ اپنے ساتھ 5 ہزار درہم لائے اور یہ ان کی کل پونجی تھی۔ اسے بھی آپ ﷺ کی نذر کیا جسے آپ ﷺ نے مسلمانوں کی بھلائی کے لیے صرف کیا۔

ان تفصیلات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی بعد از اعلان نبوت مکی زندگی معاشی اعتبار سے مکمل طور پر مسلمانوں کی بھلائی کے معاملات طے کرنے میں صرف ہوئی۔ بہرحال یہ سعادت حضرت صدیق اکبر ؓ کو بھی نصیب ہوئی کہ ان کا مال و اسباب آپ ﷺ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور مسلمانوں کی بھلائی کے کاموں میں خرچ ہوا۔

## 3.3 متفرق معاشی امور

کفارِ مکہ کی ایذا رسانیوں سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے کچھ مسلمانوں کو اجازت دی کہ وہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ اس ہجرت کا ایک اہم فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو دینی امور کے ساتھ ساتھ معاشی معاملات میں سہولت نصیب ہوئی اور یوں شدید تر حالات میں نبوی کفالتوں کا بوجھ بھی قدرے کم ہوا۔ کفارِ مکہ نے مسلمانوں کا تین سال تک معاشرتی مقاطعہ کیا۔ اس سے مسلمانوں کی معاشی حالت شدید طور پر متاثر ہوئی اور بہت تنگی سے وقت گزرا۔ یقیناً رسول اللہ اور آپ ﷺ کے جانثار ساتھیوں کے پاس جو کچھ موجود تھا وہ لے آئے تھے اور وہ مسلمانوں کی باہمی ضرورتوں میں کام آیا۔ کتبِ سیرت کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ کے بعض دردمند حضرات چوری چھپے غلہ وغیرہ پہنچا دیا کرتے تھے۔

کاروبار اور تجارت کا رجحان آپ ﷺ میں موجود تھا۔ اس دور میں بھی بعض موقعوں پر آپ ﷺ نے غلے کا تجارتی لین دین فرمایا اور شراکت پر کاروبار بھی فرمایا۔ قیس بن سائب جو آپ ﷺ کے شریک کاروبار تھے، آپ ﷺ کی دیانت اور صداقت کے معترف تھے۔

آپ ﷺ نے بااصول تجارت فرمائی۔ اس لیے اگر کاروباری معاملے میں کوئی شخص زیادتی کرتا تو جس کے ساتھ

زیادتی ہوتی آپ ﷺ اس کا ساتھ دیتے اور اس کا حق دلانے کی کوشش کرتے۔ ابن اسحٰق نے لکھا ہے کہ

> ''اراش'' کا رہنے والا ایک تاجر کچھ اونٹ مکہ معظمہ لایا۔ ابو جہل نے خرید لیے مگر قیمت دینے میں ٹال مٹول کرنے لگا سردارانِ قریش کے ایماء پر وہ شخص اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے پاس آیا۔ آپ ﷺ اس کے ساتھ ابو جہل کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا: ''اے عمرو! اس کا حق ادا کرو''۔ ابوجہل سے کوئی جواب نہ بن پایا۔ اندر گیا اور قیمت لا کر دے دی۔ دیکھنے والوں کا یہ کہنا تھا کہ آپ ﷺ کو دیکھتے ہی ابوجہل کا رنگ فق ہو گیا یوں لگتا تھا جیسے اس میں جان باقی نہیں رہی۔''

بلاذری نے اس سلسلے میں ایک اور واقعہ بھی قلمبند کیا ہے:

''ایک شخص مکہ معظمہ میں تین اونٹ فروخت کی غرض سے لایا۔ ابوجہل نے ان کی قیمت لگائی اور لوگوں کو منع کر دیا کہ اس سے زائد قیمت ادا نہ کریں۔ وہ شخص پریشانی کے عالم میں رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ابوجہل نے اس کے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے اور اس کم قیمت پر اونٹ بیچنا اس کے لیے سخت نقصان کا باعث ہوگا۔ آپ ﷺ نے ابوجہل کی موجودگی میں جائز قیمت پر وہ اونٹ خرید فرمائے، قیمت ادا کر دی اور ابوجہل کو ڈانٹا۔

ان واقعات سے حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ آنحضور ﷺ نہ صرف یہ کہ لوگوں کی مالی امداد فرماتے اور ان کی ضروریات پوری فرماتے تھے بلکہ اصولِ کاروبار اور تجارت کو فروغ دینے میں بھی بھرپور حصہ لیتے اور زیادتی کرنے والے کو زیادتی سے باز رکھتے۔ معاشرتی زندگی میں اس طرح کا کردار نہ صرف معاشرتی زندگی کو صحت مند فضا مہیا کرتا ہے بلکہ معاشی جدوجہد میں سہولت اور آسانی کا رجحان بڑھتا ہے یوں امیروں کے ساتھ غریب لوگ بھی کاروبار کرنے کا حوصلہ پاتے ہیں۔

# 4- معاشی زندگی ___ ذمہ داریوں کا دَور

رسول اکرم ﷺ کی مدنی زندگی اپنی نوعیت اور مصروفیات کے اعتبار سے مکی زندگی سے بالکل مختلف تھی۔ مکہ معظمہ میں آپ ﷺ نے تجارت فرمائی مختلف مقامات پر تجارت کی غرض سے تشریف لے گئے خوب منافع ہوا جس سے معاشرے کے ضرورت مند افراد کی خدمت کی لیکن یہ سب کچھ انفرادی اور ذاتی سطح پر تھا۔ مدنی دَور اس اعتبار سے مختلف دَور ہے اس دَور میں آپ ﷺ ایک اجتماعی نظام کے سربراہ تھے اور ایک ریاست کے قیام کی صورت میں آپ ﷺ کی معاشی، سیاسی اور دینی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ معاشی اعتبار سے سرکارِ دوعالم ﷺ کا ذاتی معاملہ عسرت اور اختیاری فقر پر مبنی رہا۔ قناعت، سادگی اور کفاف پر آپ ﷺ کی مدنی زندگی بسر ہوئی جب کہ اجتماعی سطح پر آپ ﷺ کے ذمہ بہت سارے مسائل میں سے معاشی مسائل بھی تھے۔

مہاجرین کی کفالت اور ان کی آبادکاری، اسلامی ریاست کے بنیادی اداروں کی تشکیل اور تعمیر و ترقی، غزوات کے سلسلے میں فوجی نوعیت کے مصارف، غنائم اور صدقات کی تقسیم یہ اور ان کے علاوہ بے شمار مسائل تھے جنہیں آپ ﷺ نے حل کرنا تھا یہ مسائل آپ ﷺ کی سربراہی ذمہ داریوں کا حصہ تھے۔

مدنی دَور ایک ایسا دَور تھا جس میں اس امر کی کوئی گنجائش نہ تھی کہ آپ ﷺ اپنی ذاتی معاشی جدوجہد کی طرف توجہ فرماتے آپ ﷺ ایسا کرنا بھی نہیں چاہتے تھے کیونکہ اس دَور کا خاص وصف دوسروں کو نوازنا اور عطا کرنا تھا۔ آپ ﷺ نے مال و دولت اور آرام و آسائش سب کے لیے پسند فرمایا اور انہیں مہیا کرنے کی سعی کی لیکن اپنی ذات اور خانوادۂ نبوت کے لیے فقر و قناعت کو پسند فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

> ''آلِ محمد ﷺ جب سے مدینہ منورہ آئے تین راتیں متواتر سیر ہو کر گندم کا کھانا نہیں کھایا حتیٰ کہ آپ ﷺ اس دُنیا سے تشریف لے گئے۔''

ایک اور ارشاد میں آپ ﷺ کے معاشی احوال کو یوں بیان کیا گیا:

> ''(مدنی دَور میں) آلِ محمد ﷺ کے دو کھانوں میں سے ایک کھجوروں پر مشتمل رہا۔ بعض ماہ ایسے بھی آئے کہ ہمارے گھر آگ نہیں جلی، کھجوروں اور پانی پر گزر رہا۔''

سرکارِ دو عالم ﷺ کی مدنی دَور کی معاشی ذمہ داریوں کو ہم دو(2) حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

- اجتماعی معاشی ذمہ داریاں
- انفرادی معاشی ذمہ داریاں

ذیل میں ان دو(2) عنوانات کے تحت تفصیل درج کی جاتی ہے:

## 4.1 اجتماعی معاشی ذمہ داریاں

آپ ﷺ کی اجتماعی معاشی ذمہ داریوں سے مراد وہ ذمہ داریاں ہیں جو آپ ﷺ کو بحیثیت سربراہِ ریاست اور قائدِ اسلام کے سرانجام دینا تھیں۔ ان میں مہاجرین کی آبادکاری اور کفالت، اصحاب صفہ کی اعانت، وفود کی خدمت اور عام مسلمانوں کی مالی نصرت شامل ہیں۔

مدنی زندگی میں آپ ﷺ نے ان ذمہ داریوں کو سخاوت اور ایثار کے اصول پر پورا فرمایا آپ ﷺ کی سخاوت اور ایثار سے جہاں مسلمان نوازے گئے اور فیض یاب ہوئے۔ وہاں آپ ﷺ کے دشمن بھی محروم نہ رہے اس سلسلے میں بہت سے واقعات مذکور ہیں۔ یہاں صرف ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے۔

جنگِ خندق کے موقع پر کفارِ مکہ کو شکست ہوئی تو وہ قحط کا شکار ہو گئے۔ جب آپ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے سخاوت و ایثار کے پیش نظر مکہ معظمہ کے قحط زدہ افراد کے لیے پانچ سو(500) اشرفیاں بھجوا دیں۔ اس کے ساتھ ہی ابوسفیان کے پاس کھجوروں کی کافی مقدار بھجوائی اور کہلا بھیجا کہ وہ ان کھجوروں کے بدلے کھالیں بھیجیں جو تجارتی راستہ بند ہونے کے سبب برآمد نہیں کی جاسکیں۔ گویا اس طرح آپ ﷺ نے قحط زدہ افراد کی امداد فرمائی، ملکی معیشت کو سہارا دیا اور کھجوروں کے عوض کھالوں کی تجارت بھی فرمائی۔ آپ ﷺ کی اجتماعی معاشی ذمہ داریوں کو ذیلی عنوانات کے تحت اس طرح بیان کرتے ہیں:

### 4.1.1 مہاجرین کی آبادکاری

جو مسلمان ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے، ان میں سے اکثر بالخصوص اہل مکہ بے سروسامانی میں مدینہ منورہ آئے۔ آنحضورﷺ نے ان کی رہائش، قیام وطعام اور دیگر ضروریات زندگی کا بندوبست فرمایا۔ آپ ﷺ نے مہاجرین و انصار کا

ایک مشترکہ اجلاس حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مکان پر منعقد فرمایا جس میں آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کے ایک باوسیلہ و متمول مسلمان کو ایک مہاجر کا بھائی بنایا۔ اسے "مواخات" یعنی باہمی بھائی چارے کا معاہدہ کہا گیا۔ یہ مہاجرین کی کفالت کا ابتدائی و عارضی انتظام تھا۔ مہاجرین نے مدینہ منورہ پہنچ کر تجارت کا سلسلہ شروع کیا جس سے وہ جلد اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔ مہاجرین کے سلسلہ میں آپ ﷺ کے مزید انتظامات درج ذیل ہیں:

## (ا) رہائشی انتظامات

جو مسلمان مدینہ منورہ آتا اسے عارضی طور پر سرکاری انتظام کے تحت ٹھہرایا جاتا یا وہ کسی ذی حیثیت انصاری کے ہاں بطور مہمان رہتا۔ اگر ان کی تعداد زیادہ ہوتی تو عموماً شہر سے باہر خیمے لگا کر ان کی رہائش کا عارضی انتظام کیا جاتا۔ چنانچہ بنی اسد کا پورا قبیلہ ہجرت کر کے آیا تو آپ ﷺ نے انہیں مدینہ منورہ کے جنوب مشرق میں بقیع الغرقد میں خیموں میں ٹھہرایا۔ اسی طرح ابو موسیٰ اور ان کے ساتھی حبشہ سے دوسری ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو آپ ﷺ نے ان کے لیے شہر کے مغربی طرف بطحان کے قریب کیمپ لگا دیا۔

مہاجرین کی مستقل رہائش کے لیے بڑے بڑے مکان بھی تعمیر کیے گئے۔ ان میں عیال داروں کے لیے اور اکیلے رہنے والوں کے لیے الگ الگ مکان تھے ان میں بعض مکان چھوٹے بھی تھے۔ مثلاً صہیب رضی اللہ عنہ رومی کو جو مکان ملا وہ دو کمروں اور ایک ڈیوڑھی پر مشتمل تھا۔ اسی طرح تین کمروں کے مکان بھی بنائے گئے چنانچہ حضرت عمار بن یاسر، اُسامہ بن زید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اسی طرح کے مکان دیئے گئے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ ان رہائشی انتظامات اور مکانات کی تعمیر پر جو اخراجات آئے ہوں گے وہ آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کس طرح برداشت کیے ہوں گے یہ اہم کام یقیناً خصوصی چندہ، رضا کارانہ امداد اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی تعاون سے پایہ تکمیل کو پہنچا۔ جو مہاجرین بہت بعد میں آئے انہیں صرف زمین دی جاتی تھی کہ وہ اس پر اپنے وسائل کے مطابق مکان تعمیر کر لیں۔ جب یہودیوں کو یکے بعد دیگرے مدینہ سے نکالا گیا تو ان کے چھوڑے ہوئے قلعوں اور گھروں نے مہاجرین کے لیے رہائش کی وافر سہولت فراہم کر دی۔

## (ب) خورد و نوش

آنحضور ﷺ نے مسلمانوں کے لیے مدینہ منورہ میں میٹھے پانی کا سرکاری سطح پر انتظام فرمایا چنانچہ آپ ﷺ کی

خواہش پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیس ہزار درہم میں بیئر رومہ یہودیوں سے خرید کر وقفِ عام کر دیا۔ آپ ﷺ نے اس کے علاوہ بھی کچھ کنویں تیار کرائے۔ چنانچہ ایک کنویں کا نام ''غرس'' تھا۔ ایک اور کنواں مسجدِ نبوی ﷺ کے قریب درختوں کے نیچے تھا۔

آنحضور ﷺ کا دسترخوان سب کے لیے عام تھا۔ ماحضر میں سب شریک ہوئے۔ جب آپ ﷺ مکہ معظمہ سے تشریف لائے تو کچھ رقم آپ ﷺ کے پاس تھی۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی پانچ ہزار درہم لائے تھے۔ یہ رقم ملا کر کچھ اونٹنیاں اور بکریاں خریدی گئیں اور اسی طرح خوراک کی دوسری چیزیں بھی تا کہ آنے والے مہاجرین کی سرکاری مہمان خانے میں خدمت کی جا سکے۔

انصار میں سے اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے باغ کے کھجور کے ایک ایک درخت کے پھل کو آپ ﷺ کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ اس سے آپ ﷺ اجتماعی کفالت کا اہتمام فرماتے تھے۔

رسول اکرم ﷺ نے جب مدینہ منورہ، خیبر اور فدک کی زمین حاصل کر لی تو اجتماعی کفالت کا کام آسان ہو گیا۔ یہ زمینیں مسلم ریاست کی ملکیت قرار پائیں اور اس کی پیداوار اور آمدنی عام مسلمانوں کی ضرورتوں کی کفالت اور نادار ضرورت مند افراد کی اعانت پر صرف کی جاتی تھی۔ ان میں سے جو کچھ بچ رہتا اسے بیت المال میں جمع کر دیا جاتا مگر اللہ کے رسول ﷺ اس بات کو زیادہ پسند فرماتے کہ سب کچھ مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

## 4.1.2 فتوحات وغنائم

اللہ تعالیٰ نے سرکارِ دو عالم ﷺ کی معاشی ذمہ داریوں میں معاونت فرمائی تو مسلمانوں کو فتوحات وغنائم سے نوازا۔ ان سے مسلمانوں کو معاشی استحکام نصیب ہوا۔ بہت سارا مال واسباب اور زمین و جائیداد وغیرہ مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ مالِ غنیمت اور صدقات سے جو کچھ آتا اسے فوراً مسلمانوں میں تقسیم فرما دیتے۔

اللہ تعالیٰ نے خمس (مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ) کو اپنے لیے خاص کیا۔ آپ ﷺ نے اس کے ایک بڑے حصے کو دینی ضروریات اور معاشرتی فلاح و بہبود کے کاموں میں صرف فرمایا۔

## 4.1.3 اصحابِ صفہ کی کفالت

"اصحابِ صفہ" جو آنحضور ﷺ کے شاگرد و متعلمین تھے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کے خصوصی جود وکرم کے مرہون احسان رہے۔ ان کی کفالت اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے اپنے ذمے لے رکھی تھی۔ آپ ﷺ کی تلقین پر انصار کے ذی حیثیت افراد صفہ کے 80,80 مہمانوں کو اپنے گھر لے جاتے اور انہیں کھانا کھلاتے۔ انہی کے بارے میں آپ ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا جب انہوں نے ایک خادمہ کے لیے درخواست کی تھی کہ "یہ نہیں ہوسکتا کہ تم کو خادمہ دے دوں اور صفہ والے بھوکے رہیں۔"

آپ ﷺ ان کی غنائم سے اعانت فرماتے، صدقات وتحائف آتے تو ان کی ضروریات کو ترجیح دیتے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جو اہل صفہ میں سے تھے، ان کے ذمہ یہ کام لگایا گیا تھا کہ جو چیزیں صفہ والوں کے لیے آئیں، ان کی حفاظت کریں اور طلباء میں تقسیم کریں۔ "اصحابِ صفہ" کی کفالت آپ ﷺ کی اجتماعی معاشی ذمہ داریوں کا ایک حصہ تھا۔

## 4.2 کفاف وقناعت

رسولِ کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے خاندان والوں کا گزر بسر سادگی، قناعت اور اختیاری فقر پر رہا۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل خانہ نے کبھی سیر ہو کر کھانا نہ کھایا۔ کبھی کھجور اور پانی پر۔ کبھی صرف دودھ پر اور کبھی فاقے پر گزر بسر رہا۔ رات کو اکثر گھر والے بھوکے سو جاتے تھے۔ چپاتی کبھی نہ کھائی اور نہ میدے کی روٹی استعمال فرمائی۔ آپ ﷺ کی دُعا آپ ﷺ کے اس مشن کی ترجمان ہے:

> "اے پروردگار! ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن کھانے کو ملے۔ بھوک میں تیرے سامنے گڑگڑایا کروں اور تجھ سے مانگوں اور ملے تو پیٹ بھر کر تیری حمد وثناء کروں۔"

## 4.2.1 سادہ طرز زندگی

رسولِ اکرم ﷺ اپنے جملہ احوال زندگی میں سادگی پسند تھے۔ غذا، لباس، رہائش اور رہن سہن ہر معاملہ سادگی کا حسین مظہر تھا۔ سادہ غذا پسند فرماتے۔ گوشت کے شوربے میں روٹی ڈبو کر تناول فرماتے۔ شہد، سرکہ، خربوزہ، ککڑی، لوکی، کھچڑی، مکھن، دودھ اور کھجور پسند فرماتے تھے۔ جو کا ستو پسند تھا۔ یہ تمام وہ چیزیں ہیں جو اس وقت ایک عام آدمی کی

خوراک کا حصہ تھیں۔ آپ ﷺ کے کھانے کا انداز بھی سادہ تھا، آپ ﷺ فرماتے تھے:

''کہ میں تو بس ایک بندہ ہوں، اس طرح کھانا کھاتا ہوں، جیسے ایک بندہ کھاتا ہے اور آپ ﷺ اپنے خادم کے ساتھ کھانا تناول فرماتے۔''

لباس کے سلسلے میں آپ ﷺ سادگی، باپردگی اور وضعداری کو پسند فرماتے تھے۔ تہبند، قمیص اور عمامہ آپ ﷺ نے اکثر استعمال فرمایا۔ ایسا لباس پسند نہ فرمایا جس سے غرور و تکبر یا بڑائی ظاہر ہو۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک سے زائد جوڑا نہیں بنوایا۔ وفات پائی تو ایسا لباس زیب تن تھا جس میں جگہ جگہ پیوند لگے ہوئے تھے۔

رہائش کے لیے جو کمرے تعمیر کرائے وہ کچی اینٹوں سے تعمیر کیے گئے ان پر کھجور کے پتوں اور تنوں کی چھت ڈالی گئی تھی۔ چھ سات ہاتھ چوڑے اور اسی قدر اونچے تھے۔ ہر مکان ایک کمرہ اور ایک ڈیوڑھی پر مشتمل تھا۔ جس کے گرد مختصر چاردیواری تھی۔ بیٹھنے کے لیے ایک چبوترا بھی ہوتا تھا۔ دروازوں پر کمبل کا پردہ پڑا رہتا تھا رات کو روشنی کا انتظام نہ تھا۔ ہر زوجہ مطہرہ کے لیے ایک ایک کمرہ مخصوص تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوری زندگی انہی کمروں میں بسر فرمائی۔

کل اثاثہ لکڑی کا ایک پیالہ، چمڑے کا گدا، بان کی چارپائی اور ٹاٹ کا بستر تھا۔ کبھی زمین پر چٹائی بچھا کر بھی سو جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ کی اس حالت کو دیکھا تو عرض کی:

''اے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ! قیصر و کسریٰ تو عیش کریں اور آپ ﷺ کا یہ حال۔''

آپ ﷺ نے فرمایا کہ

''عمرؓ! کیا تم اس پر خوش نہیں کہ لوگ دُنیا لے جائیں اور ہمیں آخرت ملے۔''

آپ ﷺ نے زندگی کو ہمیشہ اسی نظر سے دیکھا۔ جب آپ ﷺ مسجد نبوی ﷺ تعمیر فرما رہے تھے اور جب آپ ﷺ خندق کھود رہے تھے تو زبانِ مبارک پر یہ الفاظ رواں تھے اور یہی آپ ﷺ کی معاشی زندگی کے اعلیٰ معیار پر شاہد ہیں جو مکی و مدنی زندگی کا ماحصل بھی ہیں۔

(اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشَ الْآخِرَۃ)

''اے اللہ! دُنیاوی زندگی تو زندگی نہیں، زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔''

# خود آزمائی نمبر 1

سوال نمبر: 1 مندرجہ ذیل سوالوں کے جواب تحریر کریں:

1- ''عَیش'' کا لفظی ترجمہ کیا ہے؟

2- ''قصد'' کا لفظی معنی کیا ہے؟

3- وسائلِ معیشت کی کثرت کے باوجود دُنیا میں غربت و افلاس کی وجہ کیا ہے؟

4- نبوی معاشی زندگی کی اہم خصوصیات بیان کریں۔

5- قریش کا ذریعہ معاش کیا تھا؟

6- جناب عبدالمطلب نے جناب عبداللہ کے بدلے میں کتنے اُونٹ ذبح کیے تھے؟

7- جناب عبداللہ نے ترکے میں کیا چیزیں چھوڑیں؟

8- آنحضرت ﷺ نے پہلا معاشی کام کون سا کیا؟

9- آپ ﷺ نے پہلا تجارتی سفر کب کیا؟

10- حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا جو غلام سفرِ تجارت میں آپ ﷺ کے ساتھ تھا، اس کا نام تحریر کریں۔

11- آپ ﷺ نے کن کن علاقوں کی طرف تجارتی سفر کیے؟

12- آپ ﷺ نے قحط کے زمانہ میں اپنے چچا ابو طالب کی کس طرح مدد فرمائی؟

13- تین ایسے غلام اور باندیوں کے نام لکھیں جنہیں حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے خرید کر آزاد کیا

(i) __________ (ii) __________ (iii) __________

14- حلیمہ سعدیہؓ جب آنحضرت ﷺ سے ملنے آئیں تو آپ ﷺ نے ان کو کیا چیزیں دیں؟

15- اس گھاٹی کا نام بتائیں جس میں بنو ہاشم تین سال تک محصور رہے۔

16- مکہ معظمہ میں جب قحط پڑا تو رسول اکرم ﷺ نے اپنے دُشمنوں سے کیا سلوک کیا؟

17- بنو اسد کا قبیلہ ہجرت کر کے آیا تو اس کی رہائش کے لیے کیا فوری انتظام کیا گیا؟

18- حضرت عثمان ؓ نے کون سا کنواں خرید کر وقف کیا تھا اور کتنے کا خریدا تھا؟

19- خمس سے کیا مراد ہے؟

20- ''اصحابِ صفہ'' کون تھے؟

21- مدنی زندگی میں آپ ﷺ کی معیشت کے اہم ذرائع کون سے تھے؟

سوال نمبر:2 درست جواب کا انتخاب کریں۔

(i) مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ (آیت ہے۔حدیث ہے۔مقولہ ہے)

(ii) عبدالمطلب حضور ﷺ کے ............................. تھے۔(دادا۔والد۔پردادا)

(iii) حضرت زبیر بن عبدالمطلب حضور ﷺ کے ................. تھے۔(ماموں۔بھائی۔چچا)

(iv) جیرش ............................. کا تجارتی مرکز تھا۔(بحرین۔یمن۔شام)

# 5- نبوی معاشی تعلیمات

نبوی معاشی تعلیمات کے مطالعے سے قبل یہ امر پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے کہ اسلام زندگی کا ایک متوازن تصور پیش کرتا ہے۔ اس میں نہ تو ترکِ دُنیا کی تعلیم دی گئی ہے اور نہ محض دُنیاداری سکھائی ہے آپ ﷺ کا فرمان ہے:

''میرا اور دُنیا کا کیا تعلق، ہاں محض اس قدر، جیسے کوئی مسافر تھوڑی دیر درخت کے سائے تلے ٹھہر جاتا ہے اور پھر اسے چھوڑ کر چل دیتا ہے۔''

آپ ﷺ کے اس فرمان میں زندگی کی حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے اور یہ کہ انسان کا دنیاوی زندگی کے بارے میں طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے۔ یقیناً آپ ﷺ کے فرمان سے ہم یہ مفہوم اور مقصد اخذ کر سکتے ہیں کہ انسان ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کے ساتھ ساتھ مالک کی رضا جوئی کی کوشش میں رہے۔

نبوی معاشی تعلیمات کے اہم عنوانات یہ ہیں

- کسبِ معیشت　(روزی کمانا)
- انفاق　(خرچ کرنا)
- معاشرتی واجبات
- معاشی ممنوعات

## 5.1 کسبِ معیشت (روزی کمانا)

انسان ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کے لیے روزی کماتا ہے۔ معاش کی ابتداء روزی کمانے سے ہوتی ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اسے عبادت قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

(طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ)

''اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد روزی کمانا عبادت ہے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم فجر کی نماز پڑھ لو تو سو رہنے کے بجائے روزی کمانے کی کوشش کرو۔ قرآنِ مجید میں روزی کو ''اللہ تعالیٰ کا حق'' اور ''اللہ تعالیٰ کا فضل'' کہا گیا ہے۔ فرمایا: ''کہ اللہ سے رزق مانگو''۔ پھر فرمایا ( وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ) ''کہ اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو۔''

## 5.2 رزقِ حلال کی ترغیب

روزی کمانے کے سلسلے میں رزق حلال کی تاکید کی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''وہ شخص کتنا اچھا ہے جس کا رزق پاک ہے۔''

قرآنِ مجید نے روزی کمانے کے لیے ''حلال وطیب'' کی شرط لگائی ہے اور حرام اور ناپاک روزی کمانے سے منع کیا ہے حلال وطیب کی اہمیت ان الفاظ میں ملاحظہ ہو۔ فرمایا: ''کہ جو رزق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ( حلال وطیب ) ملتا ہے وہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہوتا ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

> ''جو شخص حرام مال جمع کرتا ہے وہ خوش نہ ہو، اگر وہ اس سے خیرات بھی کرے گا تو ہرگز قبول نہ کی جائے گی اور جو باقی رہے گا وہ جہنم کے لیے زادِ راہ ہوگا۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''مال حرام سے پرورش پانے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔''

## 5.3 رازقِ مطلق پر یقین

قرآنِ مجید اور احادیث مبارکہ میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد روزی رساں ہے رسولِ اکرم ﷺ نے بلال بن رباح کو مخاطب کر کے فرمایا:

> ''اے بلال ؓ! تنگدستی کا خوف نہ کرو، خرچ کرو، دینے والا زمین و آسمان اور عرش کا مالک ہے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''کہ میں تو سنبھالنے اور تقسیم کرنے والا ہوں۔ دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔''

قرآنِ مجید کا مطالعہ کیا جائے تو یہ امر واضح ہوتا ہے کہ تمام ذی روح مخلوق کی معاشی کفالت اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:(وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا)

''کہ زمین میں جو بھی زندہ مخلوق ہے، اس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے'' وہ بہت قوت والا ہے، وسعت والا ہے اس لیے وہ رزاقِ مطلق ہے۔

قرآنِ مجید نے سوال کیا:

﴿ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ ﴾

''کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ہے جو زمین و آسمان سے رزق مہیا کرتا ہے۔''

روزی کمانا جہاں وسائل معاش پر منحصر ہے وہاں یہ مشیت ایزدی یعنی قوانین الٰہی کے تابع ہے جو قومیں ان قوانین سے انحراف کرتی ہیں، وہ نہ صرف خوشحالی کی نعمت سے محروم ہو جاتی ہیں بلکہ ذرائع معاش کی کمیابی ان کی ہلاکت کا باعث بنتی ہے۔فرمایا:

''کتنی بستیاں تھیں (نافرمانی کی وجہ سے) ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔وہ اپنی روزی کے ذرائع پر بڑی نازاں تھیں۔''

حاکم وقت زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب ہوتا ہے۔اس لیے یہ اس کی منصبی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی مملکت کے ہر شہری کے لیے معاش بہم پہنچائے اور جو لوگ کسی وجہ سے کمانے کے لائق نہ ہوں انہیں بنیادی ضروریات زندگی فراہم کرے۔

## 5.4 محنت کی عظمت

روزی محنت کے بغیر ممکن نہیں۔محنت سے روزی کمانا بہت بڑی نعمت ہے اور معاشی خوشحالی کا باعث ہے۔ آپ ﷺ کی پوری زندگی محنت سے عبارت ہے۔ایک مرتبہ ایک صحابی کے ہاتھ مسلسل محنت کرنے سے سخت ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں چوما اور فرمایا ''یہی محنتی ہاتھ تو ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو پسند ہیں۔''

آپ ﷺ نے محنت کی کمائی کی تعریف کی کہ اس سے بہتر کھانا کوئی نہیں ہے آپ ﷺ نے انبیائے کرام ؑ کی

محنتوں کو بطور مثال پیش کیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے۔ آدم علیہ السلام کاشت کاری کرتے تھے۔ نوح علیہ السلام بڑھئی تھے اور موسیٰ علیہ السلام نے بکریاں چرائیں۔ خود رسول اکرم ﷺ نے بکریاں چرائیں اور تجارت فرمائی۔

محنت موجودہ دور میں ایک معاشی عامل ہے جس کی عرق ریزی پر پوری دُنیا کی سرمایہ کاری اور پیداوار کا انحصار ہے رسول اکرم ﷺ نے اس کی اہمیت اور اس کے ساتھ کی جانے والی زیادتیوں کو روکنے کے لیے یوں ارشاد فرمایا:

''محنت کرنے والے کو پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی اُجرت دے دی جائے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں قیامت کے دن اس شخص سے جھگڑا کروں گا جو کسی شخص کو اُجرت پر کام پر لگاتا ہے اور جب مزدور کام پورا کرتا ہے تو وہ اس کی مقررہ مزدوری ادا نہیں کرتا۔''

## 5.5 حق معیشت میں مساوات اور درجات معیشت میں تفاوت

معاشی تعلیمات کی رو سے روزی کمانے میں برابری اور مساوات کو تسلیم کیا گیا ہے جب کہ معاشی حالت اور کیفیت میں مختلف درجے ہیں۔

(ا) رزق کمانے کے حق میں سب برابر ہیں۔ یوں کہہ سکتے ہیں کہ کسب معاش میں اسلام مساوات چاہتا ہے اس لیے کائنات کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اس نے انسانوں کے فائدے کے لیے زمین و آسمان میں سب نعمتیں عام کر دی ہیں۔ فرمایا:

﴿فَامۡشُوا فِی مَنَاکِبِهَا وَ کُلُوا مِنۡ رِّزۡقِهٖ﴾

''کہ تم زمین کی پہنائیوں میں چلو اور اپنا رزق حاصل کرو۔''

سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ:

(طَلَبُ الۡحَلَالِ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُسۡلِمٍ) ''حلال کھانا ہر مسلمان پر ضروری ہے''

روزی کمانے کا حق سب کے لیے اسی طرح برابر ہے جس طرح سب انسان محترم ہیں ہر انسان جینے کا حق رکھتا ہے، سانس لینا، روشنی سے فائدہ اُٹھانا، علم حاصل کرنا اور اسی طرح وہ ساری بنیادی سہولتیں ہیں جن میں سارے انسان

برابری کی بنیاد پر شریک ہیں روزی کمانا بھی اسی طرح کا ایک بنیادی حق ہے اور اس میں سارے انسان شریک ہیں۔

(ب) معاشی حالت، کیفیت و درجے میں تفاوت ایک فطری امر ہے عملی طور پر یہ بات ممکن نہیں کہ سب انسان اہل و نااہل، ماہر اور مبتدی، یکساں معاشی حیثیت کے مالک ہوں، ارشادِ ربانی ہے:

﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ﴾

''وہ ذات جس نے تمہیں زمین میں نائب بنایا اور تمہیں ایک دوسرے پر درجات میں برتری دی''

درجات میں کمی بیشی ایک آزمائش ہے اور یہ کہ دولت کی زیادتی فخر و غرور کا باعث نہیں ہونا چاہیے کیونکہ دولت تو اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، انفرادی ملکیت کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کا استفادہ عام ہونا چاہیے کیونکہ ہر ایک شخص کی دولت میں دوسروں کا حصہ بطور اجتماعی حقوق کے شامل ہے۔

# 6- انفاق (خرچ کرنا)

خرچ کرنا انسانی ضرورت بھی ہے، ضرورت کی تکمیل کا ذریعہ بھی اور یہ انسان کی عادت کا حصہ بھی ہے۔ خرچ دو طرح کے ہوتے ہیں انفرادی اور اجتماعی۔ یعنی اپنی ذات اور ضروریات کے لیے خرچ کرنا اور دوسروں پر ان کی ضروریات پر صرف کرنا۔ نبوی ﷺ معاشی تعلیمات خرچ کرنے کے سلسلے میں ہماری جو راہنمائی کرتی ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

## 6.1 میانہ روی

ذاتی خرچ کے سلسلے میں اسلام نے میانہ روی کا حکم دیا ہے اور اسے معیشت کی کامیابی بتایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا (مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ) ''جس نے خرچ میں میانہ روی اختیار کی، وہ تنگدست نہیں ہوا۔'' قرآنِ مجید نے رحمٰن کے بندوں کی صفات میں سے ایک صفت یہ بتائی ہے کہ وہ خرچ میں میانہ روی اختیار کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کے دانا ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ اپنے خرچ میں میانہ رو ہو۔

خرچ میں میانہ روی برقرار رکھنے کے لیے دو (2) چیزوں کو اختیار کرنا لازمی ہے، یعنی قناعت اور سادگی۔ قناعت کے معنی ہیں ''تھوڑی چیز پر خوش رہنا اور جو مل جائے اس پر راضی رہنا''۔ سادگی بے تکلفی کا نام ہے۔ ہر بناوٹ سے بے نیاز رہنا سادگی ہے۔

## 6.2 سخاوت وفیاضی

سخاوت و فیاضی ایسے اخلاق کریمانہ ہیں کہ جنہیں دُنیا کے سب خوش بخت اور ذی حیثیت افراد اپنے لیے وجہِ امتیاز بناتے ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ کے بارے میں حضرت ابن عباس ؓ کا فرمان ہے کہ ''آپ ﷺ تیز وتند ہواؤں سے بھی زیادہ سخی و فیاض تھے''۔ ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی ؓ اور دیگر صحابۂ کرام ؓ نے سخاوت و فیاضی میں بے مثال روایات قائم کیں۔

## 6.3 بچت

پس انداز کرنا نبوی ﷺ معاشی تعلیمات کے منافی نہیں بلکہ عین مطابق ہے۔ حضرت کعب ؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں اپنا کُل مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کل مال سے کچھ رکھو اور کچھ خرچ کرو۔ فرمایا: کہ اپنے مال سے کچھ بچالو یہی تمہارے لیے بہتر ہوگا۔

اسی طرح ایک اور صحابی ؓ نے اپنا سب سے پسندیدہ مال صدقہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ ﷺ نے پوچھا ''کیا تمہارے رشتہ دار اور اولاد وغیرہ ہیں؟'' اس صحابی ؓ نے عرض کی ''یا رسول اللہ ﷺ ہیں'' آپ ﷺ نے فرمایا'' اسے ان کے لیے بچالو اور یہ امر بہتر ہوگا کہ تمہارے رشتہ دار تمہارے بعد اس سے فائدہ اٹھائیں بجائے اس کے کہ وہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔''

## 6.4 خرچ کے شرائط وآداب

خرچ سے مراد ''انفاق فی سبیل اللہ'' ہے یعنی ''اللہ کی راہ میں خرچ کرنا''۔ یہ ایک عنوان ہے جس کے تحت تمام دینی اور معاشرتی اور اجتماعی خرچ آجاتے ہیں۔ اسلام نے خرچ کے سلسلے میں دکھاوے کو ناپسند کیا ہے، خلوص اور نیک نیتی سے خرچ کرے جس میں کسی دوسرے پر احسان دھرنا یا تکلیف دینا مقصود نہ ہو ایسا خرچ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ خرچ رزقِ حلال سے کرنا چاہیے ناپاک رزق اللہ تعالیٰ کو قبول نہیں۔ خرچ اعلانیہ ہو یا پوشیدہ اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔

# 7- معاشرتی واجبات

اس سے مراد وہ ''معاشی تعاونات'' ہیں جن کے ذریعے سے اسلامی معاشرے کے ضرورت منداور نادار افراد کی مدد کی جا سکے۔ معاشی تعاون کے ذرائع، زکوٰۃ، صدقات، قرض، عاریت، امانت، ہبہ، میراث و وصیت ہیں۔ یہ ذرائع جہاں معاشی تعاون کا باعث ہیں اور اجتماعی ضروریات کی کفالت کرتے ہیں وہاں یہ تقسیم دولت کے عمل کو بھی جاری رکھتے ہیں۔ ذیل میں ان کا ایک اجمالی خاکہ درج کیا جاتا ہے۔

## 7.1 زکوٰۃ

زکوٰۃ دین کا رُکن ہے۔ اس کی بنیاد اس اُصول پر رکھی گئی ہے:

تُؤخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَاءِ هِمْ

''کہ یہ امیروں سے لے کر ضرورت مندوں میں بانٹی جاتی ہے۔''

قرآنِ مجید نے اس سلسلے میں آٹھ مصارف بیان کیے ہیں۔ زکوٰۃ سے معاشرتی کفالتوں کا بہتر انتظام کیا جا سکتا ہے اور اس کے معیشت پر بھی مثبت اثرات دیکھے جا سکتے ہیں نیز فرد و جماعت کی معاشی حالت بہتری کی منزل پا سکتی ہے قرآنِ مجید نے آپ ﷺ سے فرمایا:

﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا ﴾

''کہ آپ ان اموال سے زکوٰۃ قبول کیجئے انہیں اس سے پاکیزگی اور برکت حاصل ہوگی۔''

## 7.2 صدقات

زکوٰۃ کے علاوہ بھی انفاق کی چند ایسی صورتیں ہیں کہ جنہیں ہم صدقات کا نام دیتے ہیں اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام دولت مندوں سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد بھی قومی و اجتماعی انفاق کی ذمہ داریاں ادا کریں اس سلسلہ میں چند امور یہ ہیں:

صدقۂ نافلہ　:　کسی متمول فرد کا کسی ضرورت مند کی حاجت روائی کرنا۔

صدقۂ واجبہ : وہ انفاق جو واجب ہوں، جہاد یا رفاہِ عامہ کے اہم مواقع۔

صدقۂ جاریہ : جس کا ثواب جاری رہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ

" جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل بھی منقطع ہو جاتا ہے مگر ثواب تین صورتوں میں جاری رہتا ہے جس کی ایک صورت صدقہ جاریہ کی بھی ہے"۔

صدقہ جاریہ کی ایک قسم "وقف" بھی ہے۔ جیسے حضرت انس ؓ نے اپنے کھجوروں کا باغ صدقہ کرنا چاہا تو آپ ﷺ نے اسے ان کے رشتہ داروں کے حق میں وقف کر دیا۔

## 7.3 قرض

قرض انسانی ضروریات کی تکمیل کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ انفاق کی ایک صورت بھی ہے اور باہمی تعاون کا فوری طریقہ بھی ہے اسلام نے قرض کے ساتھ "حسنہ" کا اضافہ کیا ہے۔ "قرضِ حسنہ" میں ایک اخلاقی ترغیب ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قرض ادا کرنے کی قدرت کے باوجود تاخیر کرنا ظلم ہے۔ مجبوری کی صورت میں قرآنی تجویز ہے ﴿فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ﴾ "کہ آسانی تک مہلت دی جائے اور مجبور محض کو قرض معاف کر دیا جائے تو یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا۔

## 7.4 عاریت

"کسی شخص کا اپنی چیز کا فائدہ دوسرے شخص کے سپرد کرنا" معاشرتی زندگی میں ہر انسان کو بعض اشیاء کی فوری ضرورت لاحق رہتی ہے جسے وہ تنہا پورا کرنے پر قادر نہیں ہوتا یا حالات اس کی اجازت نہیں دیتے۔ ایسی صورت میں باہمی تعاون زندگی کے عمل کو آسان بنا دیتا ہے۔ قرآنِ مجید نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو فوری ضرورت کی چیزیں عاریۃً دینے سے گریز کرتے ہیں۔ ارشاد ہے۔ "وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ" اس اعتبار سے عاریت معاشی ضرورت کی تکمیل کا ایک ذریعہ ہے۔

## 7.5 ہبہ

ہبہ بھی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کا وسیلہ ہے۔ اگر کوئی مسلمان از خود خوشی سے کوئی چیز اپنے بھائی کو دے

دے تو اسے ہبہ کہتے ہیں اسے قبول کرنے میں کچھ حرج نہیں بلکہ رد کرنا نامناسب ہے اس لیے کہ یہ رزق ہے جو اللہ تعالیٰ اس بہانے بندے تک پہنچاتا ہے۔

## 7.6 امانت

امانت اگر اس اجازت یا یقین دہانی کے ساتھ رکھی جائے کہ ضرورت پڑنے پر اسے استعمال کیا جا سکے گا تو یہ چیز بھی ضرورت مند کے حق میں معاشی تعاون کا ایک ذریعہ ہے۔ اجتماعی معیشت میں امانت کی وہی حیثیت ہے جو بینک کے کاروبار کی ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ بینک سودی لین دین سے اس کے شرعی جواز کو ختم کر دیتا ہے جب کہ اسلام اسے "مالی رفاہیت" یعنی مالی بھلائی کے ضمن میں لاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "**الامانة غنی**" کہ امانت بھی ایک قسم کی مالی بھلائی کا ذریعہ ہے۔

## 7.7 میراث

یہ دولت کو معاشرے کے افراد کے درمیان رشتہ داری کی بنیاد پر منصفانہ طور پر تقسیم کرنے کا مؤثر ترین ذریعہ ہے ذیل میں اسلامی قانون وراثت کے اہم نکات درج ذیل کیے جاتے ہیں۔ ان سے اس امر کا بخوبی علم ہو جائے گا کہ اسلام دولت کی تقسیم کا کس حد تک حامی ہے اور اس سلسلے میں کی جانے والی تدبیر کس قدر مؤثر ہے:

1- قانونِ وراثت کے ماتحت آٹھ ایسے مستقل ورثاء ہیں جنہیں لازماً حصہ ملتا ہے۔

2- اس قانون کے تحت مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی شریک حصہ بنایا گیا ہے۔

3- قریبی رشتہ داروں کے علاوہ میاں بیوی بھی ایک دوسرے کے ترکے سے حصہ حاصل کرتے ہیں۔ اس سے دولت ایک برادری سے دوسری برادری میں تقسیم ہوتی ہے۔

4- یہاں ذوی الفروض (پہلے درجے کے آٹھ ورثاء) کے ساتھ عصبات (باپ کے رشتہ دار) کو بھی ترکے کا حق دار قرار دیتا ہے نیز ذوی الارحام (ماں کے رشتہ دار) کے لیے بھی گنجائش رکھی گئی ہے۔

5- لاوارث لوگوں کی میراث بیت المال میں جمع ہوتی ہے تا کہ وہ مفادِ عامہ کے لیے استعمال ہو سکے۔

## 7.8 وصیت

یہ میراث ہی کا حصہ ہے۔ مورث اپنے ترکے سے ایک تہائی کے بارے میں دو طرح کی وصیت کر سکتا ہے اسے وصیت کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور بعض صورتوں میں وصیت واجب بھی ہے:

(ا) معاشرتی ضروریات، رفاہِ عامہ اور دین کی تعلیم و تبلیغ کے لیے وصیت کرے۔

(ب) وہ رشتہ دار جنہیں قانونی طور پر حصہ نہیں ملتا، کوئی محسن یا دوست یا پڑوسی یا کوئی خادم ان سب افراد کے لیے وصیت کی جا سکتی ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ کا فرمان ہے (لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ وَلَا وَصِيَّةَ اِلَّا فِي الثُّلُثِ) قانونی وارث کے حق میں وصیت نہ ہوگی اور وصیت کل مال کے صرف تہائی حصے میں درست ہوگی۔

مندرجہ بالا بحث سے دو (2) امور ثابت ہوتے ہیں:

1- اسلام دولت کے ایک جگہ جمع نہ ہونے کی ہر ممکن تدابیر اختیار کرنے کے حق میں ہے۔

2- اسلام معاشرتی زندگی میں باہمی تعاون کا بے حد خواہاں ہے۔

# 8- معاشی ممنوعات

معاشی ممنوعات سے مراد وہ امور ہیں جن کے بارے میں اسلام نے منع کیا ہے اس میں سود کی حرمت، دولت جمع کرنا اور اشیائے صرف کا ذخیرہ کرنا، اسراف وبخل اور استحصال قابل ذکر ہیں۔ ذیل میں ہر ایک کا اجمالی تذکرہ نبوی ﷺ تعلیمات کی روشنی میں درج کیا جاتا ہے۔

## 8.1 حرمتِ سود

معیشت کو فطری تقاضوں کے مطابق استوار رکھنے کے لیے سود کو حرام قرار دینا ضروری امر ہے۔ نبوی معاشی تعلیمات میں سود کی حرمت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ سودی کاروبار قدیم زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ مصر، یونان، روم اور ہندوستان میں سود رائج تھا۔ اہل عرب سود کو خرید وفروخت کی طرح سمجھتے تھے۔ رسولِ کریم ﷺ نے حکم الٰہی کا اعلان فرمایا (اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا) ''کہ بیع (خرید وفروخت) جائز ہے اور سود حرام ہے۔''

حجۃ الوداع کے روز رسولِ کریم ﷺ نے اپنے خطبے میں ہر قسم کے سود کو باطل قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ

> ''اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ سود قطعی طور پر حرام ہے۔ تمہیں تمہاری اصل رقم ملے گی تاکہ تم پر ظلم ہو اور نہ تم دوسروں پر ظلم کرو آپ ﷺ نے اعلان کیا کہ میں اپنے چچا حضرت عباس ؓ کا سود باطل قرار دے کر اس کام کا آغاز کرتا ہوں۔''

قرآنِ مجید نے سود کو بتدریج حرام قرار دیا۔ ابتداءً یہ فرمایا کہ تجارت جائز ہے اور سود حرام ہے پھر مسلمانوں کے سامنے یہودیوں کی خرابی بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر سود کو حرام کہا لیکن وہ اس سے باز نہیں آئے پھر سود در سود کی حرمت کا حکم نازل فرمایا اور سود کی ایک قسم سے مسلمانوں کی جان چھڑائی۔ پھر ڈرایا کہ جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن شیطانی لمس سے خبطی اور بدحواس اُٹھیں گے۔ پھر نصیحت کے انداز میں سمجھایا کہ سود کی بجائے صدقات وخیرات اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں اور وہ انہیں بڑھاتا اور سود کو مٹاتا ہے۔ آخر میں یوں حکم دیا:

﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾

"اگر تم پھر بھی سود سے باز نہ آئے تو پھر اسے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی طرف سے اپنے خلاف اعلانِ جنگ سمجھو۔"

ان تدریجی احکام کی روشنی میں یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام نے کس شدت سے اس کی حرمت کو لازم رکھا ہے۔

## 8.2 دولت جمع کرنا

دولت جمع کرنے کو "اکتناز" کہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا۔ دولت کا محض جمع کرنا اور گن گن کر رکھنا مفادِ عامہ کے منافی ہے اس لیے کہ اس سے معاشی عمل کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ "اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔"

گویا خرچ نہ کرنا اور دولت کو جمع کرتے چلے جانا باعث ہلاکت ہے اس ہلاکت کو قرآن میں ایک اور مقام پر ان الفاظ میں بیان فرمایا:

"جو لوگ دولت (سونا چاندی وغیرہ) جمع کرتے رہتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کی راہ (مفادِ عامہ) میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب دیا جائے گا۔ اس دولت کو جہنم کی آگ میں گرم کر کے انہیں اس سے داغا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ وہی تو ہے جو تم دُنیا میں جمع کرتے رہے۔ اب اسے جمع کرنے کا لطف اٹھاؤ۔"

## 8.3 اشیائے صرف ذخیرہ کرنا

عام استعمال کی ضروریاتِ زندگی سے متعلق چیزوں کے ذخیرہ کو "احتکار" کہتے ہیں۔ نبی ﷺ نے مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو اشیاء صرف کی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے وہ گنہگار ہے ایک اور جگہ آپ ﷺ نے شدید مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے۔ اشیائے صرف ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کا ذریعہ ہیں۔ یہ بات ہر اعتبار سے بری ہے کہ ایک شخص اپنے اختیار کو استعمال کرنے یا اپنے مفاد کی خاطر انسانوں کو پریشانی بھوک حتیٰ کہ موت کے منہ میں دھکیل دے۔

## 8.4 بُخل

دولت خرچ نہ کرنے کا نام "بخل" ہے یہ ایک اخلاقی برائی ہے قرآنِ مجید نے فرمایا:

﴿ وَاَمَّا مَنۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ﴾

"ہاں بخیل جو بے پروائی برتتا ہے اور نیکی کو جھٹلاتا ہے، ہم آہستہ آہستہ اسے مشکلات سے دوچار کردیں گے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ایک دل میں بخل اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے۔" آپ ﷺ نے بخل سے پناہ مانگی ہے۔

## 8.5 اسراف

ضرورت سے زائد خرچ کرنا اسے عام مفہوم میں "فضول خرچی" بھی کہتے ہیں۔ اسراف معاشرتی واجبات کے لیے بے حد نقصان دہ ہے کیونکہ اس میں ایک شخص موقع اور ضرورت کی مناسبت کا خیال رکھے بغیر خرچ کرتا ہے۔ اس سے اس کی انا کی تسکین ہوتی ہے یا فضول کاموں کی تکمیل مگر اس سے وہ امور رہ جاتے ہیں جن کی ادائیگی اس پر واجب و لازم تھی۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں اسراف کو تمدن کی تباہی کا باعث قرار دیا ہے۔

ناجائز کاموں پر صرف کرنا، جائز کاموں پر خرچ کرتے ہوئے حدِ اعتدال سے تجاوز کرنا یا نیکی کے کاموں پر خرچ کرتے ہوئے ریاکاری اور نمائش پیش نظر رکھنا یہ سب اسراف میں شامل ہے۔

قرآنِ مجید نے کھانے پینے کے معاملے میں فضول خرچی سے منع کیا ہے۔ آپ ﷺ نے وضو اور غسل کے سلسلے میں پانی کے زائد استعمال سے روکا ہے پھر یہ بات کس طرح درست ہوسکتی ہے کہ معاشرے کے چند افراد تمام دولت کے مالک بن جائیں، ضروریاتِ زندگی کی بجائے عیش و آرام پر بے دریغ خرچ کریں اور سرور و تفریح پر روپیہ برباد کریں۔ قرآنِ مجید نے اس طرح کے لوگوں کو شیطان کا بھائی کہا ہے:

﴿ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ﴾

"فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔"

یہاں لفظ "مبذرین" آیا ہے۔ تبذیر اپنے مفہوم میں تھوڑے بہت فرق کے ساتھ فضول خرچی کے معنی ہی میں استعمال ہوتا ہے۔

## 8.6 استحصال

اس سے مراد "مجبوری سے فائدہ اٹھانا یا زبردستی کرنا ہے"، معاشی عمل میں مزدور لازمی مگر کمزور عاملِ پیدائش ہے۔ یہ مجبور، سائل اور ضرورت مند ہوتا ہے اس لیے آجر یا سرمایہ دار من مانی کرتا ہے اور مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اُجرت کم طے کرتا ہے۔ کام زیادہ لیتا ہے اور اُجرت کی ادائیگی میں تاخیر کرتا ہے، زچ کرتا ہے اور تعاون کا روادار نہیں ہوتا۔

رسولِ اکرم ﷺ نے مزدور کے حقوق کو تحفظ دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

"میں قیامت کے دن اس شخص سے جھگڑا کروں گا جو ایک شخص کو کام پر لگاتا ہے، پھر جب وہ اپنا کام پورا کر لیتا ہے تو اس کو اُجرت پوری نہیں دیتا۔"

آپ ﷺ نے فرمایا کہ

"مزدور سے مزدوری اس کی استطاعت کے مطابق لی جائے، اتنی مشقت نہ لی جائے کہ اس کی صحت کو نقصان پہنچے کیونکہ یہ بھی استحصال ہے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا کہ مزدور سے پہلے اُجرت طے کر لی جائے اور پھر اسے کام پر لگایا جائے ورنہ بدمعاملگی اور ظلم کا اندیشہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب مزدور کام ختم کر لے اور اس کا کام حسب معاہدہ ہو۔ تو اس کی اُجرت اسے پریشان کیے بغیر ادا کر دی جائے۔ آپ ﷺ کے الفاظ مزدور کے لیے سرمایہ زندگی ہیں۔ "پسینہ خشک ہونے سے بھی پہلے اس کی مزدوری ادا کر دی جائے۔"

یہاں یہ امر پیش نظر رہے کہ اسلام نے مزدور کو بھی اس امر کی تائید کی ہے کہ وہ کام نیک نیتی، محنت اور امانت سمجھ کر کرے اور صرف اسی صورت میں وہ رزق حلال حاصل کر سکے گا۔

آجر اور اجیر دو (2) معاشی عامل ہیں۔ استحصال کسی جانب سے ہو دونوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ اس سے معیشت اور معاشی عمل شدید طور پر متاثر ہوتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ یہ دونوں تعاون اور باہمی اشتراک سے معاشی عمل کو کامیاب بنائیں۔

## 8.7 اہم نکات

نبوی ﷺ معاشی تعلیمات سے ہمیں یہ امور معلوم ہوتے ہیں:

- روزی کمانا عبادت ہے۔
- خرچ میں میانہ روی معاشی کامیابی کا باعث ہے۔
- معاشرتی واجبات کی ادائیگی حسنِ معیشت ہے۔
- معاشی ممنوعات سے بچنا معاشی عمل میں خیر و برکت کا باعث ہے۔

## خود آزمائی نمبر 2

مندرجہ ذیل سوالوں کے جواب تحریر کریں:

1- فجر کی نماز کے بعد سوئے رہنا کیسا ہے؟

2- مالِ حرام پر پرورش پانے والے کی کیا سزا ہے؟

3- محنت کی عظمت سے متعلق ایک حدیث مع ترجمہ لکھیں:

4- حسنِ معیشت میں مساوات اور درجاتِ معیشت میں تفاوت سے کیا مراد ہے؟

5- ''فقر کا خوف شیطانی وسوسہ ہے'' اس سے متعلق آیت لکھیے:

6- زکوٰۃ کی بنیاد کس اصول پر ہے؟

7- صدقہ جاریہ کسے کہتے ہیں؟

8- قرض دار اگر قرض ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کے ساتھ کس رعایت کا حکم ہے؟

9- عاریت کسے کہتے ہیں؟

10- ترجمہ کریں: ''وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ''

11- تدریج سے کیا مراد ہے؟

12- ''اکتناز'' اور ''احتکار'' میں کیا فرق ہے؟

13- بخل اور اسراف کا فرق بتائیں۔

14- استحصال کسے کہتے ہیں؟

15- آجر اور اجیر کا کیا معنی ہے؟

# 9- جوابات

## خود آزمائی نمبر 1-

سوال نمبر:1

1- زندگی

2- میانہ روی

3- وسائل دولت کی غیر منصفانہ تقسیم

4- دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دینا

5- تجارت

6- 100 (ایک سو)

7- 5 اونٹ، بکریوں کا ریوڑ، ایک لونڈی

8- بکریاں چرائیں۔

9- آپ ﷺ کی عمر جب بارہ (12) سال تھی۔

10- میسرہ

11- شام، فلسطین، بحرین، عمان وغیرہ

12- حضرت علی کو اپنی کفالت میں لے لیا اور حضرت جعفر کو حضرت عباس ؓ کی کفالت میں دے دیا۔

13- (i) بلال بن رباح (ii) عامر بن فہیرہ (iii) لبینہ

(iv) زنیرہ (v) نہدیہ (vi) ام عمیس

14- 40 بکریاں اور سامان سے لدا ہوا، 1 اونٹ۔

15- شعب ابی طالب

16- آپ ﷺ نے قحط زدہ افراد کے لیے 500 اشرفیاں اور کافی مقدار میں کھجوریں بھیجیں

17- ان کے لیے بقیع الغرقد میں خیمے لگا دیئے گئے۔

18- بیئر رومہ۔ بیس ہزار درہم

19- مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ

20- غریب اور نادار مسلمان جن کا کوئی گھر بار نہیں تھا، ہمہ وقت مسجدِ نبوی ﷺ میں رہ کر تعلیم حاصل کرتے تھے۔

21- خمس، ہدیے اور تحائف وغیرہ۔

سوال نمبر:2 درست جواب کا انتخاب

(i) حدیث (ii) دادا (iii) چچا (iv) یمن

## خود آزمائی نمبر 2

1- ممنوع ہے۔ فجر کی نماز کے بعد اپنی معاشی ضرورتوں کے لیے مصروف ہو جانا چاہیے۔

2- جہنم۔

3- تلک ید یحبها اللّٰہ ورسولہ۔

"یہ محنت کش ہاتھ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو محبوب ہیں۔"

4- دیکھیے :5.5

5- الشَّیطان یَعِدُکُمُ الفَقر۔

6- تُؤخَذُ مِنَ اَغنِیَائِهِم فَتُردُّ اِلٰی فُقَرائِهِمُ کے اُصول پر۔

7- ایسا صدقہ جو انسان کی موت کے بعد بھی جاری رہے۔ اس کا ثواب اس وقت تک ملتا رہتا ہے جب تک کہ لوگ اس سے استفادہ کرتے رہیں مثلاً کسی کو تعلیم دینا، راستہ بنانا، وقف کرنا، وغیرہ۔

8- قرآنِ کریم کا حکم ہے ''اگر قرض دار تنگ دست ہو تو اسے خوش حالی تک مہلت دو اور اگر قرض معاف کر دو تو اور بھی بہتر ہے۔

9- کسی شخص کو عارضی طور پر کوئی چیز استعمال کے لیے بلا معاوضہ دے دینا۔

10- ''اور وہ عام ضرورت کی چیزیں روکتے ہیں۔''

11- مرحلہ وار، درجہ بدرجہ کوئی حکم نازل ہونا۔

12- اکتناز : سرمایہ روپے پیسے جمع کرنا اور انہیں گردش میں نہ لانا۔

احتکار : اشیائے صرف کی ذخیرہ اندوزی۔

13- بخل : ضرورت کے باوجود دولت ہوتے ہوئے خرچ نہ کرنا۔

اسراف : بے جا خرچ کرنا۔

14- کسی کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اُٹھانا۔

15- آجر : اُجرت پر کام کرانے والا۔

اجیر : اُجرت پر کام کرنے والا مزدور۔

یونٹ نمبر.......9

# رسول اللہ ﷺ بحیثیت رَحمۃٌ لِلعٰلَمِیۡن وَمُعَلِّم اَخلاق

تحریر : پروفیسر ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی
محمد رفیق صادق
نظر ثانی: ڈاکٹر شاہ معین الدین ہاشمی

# فہرستِ مضامین



| عنوان | صفحہ نمبر |
|---|---|
| ○ یونٹ کا تعارف | 379 |
| ○ یونٹ کے مقاصد | 380 |
| -1 کائنات کے لئے رحمت کا نزول | 381 |
| -1.1 رحمت کا مفہوم | 381 |
| -1.2 رحمت عامہ کی ضرورت | 381 |
| 2 - رسول اللہ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کے مظاہر | 383 |
| -2.1 وحدتِ فکر انسانی | 383 |
| -2.2 وحدتِ نسلِ انسانی | 384 |
| 2.3 - شرفِ انسانیت | 386 |
| -2.4 مایوسی کا خاتمہ | 388 |
| -2.5 اشاعت علم | 389 |
| 2.6 - معاشی استحصال کا خاتمہ | 391 |
| -2.7 منزل کا تعین | 392 |
| خودآزمائی نمبر1 | 394 |
| -3 رحمتِ مجسم | 396 |
| -3.1 صحابہ کی گرویدگی کا سبب | 396 |
| -3.2 رحمتِ عامہ کے مظاہر | 397 |
| -3.3 بچوں پر شفقت | 397 |

| | |
|---|---|
| 3.4- غلاموں اور باندیوں کے لیے رحمت | 398 |
| 3.5 - عورتوں کے لیے رحمت | 399 |
| 4 - دشمنوں کے لیے رحمت | 400 |
| 4.1- دشمن کے معاملے میں بھی حق وانصاف | 401 |
| 5 - حیوانات پر رحم | 401 |
| خودآزمائی نمبر 2 | 403 |
| 6 - اخلاق اور معلم اخلاق | 404 |
| 6.1- اخلاق کا مفہوم | 404 |
| 6.2- انسانیت کا امتیاز | 404 |
| 6.3- اخلاق کی اہمیت | 405 |
| 6.4- معلم اخلاق کا مفہوم | 406 |
| 6.5- اخلاق کی اقسام | 406 |
| 7 - تعلیم اخلاق کی عملی تربیت | 408 |
| 7.1- عملی نمونہ پیش کرنا | 408 |
| 7.2- سختی اور نرمی کا برمحل استعمال | 408 |
| 7.3- اخلاق حسنہ پر بیعت | 409 |
| 8 - رسول اللہﷺ کی اخلاقی تعلیم کا عملی پہلو | 410 |
| 8.1- جاہلی معاشرے میں اخلاق مجسم | 410 |
| 8.2- خودآزمائی نمبر 3 | 411 |
| 9 - رسول اللہﷺ کے شخصی اوصاف | 412 |

| | |
|---|---|
| 9.1- عزم واستقلال | 412 |
| 9.2- عدل وانصاف | 413 |
| 9.3- شجاعت وبہادری | 414 |
| 9.4- سخاوت وفیاضی | 415 |
| 9.5- تواضع | 416 |
| 9.6- زہد وقناعت | 417 |
| 9.7- عفت وپاکدامنی | 417 |
| 10- رسول اللہ ﷺ کے معاشرتی اوصاف | 418 |
| 10.1- خیرخواہی | 418 |
| 10.2- حلم وبردباری | 419 |
| 10.3- عفوودرگزر | 419 |
| 10.4- دوسروں کے متعلق حسن ظن | 419 |
| 10.5- عہد کی پابندی | 420 |
| 10.6- صدق | 420 |
| 10.7- امانت ودیانت | 421 |
| خودآزمائی نمبر4 | 422 |
| 11 - جوابات | 423 |

# یونٹ کا تعارف

رحمت وشفقت اور مکارم اخلاق نبی کریم ﷺ کی یہ وہ خاص صفات ہیں جو قرآن کریم نے بار بار اور مختلف پیرایوں میں بیان کی ہیں۔ آپ ﷺ میں رحم اور شفقت کا جذبہ اس قدر تھا کہ آپ ﷺ نے زندگی بھر اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام نہیں لیا بلکہ وہ لوگ جنہوں نے اپنی جان، مال، وقت، قوت وطاقت اور بدنی وذہنی تمام صلاحیتیں آپ ﷺ کے خلاف محاذ آرائی میں وقف کر دی تھیں، جب نادم ہو کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے انہیں بلا امتیاز معاف کر دیا۔ اور جو ابھی تک کفر وشرک اور اپنی بداعمالیوں پر قائم تھے ان کی ہدایت کی آپ ﷺ کو اس قدر فکر تھی کہ قرآن حکیم کو بار بار کہنا پڑا کہ آپ ﷺ ان کے ایمان نہ لانے پر اس حد تک افسوس نہ کریں کہ آپ ﷺ کی جان ہی اس صدمے سے جاتی رہے۔ آپ ﷺ دن بھر خلق خدا کی ہدایت، تعلیم اور تزکیہ میں مصروف رہتے اور رات بھر اپنی امت کی بھلائی اور نجات و فلاح کے لئے دعائیں مانگتے تھے۔

آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا کوئی لمحہ اور زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں تھا جس میں آپ ﷺ کی ذات کائنات کے لئے بالعموم اور انسانوں کے لئے بالخصوص رحمت مجسم کے طور پر جلوہ گر نہ ہو۔ اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین اور صاحب "خلق عظیم" کے لقب سے سرفراز فرمایا۔

اس یونٹ میں آپ حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے رحمۃ للعالمینی اور اخلاقی پہلو کا مطالعہ کریں گے لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی اور مکارم اخلاق کا یہ مختصر، مجمل اور نامکمل تعارف ہے، کیونکہ حیات طیبہ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی اور مکارم اخلاق کا عکس نہ ہو اس لئے دوسرے یونٹوں کے مطالعے کے دوران بھی اس بات کو ضرور پیش نظر رکھیں، آپ کو سیرت کے ایک ایک واقعے اور آنحضرت ﷺ کے ہر ایک ارشاد میں آپ ﷺ کی رحمت وشفقت اور اخلاق کریمانہ کی جھلک نظر آئے گی۔

# یونٹ کے مقاصد

ہمیں اُمید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1 - رحمت کا مفہوم اور رحمۃ للعالمین کے معانی بیان کر سکیں۔

2 - آنحضرت ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کے بڑے بڑے مظاہر مثلاً:

وحدتِ فکر، وحدتِ نسلِ انسانی، شرف انسانیت، دین و دنیا کی وحدت، مایوسی کے خاتمے، اشاعتِ علم، معاشی استحصال کے خاتمے اور منزل کے تعین پر روشنی ڈال سکیں اور انسانی معاشرے پر ان مظاہر کے جو اثرات مرتب ہوئے ہیں، انہیں اپنے الفاظ میں قلمبند کر سکیں۔

3 - عام زندگی میں حضور ﷺ جس حسنِ خلق، شفقت اور رحمت کا برتاؤ بلا امتیاز ہر فرد سے فرمایا کرتے تھے اور جس کی وجہ سے معاشرے کا ہر طبقہ آپ ﷺ کا گرویدہ تھا، اس پر تبصرہ کر سکیں۔

4 - دشمنوں کے لئے آپ ﷺ کی رحمت اور حق و انصاف کے تقاضے پورا کرنے کی ہدایات پر عمل پیرا ہو سکیں۔

5 - حیوانات پر آپ ﷺ کی رحمت کے واقعات بیان کر کے ان بے زبانوں کو ظلم و ستم سے بچا سکیں۔

6 - اخلاق اور معلم اخلاق کا مفہوم بیان کر سکیں اور اس کی اقسام واضح کر سکیں۔

7 - اخلاق کی اہمیت اور فضیلت پر روشنی ڈال سکیں۔

8 - رسول اللہ ﷺ کی اخلاقی تربیت کے چند عملی نمونے پیش کر سکیں۔

9 - رسول اکرم ﷺ کے سات اعلیٰ شخصی اوصاف کا مختصر تعارف کرا سکیں۔

10 - حسن معاشرت میں آنحضرت ﷺ نے جو نمونہ قائم فرمایا ہے، اس پر عمل پیرا ہو کر اپنے آپ کو بہترین اخلاق سے متصف اور مزین کر سکیں۔

# 1- کائنات کے لئے رحمت کا نزول

قرآن حکیم میں جس طرح اللہ تعالیٰ کے بہت سے صفاتی نام ہیں جیسے الرحمن، الرّحیم وغیرہ اسی طرح رسول اکرم ﷺ کے بھی کئی صفاتی نام ہیں۔ ان میں سے دو صفاتی نام ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بھی استعمال کئے ہیں اور اپنے رسول ﷺ کے لئے بھی اور وہ نام ہیں:

(1) رؤوف (2) رحیم

ان دونوں ناموں میں رحمت اور شفقت کا اظہار ہے جو نبی اکرم ﷺ میں بے پایاں موجود تھی بلکہ رب العالمین نے آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین کے لقب سے نواز کر یہ ارشاد فرمایا کہ جس طرح اللہ کی ربوبیت عام ہے، اسی طرح رسول اکرم ﷺ کی رحمت و شفقت عام ہے، جس طرح کائنات کی کوئی شے اللہ کی ربوبیت سے مستغنی نہیں ہے، اسی طرح آپ ﷺ کی رحمت سے بھی بے نیاز نہیں ہو سکتی۔

## 1.1۔ رحمت کا مفہوم

ارشاد ربانی ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (الانبیاء:107)

''ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے سراپا رحمت بنا کر بھیجا۔''

اس آیتِ مبارکہ کی رو سے سرورِ کائنات ﷺ کو تمام کائنات کے لئے سراپا رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ''رحمت ایسی رقت اور نرمی کو کہتے ہیں جس سے کسی دوسرے کے لئے احسان اور شفقت ارادتاً جوش میں آئے''۔ پس رحمت میں محبت و شفقت، فضل و احسان سب کا مفہوم داخل ہے۔ عالم سے مراد ہر وجود پزیر شے کا ایک طبقہ ہے۔ اس طرح اس کائنات میں کئی عالم ہیں اور آپ ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ کائنات کے ہر طبقے کے لئے رحمت ہیں۔ گویا آپ ﷺ کی رحمت، محبت و شفقت اور فضل و احسان کائنات کی ہر شے پر محیط ہے۔

## 1.2۔ رحمت عامہ کی ضرورت

آفتابِ نبوت جب غارِ حرا سے طلوع ہوا تو اس وقت پورا روئے زمین کفر و شرک اور ظلم و عداوت سے بھر چکا

تھا۔ کہیں پتھروں اور درختوں کی پوجا ہوتی اور کہیں سورج، چاند اور ستاروں کی پرستش کی جاتی۔ کہیں بادشاہوں کو سجدے کیے جاتے اور کہیں جانوروں سے مرادیں مانگی جاتی تھیں۔ اخلاقی جرائم انتہا کو پہنچے ہوئے تھے، شراب نوشی، قمار بازی، عیش پرستی، ہوس رانی، حقوق کی پامالی، ظلم و استبداد، معاشی استحصال، جابر اور ظالم حکومتوں کے غیر منصفانہ قوانین نے انسان کو تباہی کے گڑھے پر لا کھڑا کیا تھا۔ انسان اپنی جھوٹی اناء کی خاطر نوزائیدہ بچیوں کو ہی زندہ درگور نہیں کرتے تھے بلکہ پوری نسل انسانی خود کو زندہ دفن کرنا چاہتی تھی۔ قرآن حکیم نے اس دور کی انتہائی بلیغ انداز میں تصویر کشی کی ہے۔

﴿وَكُنتُمۡ عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ﴾ (آل عمران:103)

"تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر پہنچ چکے تھے۔"

سورۃ الروم میں فرمایا:

﴿ظَهَرَ الۡفَسَادُ فِى الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ بِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِى النَّاسِ﴾ (الروم:41)

"لوگوں کی بداعمالیوں کے باعث خشکی اور سمندر میں ہر طرف فساد پھیل چکا۔"

انسان اس وقت دنیا میں جہاں کہیں بھی آباد تھا، خواہ وہ روم میں تھا یا ایران میں، چین میں تھا یا مصر میں، اس نے اپنے تمدن کو اس حد تک بگاڑ دیا تھا کہ انسان کو زمین پر باقی رکھنے کی کوئی افادیت نہیں رہی تھی۔ انسان اپنی سفلی خواہشات اور نفس کے حیوانی تقاضوں کی تکمیل کے سوا ہر مقصد اور ہر حقیقت کو فراموش کر چکا تھا۔ یہ وہ دور تھا جب پوری انسانیت خودکشی کے راستے پر تیزی سے گامزن تھی۔ انسان نہ صرف اپنے خالق و مالک کو بلکہ اپنے آپ کو اپنے مستقبل اور انجام کو بھی فراموش کر چکا تھا۔ بڑے بڑے ممالک میں کوئی شخص ایسا نظر نہ آتا تھا جس کو دین کی فکر ہو، جو خدائے واحد کی پرستش کرتا ہو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو، جس کا دل انسانوں کی خیر خواہی کے جذبے سے بھرا ہو، جس کے دماغ میں انسانوں کی فلاح اور نجات کا خیال ہو، جسے اس دنیا کے تاریک اور ہولناک انجام کی فکر ہو۔ یہ وہ حالات تھے جن میں عرب کی بے آب و گیاہ سرزمین پر رحمۃ للعالمینؐ کو نبوت و رسالت دے کر بھیجا گیا تاکہ صرف عرب ہی نہیں بلکہ پورے عالم انسانیت اور تمام کائنات کو خدا کی رحمت کے سائبان تلے کھینچ لائیں۔

# 2- رسول اللہ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کے مظاہر

## 2.1 وحدت فکرِ انسانی اور عقیدۂ توحید

رسول اللہ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کا سب سے بڑا مظہر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے عقیدۂ توحید کی طرف دعوت دے کر نسلِ انسانی کی فکر کو وحدت عنایت فرمائی جو انسانیت پر رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا احسان ہے۔

وہ انسان جو بے حس و حرکت چیزوں کے سامنے جھکتا تھا، ان سے ڈرتا اور ان کی خوشامد کرتا تھا، جو پہاڑوں، درختوں، جانوروں، ارواح و شیاطین اور مظاہر قدرت کے سامنے سجدہ ریز ہوتا تھا۔ اس کی پوری زندگی انہیں چیزوں سے خوف اور امید میں بسر ہو جاتی جس کے نتیجے میں بزدلی، توہم پرستی اور بے اعتمادی پیدا ہوتی، اسے آپ ﷺ نے لا الہ الا اللہ کا زندگی بخش عقیدہ دیا جس سے وہ ایک اللہ کے سوا (جو خالق کائنات ہے)، ہر چیز سے بے خوف ہو گیا، اس میں نئی ہمت، نیا حوصلہ اور نیا ولولہ پیدا ہوا۔ کل تک جن چیزوں کو معبود سمجھ کر وہ ان سے خوف کھاتا تھا، انہیں اپنا غلام اور مطیع سمجھنے لگا۔ ہر قسم کی غلامی سے نجات حاصل کر کے صرف ایک اللہ کا غلام اور باقی کائنات کا حاکم اور سردار بن گیا۔ اس کا لازمی نتیجہ انسانی عظمت اور شرف کا قیام تھا جس سے پوری دُنیا محروم ہو چکی تھی۔

؎ وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

### 2.1.1 عقیدۂ توحید کے اثرات

آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کا یہ فیضان ہے کہ آپ ﷺ نے انسانیت کو ایک ایسے انقلاب آفرین عقیدے سے آشنا کیا جس سے انسانوں کی ذات، انفرادی اور اجتماعی زندگی ہر پہلو سے متاثر ہوئی۔ انسانی زندگی پر عقیدۂ توحید کے اثرات جن خاص پہلوؤں پر نمایاں ہوئے ہیں وہ یہ ہیں۔

(1) عزت نفس: عقیدۂ توحید نے انسان کو عزت اور شرف سے نوازا اور اسے اللہ کے سوا کسی دوسرے کے سامنے جھکنے کی ذلت سے محفوظ کر دیا۔

(2) تواضع: عقیدۂ توحید کے نتیجے میں انسان اپنی ذات کو اللہ کے سامنے بے بس سمجھتا ہے اور اس کی طبیعت

اور مزاج میں عاجزی، انکساری اور تواضع کی صفات پیدا ہوتی ہیں۔

(3) وسعت نظر: عقیدۂ توحید کا پرستار رب العالمین پر ایمان رکھتا ہے اس لئے اس کی نگاہ ''عالمین'' یعنی سب جہانوں پر ہوتی ہے۔ وہ نسلی، خاندانی، علاقائی، لسانی اور مادی تنگ نظریوں سے بلند و بالا ہو کر ساری مخلوق کی بھلائی کو اپنا نصب العین بناتا ہے۔

(4) بہادری: عقیدۂ توحید انسان میں بے خوفی اور جرأت واستقامت پیدا کرتا ہے۔

## سرگرمی

عقیدۂ توحید کے ہماری زندگی پر دیگر بہت سے اثرات ہیں۔ غور وفکر کر کے کوئی سے چار اثرات ذیل میں قلم بند کیجئے۔

-1 ______________________

-2 ______________________

-3 ______________________

-4 ______________________

## 2.2 وحدتِ نسل انسانی

آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کا دوسرا کرشمہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس انسانیت کو جو قوموں، برادریوں اور اعلیٰ و ادنیٰ طبقوں میں بٹی ہوئی تھی اور ان کے درمیان انسانوں اور جانوروں، آقاؤں اور غلاموں کا سا فرق تھا، وحدت و مساوات کا ایک ایسا تصور دیا جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ آپ ﷺ نے اللہ کا یہ پیغام لوگوں تک پہنچایا۔

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۝﴾ (الحجرات:13)

''لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری برادریاں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں سے معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔''

اور پھر حجۃ الوداع کے موقع پر اعلان فرمایا:

ترجمہ: ''لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ تم میں سب سے معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں مگر تقویٰ کی بناء پر۔''

آپ ﷺ نے نسل انسانی کے لئے دو بنیادی وحدتوں کا اعلان کیا جن پر پوری بنی نوع انسان کی عمارت قائم ہے اور وہ دو وحدتیں درج ذیل ہیں۔

(1) رب کی وحدت

(2) نسل انسانی کے باپ کی وحدت

گویا اس طرح ایک انسان دوسرے انسان سے دوہرا رشتہ رکھتا ہے۔ ایک روحانی اور حقیقی رشتہ کہ سب انسانوں اور جہانوں کا رب ایک ہے اور تمام انسان اس کے غلام اور بندے ہیں اور دوسرا جسمانی رشتہ کہ سب انسان ایک باپ کی اولاد ہیں۔ اس لئے نسلی بنیادوں پر ان میں کوئی اونچ نیچ اور طبقاتی درجہ بندی نہیں ہے۔ جس وقت آپ ﷺ نے وحدت نسل انسانی کا اعلان کیا، اس وقت دنیا کی حالت یہ تھی کہ یہودی اور عیسائی اپنے آپ کو خدا کے بیٹے اور چہیتے بتاتے تھے۔ مصر کا شاہی خاندان اپنے کو سورج دیوتا کا اوتار کہتا تھا۔ ہندوستان میں سورج بنسی اور چندر بنسی کے خاندان موجود تھے۔ شاہان ایران کا دعویٰ تھا کہ ان کی رگوں میں خدائی خون ہے۔ چینی اپنے شہنشاہ کو آسمان کا بیٹا کہتے اور عرب اپنے سوا ساری دنیا کو بے زبان اور گونگا سمجھتے اور ان کا سب سے ممتاز قبیلہ قریش عام عربوں سے اپنے آپ کو بالاتر قرار دیتا تھا لیکن آپ ﷺ نے ان تمام باطل تصورات پر کاری ضرب لگاتے ہوئے پوری بنی نوع انسان کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا۔

؎ ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

## 2.2.1 وحدت و مساوات کا عملی مظاہرہ

آپ ﷺ نے مساواتِ نسلِ انسانی کا زبانی سبق ہی نہیں دیا بلکہ آپ ﷺ کی زندگی کا عملی پہلو اس نوعیت کے واقعات سے مالا مال ہے جس میں آپ ﷺ نے نسلی، خاندانی اور مادی تفاخر کے تمام تصورات ختم کر دیئے۔

آپ ﷺ نے اپنی سگی پھوپھی زاد (زینب بنت جحش) کا نکاح زید بن حارثہ سے کر دیا جو زر خرید غلام تھے۔ حکیم بن حزام نے انہیں مکہ کے بازار عکاظ سے خرید کر اپنی خالہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ہدیہ کے طور پر دیا تھا۔ قریش کی سب سے محترم شاخ بنو ہاشم کی ایک بیٹی کا ان سے نکاح کر کے نسلی فخر کو ختم کر دیا گیا۔

حضور ﷺ نے اپنے لئے بھی کوئی امتیاز نہیں رکھا۔ جنگ بدر میں فوج کی صف بندی ہو رہی تھی۔ ایک صحابی سیدھے کھڑے نہیں ہو رہے تھے۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک پتلی چھڑی تھی۔ آپ ﷺ نے اس سے اس کے پہلو میں ٹھوکا دیا کہ برابر ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے تکلیف ہوئی ہے، میں تو بدلہ لوں گا۔ آپ ﷺ نے اپنا آپ پیش کر دیا، وہ بولے میرے بدن پر تو کرتا نہ تھا۔ حضور ﷺ نے بھی کرتا اٹھا لیا اور کہا کہ اب بدلہ لے لو۔ اگرچہ ان صحابی نے آگے بڑھ کر بدلہ لینے کی بجائے حضور ﷺ کا جسد اطہر چوم لیا لیکن یہ تو ان کے دل کی نیت تھی۔ آپ ﷺ نے اپنا آپ پیش کر دیا اور یہ نہیں فرمایا کہ مجھے رسول اللہ ہونے، سربراہ ریاست یا سپہ سالار ہونے کی حیثیت سے تم پر عدالتی چارہ جوئی کے سلسلے میں کوئی فوقیت حاصل ہے۔

## 2.3 شرفِ انسانیت

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ اور نائب بنا کر روئے زمین پر بھیجا اور یہ زمین اور اس کے سارے خزانے، یہ فضا اور اس میں پھیلی ہوئی تمام طاقتیں انسان کے لئے مسخر کر دیں کہ ان سے کام لے اور ان کو اپنا مطیع بنا کر انہیں اپنے آرام اور آسائش کے لئے استعمال کرے لیکن وہی انسان جسے فرشتوں سے سجدہ کرایا گیا تھا، ذلت اور پستی ان کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب چکا تھا جس کا تصور بھی ناممکن ہے۔ وہ اتنا ذلیل ہو گیا تھا کہ شاید بھیڑ بکریوں سے بھی زیادہ کم قیمت، پتھروں سے بھی زیادہ بے وقعت، کیڑے مکوڑوں سے بھی زیادہ بے حیثیت۔

## 2.3.1 انسان کا حقیقی مقام

آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کا تیسرا مظہر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے انسان کو اس کے حقیقی مقام سے روشناس کرایا۔ انسان کو احترام انسانیت کا تصور دیا۔ آپ ﷺ کی بعثت کے وقت دنیا بھر میں انسان ذلیل ہو رہا تھا۔ کہیں وہ پتھروں درختوں اور دریاؤں کی بھینٹ چڑھایا جاتا اور کہیں جانوروں تک کو اس پر فوقیت اور عزت دی جاتی۔ آج بھی بعض ممالک میں اس کے نمونے دیکھے جاسکتے ہیں کہ بے جان چیزوں کے سامنے انسانی جانوں کا نذرانہ پیش کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے بتایا کہ انسان اس کائنات کا سب سے قابل احترام اور معزز وجود ہے اس کے اوپر صرف خالق کائنات کی ہستی ہے۔ آپ ﷺ نے اللہ کا یہ پیغام پہنچایا:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ط وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾ (الاسراء:70)

"ہم نے بنی آدم کو فضیلت بخشی اور ان کو خشکی اور سمندر میں سواری بخشی اور انہیں پاکیزہ رزق عطا کیا اور انہیں اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔"

## 2.3.2 انسانوں کا باہمی رشتہ

انسانوں کی عزت افزائی اور سربلندی کا اس سے بڑھ کر کیا تصور ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے انسانوں کو اللہ کا کنبہ قرار دیا اور ارشاد فرمایا:

(اَلخَلقُ عَيَالُ اللّٰهِ ، فَاَحبُّ الخَلقِ اِلَى اللّٰهِ اَحسَنُهُم اِلىٰ عِيَالِه)

"مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ کو سب سے زیادہ وہ شخص محبوب ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ حسن سلوک کرے۔"

انسانیت کے مقام اور احترام کو رحمۃ للعالمین نے ایک حدیثِ قدسی میں اس طرح بیان فرمایا:

اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فرمائیں گے، اے فرزند آدم! میں بیمار ہوا تو مجھے دیکھنے نہیں آیا، بندہ کہے گا، پروردگار میں تیری بیمار پُرسی کیسے کرسکتا تھا، تُو تو رب العالمین ہے، ارشاد ہوگا، کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار پڑ گیا تھا تو اس کی بیمار پرسی کو نہیں گیا، تجھے معلوم نہیں تھا کہ تو اگر اس کی بیمار پرسی کے لئے جاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ پھر ارشاد ہوگا، اے فرزند

آدم! میں بھوکا تھا، میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، بندہ کہے گا، پروردگار! میں تجھے کیسے کھانا کھلا سکتا ہوں، تو تو رب العالمین ہے۔ارشاد ہوگا تجھے معلوم نہیں میرا فلاں بندہ بھوکا تھا، اس نے تجھ سے کھانا مانگا، تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا، تجھے اس کی خبر نہیں تھی کہ اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو اس کو میرے پاس پاتا۔ پھر ارشاد ہوگا۔ اے فرزند آدم! میں پیاسا تھا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ بندہ عرض کرے گا اے رب! میں تجھے پانی کیسے پلا سکتا تھا۔ تُو تو رب العالمین ہے۔ ارشاد ہوگا! تجھ سے میرے فلاں بندے نے پانی مانگا تھا، تو نے اسے پانی نہیں دیا تجھے اس کا پتہ نہیں کہ اگر تو اس بندے کو پانی پلاتا تو اس کو میرے پاس پاتا۔

یہ رسول اکرم ﷺ کی رحمۃ للعالمینی ہے کہ آپ ﷺ نے انسان کو ایسا مقام دیا جس میں خدا کی رحمت اور شفقت کے حصول کے لئے یہ شرط ہے کہ انسان دوسرے انسانوں پر رحمت و شفقت کرے۔ اپنے ابنائے جنس کی ضروریات پوری کرنا، ان کی عیادت کرنا، انہیں کھانا کھلانا، انہیں پیاس میں سیراب کرنا گویا خدا کی ضروریات پوری کرنا ہے جو رب العالمین ہے۔

## 2.4 مایوسی کا خاتمہ

نبی رحمت ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کا چوتھا مظہر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے مایوسی اور نا اُمیدی سے نجات دلائی۔ آپ ﷺ کی بعثت کے وقت پورے عالم انسانیت پر مایوسی اور نا امیدی کی گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ عیسائیت اپنے پیروکاروں کو بتاتی تھی کہ وہ پیدائشی گنہگار ہیں جن کے لیے حضرت مسیح نے کفارہ دیا ہے۔ ہندو دھرم میں خدا کو پانے اور تناسخ کے چکر سے نکلنے کے لیے بن باس تجویز کیا جاتا تھا ورنہ ہر انسان کو اپنے پہلے جنم کی غلطیوں کی سزا بھگتنا پڑتی۔ مختصراً یہ کہ ہر طرف مایوسی، اپنی ذات سے بدگمانی اور اپنے مستقبل اور اللہ کی رحمت سے نا اُمیدی کی فضا چھائی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے اس مایوسی کی فضا کو ختم کرنے کے لیے اعلان فرمایا کہ ہر بچہ معصوم پیدا ہوتا ہے، پیدائشی گناہ کا تصور سراسر غلط ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

(كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الفطرة)

''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے''۔

## 2.4.1 گناہوں سے پاک ہونے کا طریقہ

آپ ﷺ نے انسان کو بتایا کہ اگر بتقاضائے بشریت اس سے کسی وقت کوئی بڑے سے بڑا گناہ بھی سرزد ہو جائے تو اسے مایوس ہونے کی بجائے اپنے رب کے حضور اپنی کوتاہی کا اعتراف کر کے آئندہ کے لیے اس گناہ کے ارتکاب سے باز رہنے کا عہد کرنا چاہیے یوں وہ اس طرح پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔ارشاد فرمایا

(التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ)

''گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں''۔

اور بتایا کہ خدا کی رحمت ہر چیز پر غالب ہے:

﴿يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ (الزمر:53)

''اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف کر دیتا ہے۔بے شک وہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔''

﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ (الاعراف :156)

''میری رحمت ہر چیز پر وسعت رکھتی ہے۔''

یوں آپ ﷺ نے انسان کے بے گناہ ہونے کا تصور اور گناہوں سے توبہ کی تعلیم وتلقین ،قعر مذلت میں پڑی ہوئی انسانیت کو عزت وشرف اور خود اعتمادی کے اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا۔

## 2.5 اشاعت علم

آپ ﷺ رحمۃ للعالمینی کا عظیم مظہر یہ ہے کہ آپ نے پوری کائنات میں ''علم'' کو عام کیا۔آپ ﷺ ایک ایسی قوم میں پیدا ہوئے جسے اپنے ان پڑھ ہونے پر فخر تھا۔آپ ﷺ نے انہیں نہ صرف علم سے روشناس کرایا بلکہ پورے عالم انسانیت کا استاد بنا دیا آپ ﷺ نے بتایا کہ مجھ پر پہلی وحی جو نازل ہوئی اس میں پڑھنے پڑھانے کی اہمیت بتائی گئی۔

آپ ﷺ نے یہ واضح فرمایا کہ انسانیت کو جو امتیاز حاصل ہے اس کا سبب علم ہے۔ انسان کو فرشتوں پر جو شرف اور برتری عطا کی گئی وہ علم کی وجہ سے تھی ورنہ عبادت اور اطاعت میں فرشتوں کا مقابلہ ممکن نہیں ہے۔

## 2.5.1 اسلامی درس گاہ کا قیام

آپ ﷺ مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں سب سے پہلے مسجد تعمیر کی اور مسجد کے ساتھ ہی ایک چبوترہ بنوایا جسے "صفہ" کہتے ہیں۔ یہ اسلام کی اولین درسگاہ تھی جس کے معلم اول خود رحمۃ للعالمین تھے۔ پھر جب بدر کی لڑائی میں کچھ لوگ گرفتار ہو کر آئے تو ان میں سے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے، ان کا فدیہ یہی مقرر کیا گیا کہ دس دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دیں تو وہ آزاد ہیں۔

## 2.5.2 علم۔ وجہ فضیلت

اسلام نے رنگ و نسل، خاندان اور قبیلہ، مال و دولت، قوت و اقتدار کسی بھی چیز کو وجہ فضیلت قرار نہیں دیا بلکہ ارشاد ربانی ہے۔

﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنكم وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾ (المجادلۃ:11)

"تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا اللہ تعالیٰ ان کے درجوں کو بلند کرے گا"۔

آپ ﷺ نے اسلامی معاشرے کے ہر فرد کے لیے تعلیم لازمی قرار دی اور فرمایا:

(طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ) (ابن ماجہ)

"ہر مسلمان (خواہ مرد ہو یا عورت) پر طلب علم فرض ہے"۔

علم کے معاملے میں کسی قسم کے تعصب و تنگ نظری کی در اندازی گوارا نہیں فرمائی گئی۔ آپ ﷺ نے اپنے ایک صحابی کو یہودیوں سے سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا بلکہ حضرت علیؓ سے فرمایا:

(الكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا) (سنن الترمذی، حدیث نمبر:2687)

"حکمت کی بات مومن کا گم گشتہ سرمایہ ہے جہاں سے بھی ملے وہ اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے"۔

## 2.6 معاشی استحصال کا خاتمہ

آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کا فیضان ہے کہ آپ ﷺ نے معاشی زندگی کو حق و انصاف کے اصولوں کے مطابق اس انداز سے مدوّن فرمایا کہ اسلامی معاشرے سے ہر طرح کے معاشی استحصال کا خاتمہ کر کے ہر فرد کو معاشی تحفظ عطا فرمایا۔ دور جاہلیت میں ذرائع آمدنی پر چند طاقتور لوگوں کا قبضہ ہوتا اور اکثریت روکھی سوکھی کی محتاج ہو جاتی۔ آپ ﷺ کی رحمت و شفقت اسے کب گوارا کر سکتی تھی کہ چند افراد وسائل رزق پر قابض ہو جائیں اور جسے چاہیں بھوک اور افلاس کی صحرا میں دھکیل دیں۔ اس لئے آپ ﷺ نے پورے معاشی نظام کو نئے خطوط پر استوار کیا اور استحصال کا خاتمہ کیا۔

آپ ﷺ نے سود کا مکمل خاتمہ کر کے زکوٰۃ کو اجتماعی فریضے کے طور پر نافذ فرمایا جس کے نتیجے میں دولت کے بہاؤ کا رخ بدل گیا۔

### 2.6.1 تقسیم دولت

اسلام کے قانون تقسیم وراثت کو ہی دیکھیے، کس قدر رحمت و شفقت پر مبنی ہے۔ عربوں میں صرف وہی اولاد مرنے والے کی وارث ہو سکتی تھی جو تلوار اٹھا سکے۔ بیوی، معصوم بچے، بہن، بیٹی کا کوئی حق نہ تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے تمام وارثوں کے حصے مقرر فرمائے جو اس قدر منصفانہ ہیں کہ اس سے بہتر تجویز کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔

### 2.6.2 غربت و افلاس کے بارے میں آپ ﷺ کا نقطۂ نظر

آپ ﷺ نے فقر اور تنگ دستی کو اللہ کا عذاب اور کفر سے قریب کر دینے والی چیز بتایا ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

(کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْراً) ”فقر آدمی کو کفر کے قریب پہنچا دیتا ہے“۔

آپ ﷺ کسی شخص کو بھوک اور افلاس کی حالت میں دیکھتے تو بے چین ہو جاتے۔ ایک مرتبہ خاندان مضر کے کچھ لوگ آئے جو بھوک سے نڈھال ہو رہے تھے اور افلاس سے ان کے بدن پر چیتھڑے لٹک رہے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی آپ ﷺ اس قدر بے چین ہوئے کہ مسلمانوں کو جمع کر کے ان کی مدد کی اپیل کی۔ تھوڑی دیر میں ان کے لیے کھانے پینے کا سامان اکٹھا ہو گیا تو ان بھوکے لوگوں کو شکم سیر دیکھ کر آپ کا چہرہ مبارک خوشی سے دمکنے لگا۔

آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو ہدایت فرمائی:

"جس شخص کے پاس زائد سواری ہو وہ اسے دے دے جس کے پاس سواری نہیں۔ جس کے پاس زائد مال واسباب ہو وہ اسے دے دے جس کے پاس نہ ہو۔ جو چیز بھی جس کے پاس زائد ہو وہ اس شخص کو دے دے جس کے پاس وہ چیز نہیں ہے۔"

## 2.7 منزل اور مقصد کا تعیّن

رسول اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل انسانیت اپنی منزل سے نا آشنا تھی اسے معلوم نہیں تھا کہ اس کی صلاحیتوں کا اصل ہدف اور اس کی کوششوں کا حقیقی میدان کون سا ہے۔ اس نے اپنی کوششوں کے لیے محدود اور چھوٹے چھوٹے دائرے بنائے ہوئے تھے کہیں وہ اقتدار کے حصول کا خواہش مند ہے اور کہیں صاحب اقتدار کے قرب کے لیے کوشاں، کہیں زر و جواہر کا طلب گار ہے اور کہیں رقبہ زمین کا کوئی شخص ادب وشاعری سے دل خوش کر رہا ہے اور کوئی نغمہ وچنگ سے دل بہلا رہا ہے لیکن اس کے سامنے حقیقی منزل نہیں تھی۔ آپ ﷺ نے تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْن" سنا کر منزل اور مقصد سے روشناس کرایا اور نسلِ انسانی کے سامنے اس کی حقیقی منزل لا کھڑی کی اور یہ بات دل پر نقش کر دی کہ خالق کائنات کی معرفت، عبادت اور اس کی رضا کا حصول انسان کی حقیقی سعادت اور کمال آدمیت وعبدیت ہے۔ اپنی باطنی قوتوں کو ترقی دینا، ایمان ویقین کی دولت سے مالا مال ہونا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا، انسانوں کی خدمت اور ایثار وقربانی کے ذریعے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا اور کمال وترقی کے ان اعلیٰ مدارج پر پہنچ جانا جہاں فرشتے بھی نہیں پہنچ سکتے، انسان کی کوشش کا حقیقی میدان ہے۔

## سرگرمی

ہماری روزمرہ زندگی میں بہت سے کام ایسے ہیں جو ہمارے دنیوی فائدے کے لیے بھی ہوتے ہیں اور ان پر ہم سے آخرت میں اجر وثواب ملنے کا وعدہ بھی کیا گیا مثلاً کسب معاش۔ آپ کوئی سے ایسے چار کام سوچ سمجھ کر ذیل میں درج کریں:

1۔ ____________________

2۔ ____________________

3۔ ____________________

4۔ ____________________

## اہم نکات

1۔ جس طرح اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کے لئے رب ہے، اسی طرح رسول اکرم ﷺ تمام جہانوں کے لئے سراپا رحمت ہیں۔

2۔ آپ ﷺ جب مبعوث ہوئے تو انسانیت تباہی کے آخری کنارے پر پہنچی ہوئی تھی اور کسی بھی لمحے تباہی کے گڑھے میں گر سکتی تھی۔

3۔ آپ ﷺ کا وجودِ گرامی پوری انسانیت بلکہ پوری کائنات کے لئے نئی زندگی کا پیغام تھا۔

4۔ آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کا پہلا مظہر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بھٹکی ہوئی انسانی فکر کو عقیدۂ توحید کی تعلیم دے کر اس میں فکری وحدت اور ہم آہنگی پیدا کی۔

5۔ آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کا دوسرا مظہر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے تمام انسانوں کے ماں باپ کو ایک قرار دے کر صحیح معنوں میں آپس میں بھائی بھائی بنا دیا، حقیقی مساوات قائم فرمادی اور استحصال کا خاتمہ کر دیا۔

6۔ آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کا تیسرا مظہر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے انسان کو اس کے حقیقی مقام سے روشناس کرا کر احترام آدمیت کا سبق پڑھایا۔

7۔ آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کا چوتھا مظہر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے انسانیت کو مایوسی اور نا اُمیدی سے نجات دلائی۔

8۔ آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کا پانچواں مظہر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دین و دنیا کی وحدت کا درس دے کر دنیادار اور دین دار کے تصور کو غلط قرار دیا اور سکھایا کہ ہر مسلمان دین پر عمل کر کے ایک ہی وقت میں دونوں ہو سکتا ہے۔

9۔ آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کا چھٹا مظہر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے علم کو فروغ دیا اور علم و اہل علم کو فضیلت دی۔

10۔ آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کا ساتواں مظہر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے انسانیت کے لئے منزل اور مقصد کا تعین فرمایا۔

# خود آزمائی نمبر 1

1۔ اللہ اور رسول اکرم ﷺ کے کون کون سے صفاتی نام مشترک ہیں؟

2۔ رحمت کا لغوی معنی کیا ہے؟

3۔ وحدتِ فکر انسانی سے کیا مراد ہے؟

4۔ عقیدۂ توحید کے پرستار میں عزتِ نفس اور تواضع دونوں کیسے جمع ہوتی ہیں؟

5۔ وہ دو وحدتیں کون سی ہیں جن پر انسانیت کی عمارت قائم ہے؟

6۔ انسانوں کو برادریوں اور قبائل میں تقسیم کرنے میں کیا حکمت ہے؟

7۔ حضور ﷺ کی پھوپھی زاد کا کیا نام تھا جن کا نکاح حضرت زید بن حارثہؓ سے ہوا؟

8۔ انسانوں کا باہمی رشتہ کیا ہے؟

9۔ حدیث قدسی سے کیا مراد ہے؟

10۔ خالی جگہ پُر کریں:

(i) ہم نے آپ ﷺ کو سارے جہانوں کے لئے............. بنا کر بھیجا ہے۔

(ii) مخلوق اللہ کا.................... ہے۔

(iii) لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا............. ایک ہے۔

(iv) لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک ............. سے پیدا کیا۔

11۔ توبہ کسے کہتے ہیں؟

12۔ رہبانیت سے کیا مراد ہے؟

13۔ حدیث کے الفاظ بتائیں:

ترجمہ: ''گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں''

14۔ صفہ کی درس گاہ کہاں واقع تھی؟

15۔ بدر کے پڑھے لکھے قیدیوں کے لیے کیا فدیہ مقرر کیا گیا؟

16۔ علم کے حصول میں تنگ نظری نہیں ہے۔اس سے متعلق ایک حدیث لکھیں۔

17۔ کیا اسلام کے نقطہ نظر سے فقر اچھی چیز ہے؟

18۔ ترجمہ کریں:

(i) كُلُّ مَولُودٍ يُولَدُ عَلَى الفِطرَةِ (ii) مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَد

# 3- رحمتِ مجسّم

آپ ﷺ نے اپنی ان تعلیمات سے کائنات کی کایا پلٹ دی اور پورے روئے زمین پر صحابہ کرام کی شکل میں ایسے لوگ تیار فرما دیئے جو اپنے جسم و جان کے ساتھ مکارمِ اخلاق کی ان بلندیوں پر پہنچے جہاں شاعر کی قوتِ متخیلہ بھی پرواز نہیں کر سکتی۔ آج ہم ان اولوالعزم انسانوں کے واقعات پڑھتے یا سنتے ہیں تو حیرت زدہ رہ جاتے ہیں لیکن یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں بلکہ یہ آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کا اعجاز تھا، ہے، اور ہمیشہ رہے گا۔

آپ ﷺ کی رحمت عام تھی جس میں دوست دشمن، اپنے بیگانے، مسلم و کافر، بوڑھے بچے، عورت مرد، آقا و غلام سب برابر کے حصہ دار تھے۔ آپ ﷺ نے رحمت کو کسی فرد یا گروہ تک محدود کرنے کو ناپسند فرمایا۔

ایک دیہاتی مسجد نبوی میں آیا اور دعا کی: یا اللہ مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحم فرما۔ آپ ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا: ''تم نے اللہ کی رحمت کو تنگ کر دیا ہے''۔

## 3.1 صحابہؓ کی گرویدگی کا سبب

قرآن کریم آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کی گواہی دیتے ہوئے کہتا ہے کہ آپ ﷺ کے گرد جو پروانوں کا ہجوم ہے اور صحابہ کرام ؓ ٹوٹ کر آپ ﷺ کو چاہتے ہیں، آپ ﷺ پر اپنی جانیں اور اولادیں نچھاور کر دیتے ہیں، اس کا سبب آپ ﷺ کی رأفت اور رحمت و شفقت ہے۔

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ﴾ (آل عمران:159)

''اللہ کی رحمت ہے آپ ﷺ نرم دل ہیں۔ اگر آپ ترش رو، سخت مزاج ہوتے تو یہ لوگ آپ کے اردگرد سے چھٹ جاتے''۔

مسلمانوں کو کسی بھی طرح کی کوئی تکلیف پہنچے تو آپ ﷺ پر انتہائی شاق گزرتی:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (التوبہ:128)

''تمہارے پاس تمہی میں سے ایک ایسے رسول آئے ہیں کہ جو چیز تمہیں مشقت میں ڈالے وہ اُن

پر شاق گزرتی ہے، تمہارے خیر خواہ اور مومنوں کے لیے مہربان اور شفیق ہیں"۔

## 3.2 رحمت عامہ کے مظاہر

رسول اکرمﷺ رحمت مجسم تھے۔آپﷺ کی حیات طیبہ کا کوئی لمحہ ایسا نہ تھا جب آپﷺ کی رحمت اور شفقت میں کوئی فرق آیا ہو۔ آپﷺ کی مبارک زندگی کا یہ پہلو ایسا ہے جو ہر وقت، ہر جگہ اور ہر واقعے میں نمایاں ہے۔ اب ہم آپ کے لئے چند واقعات یہاں رقم کرتے ہیں جن سے آپﷺ کی رحمتہ للعالمینی کا بھرپور اظہار ہوتا ہے۔

☆ ایک مرتبہ ایک دیہاتی آیا اور مسجد نبوی میں پیشاب کرنے بیٹھ گیا۔ صحابہ کرامؓ اسے مارنے کے لیے دوڑے تو آپﷺ نے منع فرمادیا۔ جب وہ پیشاب کر کے فارغ ہوا تو آپ نے پانی منگوا کر وہ جگہ دھلادی اور دیہاتی کو انتہائی نرمی سے سمجھایا۔

☆ مدینہ میں منافقین کی خاصی تعداد تھی۔ یہ لوگ بظاہر مسلمان تھے لیکن اندر سے کافروں کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ ان کے سردار کا نام عبداللہ بن ابی تھا۔ اس نے رسول اکرمﷺ کے خلاف کئی بار بغاوت کرنے کی درپردہ سازشیں کیں۔ آپﷺ کی پاک بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگایا مگر آپﷺ نے نہ صرف اسے معاف کر دیا بلکہ جب اس کی وفات ہوئی تو آپﷺ نے اپنا کرتا اس کے کفن کے لیے دیا، اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے لیے استغفار کی۔

## 3.3 بچوں پر شفقت

اہل عرب اپنے بچوں کو چومنا، ان سے لاڈ پیار کرنا، اپنی سرداری کے خلاف سمجھتے تھے لیکن آپﷺ بچوں سے بہت پیار کرتے تھے انہیں چومتے، سینے سے لگاتے، کندھے پر بٹھا لیتے۔ ایک عرب سردار اقرع بن حابس نے آپﷺ کو بچوں سے پیار کرتے ہوئے دیکھا تو کہا

"میرے دس بچے ہیں، میں نے ان سے کبھی پیار نہیں کیا"۔

آپﷺ نے فرمایا: (مَنْ لَا یَرْحَم لَا یُرْحَمْ)

"جو کسی پر رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا"۔

آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں ۔ کسی نے پوچھا کہ آپ ﷺ رو رہے ہیں حالانکہ آپ ﷺ تو رونے سے منع فرماتے ہیں۔

فرمایا: ''یہ رحم ہے، میں تو بلند آواز سے بین کرنے سے منع کرتا ہوں۔''

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں دس سال حضور ﷺ کی خدمت میں رہا۔ اس طویل عرصے میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے کوئی کام کیا ہو اور حضور ﷺ نے فرمایا ہو کہ کیوں کیا ہے اور نہ کیا ہو تو اس پر باز پرس ہوئی ہو۔ ایک بار آپ ﷺ نے مجھے کسی کام کے لیے فرمایا، میں نے انکار کر دیا اور باہر نکل کر دوسرے لڑکوں کو کھیلتے دیکھ کر ان کے ساتھ کھیلنے لگ گیا۔ جب کچھ دیر گزر گئی تو پیچھے سے کسی نے آکر کندھے پر ہاتھ رکھا، میں نے دیکھا تو رسول اللہ ﷺ تھے۔ آپ نے جھڑکا، نہ غصے ہوئے بلکہ پیار اور شفقت سے فرمایا کہ بیٹے! میں نے تمہیں جس کام کا کہا تھا اب جاؤ وہ کام کر آؤ۔ میں نے کہا ابھی کر کے آتا ہوں۔

مدینے کے کم سن اور نوخیز بچے بھی آپ ﷺ کی رحمت و شفقت سے فیض اٹھاتے۔ آپ ﷺ بچوں پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ سفر سے تشریف لاتے تو راہ میں جو بچے ملتے ان میں کسی نہ کسی کو اپنے ساتھ سواری پر آگے پیچھے بٹھاتے۔ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ بچپن میں میں انصار کے نخلستان میں چلا جاتا اور ڈھیلے مار مار کر کھجوریں گراتا۔ ایک روز لوگ مجھے پکڑ کر حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں لے گئے، آپ ﷺ نے پوچھا ڈھیلے کیوں مارتے ہو؟ میں نے کہا کہ کھجوریں کھانے کے لیے۔ ارشاد فرمایا: کھجوریں جو از خود زمین پر گر پڑیں ان کو اُٹھا کر کھا لیا کرو، ڈھیلے نہ مارو، یہ کہہ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔

## 3.4 غلاموں اور باندیوں کے لیے رحمت

عرب میں غلاموں اور باندیوں کی زندگی انتہائی تلخ تھی۔ آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی سے وہ مناظر دیکھے نہ گئے۔ آپ نے غلاموں کے ساتھ خصوصی شفقت اور محبت کا برتاؤ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا:

''یہ تمہارے بھائی ہیں جو خود کھاتے ہو وہی ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو وہی ان کو پہناؤ''۔

آپ ﷺ کی ملکیت میں جو غلام آتے، آپ ﷺ ہمیشہ ان کو آزاد فرما دیتے لیکن یہ آپ کے احسان و کرم کا نتیجہ تھا کہ وہ ماں، باپ، بہن، بھائی، عزیز و اقارب، رشتہ دار، قبیلہ سب کسی کو چھوڑ کر آپ کے دامنِ رحمت سے وابستہ رہنے کو

ترجیح دیتے۔ زید بن حارثہ غلام تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا۔ ان کے باپ انہیں لینے آئے لیکن آپ ﷺ کے دامنِ رحمت کو چھوڑ کر باپ کے ہمراہ جانے سے انہوں نے انکار کر دیا۔ ان کے بیٹے اسامہ سے آپ ﷺ اس قدر محبت کرتے تھے کہ فرماتے اگر اسامہ بیٹی ہوتی تو میں اسے زیور پہناتا۔ خود اپنے دست مبارک سے آپ ﷺ ان کی ناک صاف کرتے۔ آپ ﷺ کی رحمت نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ غلاموں اور باندیوں کو غلام یا باندی کہہ کر پکارا جائے۔ آپ ﷺ نے یہ حقارت آمیز الفاظ تبدیل کر دیئے اور فرمایا کہ میرا غلام یا میری باندی کہنے کی بجائے میرا لڑکا، میری لڑکی کہا کرو، غلاموں پر آپ ﷺ کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ جب آپ ﷺ کا دم واپسیں تھا، سانس اکھڑ رہا تھا، آواز صاف سنائی نہیں دیتی تھی اور آپ ﷺ فرما رہے تھے۔

(اَلصَّلٰوۃَ وَمَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ) ''نماز کا اور غلاموں، باندیوں کا بہت خیال رکھنا''۔

## 3.5 عورتوں کے لیے رحمت

دُنیا میں کسی مذہب اور تمدّن نے عورتوں کو ان کے حقوق نہیں دیے۔

لڑکی جب پیدا ہوتی تو زندہ درگور کر دی جاتی۔ اگر جوان ہو جاتی تو فروخت کر دی جاتی اور جب اس کا شوہر مر جاتا تو اسے شوہر کی چتا پر جلا دیا جاتا۔

آپ ﷺ نے عورت کو وہ مقدس مقام دیا جس کا انسانیت کبھی تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ بیٹی کی پیدائش کو باعث رحمت بتایا۔ اس کی تربیت، پرورش اور تعلیم کو حصولِ جنت کا ذریعہ قرار دیا اور جب وہ ماں بن جاتی تو اس کی خدمت میں جنت کے دروازے کھول دیئے گئے۔ باپ سے تین درجے زیادہ ماں کا حق رکھا گیا اور مردوں اور عورتوں میں جو اونچ نیچ کا تصور تھا، اسے یہ کہہ کر ختم فرما دیا کہ۔ اَلنِّسَاءُ شَقَائِقُ الرِّجَالِ عورتیں اور مرد پہلو بہ پہلو حیثیت کے مالک ہیں۔

اگرچہ حیاتیاتی اور فطری اختلافات کے باعث مردوں اور عورتوں کے میدانِ کار الگ الگ ہیں لیکن ان میں سے کوئی صنف بھی دوسرے سے کم تر نہیں ہے۔ جہاں مردوں کو انتظامی برتری دی گئی ہے، عورتوں کو احترامی برتری سے نوازا گیا ہے۔ یہ ایک ایسا اعتدال ہے جس کی مثال دُنیا کے کسی مذہب یا تہذیب میں نہیں ملتی۔ آپ ﷺ نے وراثت میں عورتوں کا حصہ مقرر فرمایا، عورتوں کو حقوقِ ملکیت دیئے۔ عورت کو طلاق کا حق (حق خلع) دیا اور شوہر کے ذمہ یہ واجب کیا کہ وہ اپنی بیوی کے آرام و آسائش کا خیال رکھے اور اگر کسی شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان میں عدل و انصاف کے تمام تقاضے پورے کرے۔

# 4 - دشمنوں کے لیے رحمت

آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی سے نہ صرف مسلمان بلکہ کافر بھی مستفید ہوئے۔قرآن حکیم پہلی امتوں کے تذکروں میں بتاتا ہے کہ جب کسی امت نے اپنے نبی کی تعلیمات کے انکار پر اصرار کیا اور نبی کو اذیتیں دیں تو اللہ کا عذاب نازل ہوگیا، کبھی طوفان اور آندھی کی شکل میں کبھی زلزلوں اور سنگ باری کی صورت میں اور کبھی شکلیں مسخ ہوگئیں لیکن آپ علیہ السلام کی رحمۃ للعالمینی کا فیضان ہے کہ آپ ﷺ کے دشمنوں پر بھی اس قسم کا کوئی عذاب نازل نہیں ہوا جس کی وجہ بتاتے ہوئے قرآن کریم کہتا ہے:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ﴾ (الانفال:33)

''اللہ آپ ﷺ کی موجودگی میں انہیں عذاب نہیں دے گا''۔

آپ ﷺ نے اپنے جانی دشمنوں اور قاتلانہ حملہ آوروں کو معاف فرما دیا۔آپ ﷺ نے جس رات مکہ سے ہجرت فرمائی تو کفارِ قریش نے یہ طے کیا ہوا تھا کہ صبح جونہی آپ ﷺ گھر سے باہر تشریف لائیں گے تو (العیاذ باللہ) آپ ﷺ کا سر قلم کر دیا جائے گا۔اس لیے دشمنوں کا ایک دستہ رات بھر خانہ نبوی کا محاصرہ کیے کھڑا رہا۔اگرچہ اس وقت دشمنوں سے انتقام لینے کے ظاہری اسباب نہ تھے لیکن فتح مکہ کے موقع پر جب ان میں سے ایک ایک گردن اسلام کی تلوار کے نیچے تھی، آپ ﷺ نے عفو و درگزر کا وہ عدیم النظیر مظاہرہ کیا جس کی مثال پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی، نہ صرف یہ کہ معاف کر دیا بلکہ ابوسفیان جو آپ کے خلاف ہر تحریک کا سرغنہ تھا اور بدر کے علاوہ تمام جنگوں میں کفار کا سپہ سالار، آپ ﷺ نے اسے یہ فرما کر اعزاز بخشا کہ

(مَنْ دَخَلَ دَارَاَبِیْ سُفیانَ كَانَ اٰمِنًا) ''جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امن ہے''۔

آپ ﷺ نے تمام لوگوں کو جمع کر کے فرمایا:

(لا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ، انتم الطُّلقاء) ''آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے تم سب آزاد ہو''۔

ایک صاحب نے آپ ﷺ سے کسی پر بددعا کرنے کی درخواست کی تو غضب ناک ہو کر فرمایا کہ میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، عذاب بنا کر نہیں۔

طائف والوں نے بھی جب آپ ﷺ پر پتھر برسائے تو جواب میں آپ ﷺ نے ان کے لیے بددعا نہیں فرمائی بلکہ فرمایا کہ ہوسکتا ہے ان کی اولاد میں کوئی مسلمان ہو جائے۔

## 4.1 دشمن کے معاملے میں بھی حق وانصاف

آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ بدترین دشمن بھی ہو تو اس کے معاملے میں بھی حق وانصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو، ایسا نہ ہو کہ تمہیں اپنے دشمن سے انتقام لینے کا موقع ملے اور اس معاملے میں تمہارا دشمن بے قصور ہو جس میں وہ ماخوذ ہے تو تم پرانے بدلے چکانے شروع کردو اور انتقام لینے لگ جاؤ۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (المائدہ:8)

"کسی قوم کی دشمنی تمہیں عدل کا دامن چھوڑنے پر آمادہ نہ کرے، عدل کرو کہ یہی تقویٰ کے قریب ہے"۔

## 5- حیوانات پر رحم

انسان تو انسان ہیں، رحمۃ للعالمین کے فیض رحمت سے حیوانات بھی مستفید ہوئے۔ عرب میں حیوانات پر ظلم کرنے کا عام رواج تھا۔ آپؐ نے ان بے زبانوں پر ظلم موقوف کرا دیئے۔ اونٹ کے گلے میں قلاوہ لٹکانے کا دستور تھا۔ اس کو روک دیا۔ زندہ جانور کے بدن سے گوشت کا ٹکڑا کاٹ لیتے تھے اور اس کو پکا کر کھاتے تھے، اس کو منع کر دیا۔ جانوروں کی دم اور گردن کے بال کاٹنا موقوف کر دیا اور فرمایا کہ "دم ان کا مورچھل اور بال ان کا لحاف ہے" جانوروں کو دیر تک دھوپ میں باندھ کر کھڑا رکھنے کی بھی ممانعت فرمائی اور فرمایا کہ جانوروں کی پیٹھوں کو اپنی نشست گاہ اور کرسی نہ بناؤ۔

اسی طرح جانوروں کو باہمی لڑانا ممنوع قرار دے دیا۔ ایک دستور یہ تھا کہ کسی جانور کو باندھ کر اس کا نشانہ بناتے تھے اور تیراندازی کی مشق کرتے تھے، اس سنگ دلی کی قطعاً ممانعت کردی۔

ایک مرتبہ راستے پہ چلتے ایک گدھے پر نظر پڑی جس کا چہرہ داغا گیا تھا، فرمایا:

"جس شخص نے اس کا چہرہ داغا ہے اس پر اللہ کی لعنت"

ایک بار آپ ﷺ کسی سفر پر جا رہے تھے ایک جگہ قیام فرمایا، وہاں ایک پرندے نے انڈا دیا تھا ایک شخص نے وہ

انڈا اٹھا لیا، چڑیا بے قرار ہو کر پر مار رہی تھی۔ حضورﷺ نے دریافت فرمایا کہ اس کا انڈا چھین کر کس نے اس کو اذیت پہنچائی؟ ان صاحب نے کہا، یا رسول اللہ! مجھ سے یہ حرکت ہوئی۔ آپﷺ نے فرمایا: ''اسے لے جا کر وہیں رکھ دو''۔

ایک مرتبہ ایک صحابی آپﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کے ہاتھ میں چادر میں چھپے ہوئے کسی پرندے کے بچے تھے۔ آپﷺ نے دریافت فرمایا تو عرض کی کہ ایک جھاڑی سے آواز آ رہی تھی، میں نے دیکھا تو یہ بچے تھے، میں نے ان کو نکال لیا، بچوں کی ماں نے یہ دیکھا تو وہ بے قراری سے میرے سر پر منڈلانے لگی۔ آپﷺ نے فرمایا: ''جاؤ اور بچوں کو پھر وہیں رکھ آؤ''۔

ایک بار راستے میں ایک اونٹ نظر سے گزرا جس کے پیٹ اور پیٹھ بھوک کی شدت سے مل گئے تھے۔ فرمایا: ''ان بے زبانوں کے متعلق اللہ سے ڈرو''۔

مولانا حالیؒ نے آپﷺ کی رحمۃ للعالمینی کی بہترین عکاسی اپنے ان اشعار میں کی ہے:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی برلانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماوا
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولا

خطا کار سے درگزر کرنے والا بداندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیروزبر کرنے والا قبائل کو شیر و شکر کرنے والا

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور ایک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

# خود آزمائی نمبر 2

1- آنحضرت ﷺ کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جان نثاری کا قرآن نے کیا سبب بتایا ہے؟

2- جس بدو نے مسجد نبوی میں پیشاب کر دیا تھا آنحضرتؐ نے اس کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟

3- اقرع بن حابس کے کتنے بیٹے تھے؟

4- ابراہیم رضی اللہ عنہ کس کے صاحبزادے تھے؟

5- حضرت انس رضی اللہ عنہ کتنے سال آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہے؟

6- ترجمہ کریں: اِنَّ النِّسَاءَ شَقَائِقُ الرِّجَال

7- عورت کے حق طلاق کو کیا کہتے ہیں؟

8- آنحضرت ﷺ اپنے دشمنوں کے لیے کس طرح رحمت تھے؟

9- فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے اپنے جانی دشمنوں سے کیا سلوک کیا؟

10- جانوروں پر آنحضرت ﷺ کے رحم کا کوئی واقعہ اپنے الفاظ میں بیان کریں۔

# 6- اخلاق اور معلّمِ اخلاق

انسان سے بہت سے کام غیر ارادی طور پر صادر ہوتے ہیں جیسے سانس لینا، دل کا دھڑکنا، پلکیں جھپکنا، وغیرہ، ان پر اس سے باز پرس نہ ہوگی لیکن کچھ وہ اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے جو اچھے اور بُرے دونوں اعمال ہوسکتے ہیں، انسان کو ان کے نتائج پر خوب غور وفکر کرنا چاہیے کیونکہ ان اعمال کی اس سے پوچھ گچھ ہوگی۔

## 6.1 اخلاق کا مفہوم

اُخلاق عربی زبان کا لفظ ہے اور خُلُق کی جمع ہے۔ خُلُق اس عادت کو کہتے ہیں" جو کسی کام کو ایک ہی طرح سے بار بار کرتے رہنے سے پختہ ہو جائے، تو گویا پختہ عادت کا نام خُلُق ہے"۔ امام رازیؒ اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔" خلق انسانی نفس کی ایسی استعداد اور صلاحیت ہے کہ جسے بھی یہ حاصل ہو جائے تو اس کے لئے اچھے کام کرنا آسان ہو جاتا ہے"۔

اخلاق اچھے بھی ہوتے ہیں اور بُرے بھی اگر کسی شخص کے کام اور عادات ایسی ہیں جو عقل اور شریعت کے مطابق ہیں تو اس کے اخلاق اچھے ہیں اور اگر وہ عقل اور دین کے تقاضوں کے خلاف ہیں تو اس کے اخلاق برے ہیں۔ اچھے اخلاق کو" فضائل اخلاق اور اخلاق حمیدہ" اور بُرے اخلاق کو" رذائل اخلاق اور اخلاق ذمیمہ" کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص جب بھی کسی غریب کو دیکھتا ہے تو اس کی مدد کرتا ہے تو ہم کہیں گے کہ سخاوت اس کی عادت یا خُلُق ہے اگر کوئی شخص ایک آدھ بار کسی کی مدد کرتا ہے تو وہ سخی نہیں کہلائے گا کیونکہ سخاوت اس کی عادت نہیں ہے۔

## 6.2 انسانیت کا امتیاز

علم اور اخلاق انسان کو دوسری مخلوقات سے ممتاز کرتے ہیں۔ انسان اپنے طبعی اور حیاتیاتی وجود میں دوسرے حیوانات سے مختلف نہیں ہے۔ جو چیز انسان کو حیوانات کی سطح سے اوپر اُٹھاتی ہے اور اسے اشرف المخلوقات کے درجے تک پہنچاتی ہے وہ اس کا اخلاقی کردار ہے۔ انسان کو علمی برتری کی وجہ سے زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بنایا گیا اور علم کا مقصد یہی ہے کہ انسان مختلف چیزوں کے نفع اور نقصان کے بارے میں مکمل آگاہی حاصل کرکے نفع بخش پہلو کا انتخاب کرے اور نقصان دہ کاموں سے بچے اور یہی" فضائل اخلاق اور اخلاق حمیدہ" ہیں۔

## 6.3 اخلاق کی اہمیت

اچھے اخلاق ( اخلاق حسنہ ) ایمان کی پہچان ہیں۔جس قدر کسی کے اخلاق اچھے ہوں گے اتنا ہی اس کا ایمان مضبوط ہوگا۔کوئی شخص زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتا ہے اور عبادات کا بھی اہتمام کرتا ہے مگر اس کے دل میں انسانوں سے محبت ،غریبوں ، حاجت مندوں کے لیے رحم ، بڑوں کے لیے ادب ، چھوٹوں کے لیے شفقت ، اپنے دوست احباب ، رشتہ داروں ، پڑوسیوں کے لیے حسن سلوک کے جذبات نہیں ہیں تو اس کا طرزِ عمل اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کا ایمان ابھی تک اس کے دل کی گہرائیوں میں نہیں اُتر سکا۔ ہمارے اخلاق ہماری ایمانی کیفیت کو ماپنے کا ذریعہ ہیں۔ اخلاق حسنہ ہی ایک ایسا معیار ہے جس سے کسی شخص کے ایمان کے بارے میں معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ کس درجے کا ہے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہوں گے کہ دن کو ہمیشہ روزہ رکھنا اور ساری رات نماز میں کھڑا رہنا کتنا مشکل کام ہے۔ شاید دُنیا میں کوئی شخص اس کی پابندی کرنے کی طاقت رکھتا ہو لیکن اچھے اخلاق اپنا کر ہم اس شخص کا درجہ حاصل کر سکتے ہیں جو ہمیشہ دن بھر روزہ رکھتا ہے اور رات بھر نماز پڑھتا ہے۔

-1 رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا:

( اِنَّ الرَّجُلَ لَیُدْرِکُ بِحُسْنِ خُلُقِهٖ دَرَجَةَ قَائِمِ اللَّیْلِ وَصَائِمِ النَّهَارِ)

''انسان اچھے اخلاق سے اس شخص کا درجہ پا لیتا ہے جو رات بھر عبادت کرتا ہے اور دن کو روزہ رکھتا ہے''

-2 نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل ؓ کو یمن کا والی بنا کر بھیجا تو یہ نصیحت فرمائی۔

( اَحْسِنْ خُلُقَکَ لِلنَّاسِ) ''لوگوں کے ساتھ بہترین اخلاق سے پیش آنا۔''

-3 قرآنِ کریم نے اخلاقِ حسنہ کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا ذریعہ بتاتے ہوئے کہا ہے کہ جنت ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جن کے اخلاق عمدہ ہیں۔ ان جنتیوں کے دنیا میں کیا اعمال ہوں گے؟ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

﴿ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ (آل عمران 134-133)

''جو خوشحالی اور تنگی دونوں حالتوں میں خرچ کرتے ہیں اور غصے پر قابو پاتے ہیں اور لوگوں کو معاف

کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

4- اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جن گوناگوں نعمتوں سے نوازا ہے، ان میں سب سے بڑی نعمت حسن خلق ہے۔
نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:
"لوگوں کو جو بہترین چیز عطا ہوئی، وہ حسن خلق ہے۔"

## 6.4 معلمِ اخلاق کا مفہوم

اللہ تعالیٰ انسانوں کو اچھے اخلاق کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے وقتاً فوقتاً انبیاء اور رسل بھیجتا رہا۔ یہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام درحقیقت انسانوں کو اچھے اخلاق سکھانے اور بُری عادتوں سے روکنے کے لیے بھیجے گئے رسول اکرم ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد خود بتاتے ہوئے فرمایا:

(انما بُعِثْتُ معلّماً) "مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔"

پھر آپ ﷺ نے اپنی تعلیم کا اصل مقصد ان الفاظ میں بیان فرمایا:

(انما بُعِثْتُ لِاُ تَمِّمَ مَکَارِمَ الا خْلَاق)

"میں صرف اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق حسنہ کی تکمیل کروں۔"

ان دونوں احادیث کو باہم ملا کر دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ علم کا اصل مقصد اخلاق حسنہ کی تکمیل ہے۔ اخلاق مطلوب ہیں اور علم ان کو حاصل کرنے کا ذریعہ۔ معلم اخلاق کا کام صرف لوگوں تک علم پہنچا دینا نہیں ہے بلکہ اپنے مثالی اخلاق اور کردار کے ذریعے سے ان کے اخلاق کی تشکیل و تعمیر بھی ہے۔

## 6.5 اخلاق کی اقسام

اخلاق کو دو قسموں اور سطحوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: 1- عام سطح 2- اعلیٰ و برتر سطح

عام سطح یہ ہے کہ آدمی کا اخلاق جوابی اخلاق ہو "جو مجھ سے جیسا کرے گا میں بھی اس کے ساتھ ویسا ہی کروں گا" یہ اس کا اصول ہو جو شخص اس سے کٹے وہ بھی اس سے کٹ جائے۔ جو شخص اس پر ظلم کرے وہ بھی اس پر ظلم کرنے لگے۔ جو شخص اس کے ساتھ برائی کرے وہ بھی اس کے لئے بُرا بن جائے اور جو شخص اس کے ساتھ اچھائی کرے وہ اس کے لئے

اچھا بن جائے، یہ عام سطح کا اخلاق ہے۔

اس کے مقابلہ میں اعلیٰ و برتر اخلاق یہ ہے کہ آدمی دوسرے کے رویہ کی پروا کیے بغیر اپنا رویہ متعین کر لے۔ اس کا اخلاق اصولی ہو نہ کہ جوابی۔ اعلیٰ اخلاقی رویہ اس کا ایک عام اصول ہو جس کو وہ ہر جگہ برتے، خواہ معاملہ موافق کے ساتھ یا مخالف کے ساتھ۔ وہ جڑنے والا ہو حتیٰ کہ اس سے بھی جو اس سے قطع تعلق کرے۔ وہ بہتر سلوک کرنے والا ہو حتیٰ کہ اس کے ساتھ بھی جو اس کے ساتھ بُرا سلوک کرے۔ وہ نظر انداز کرنے والا ہو حتیٰ کہ اس سے بھی جو اس پر ظلم کرتا ہو۔

حضرت حذیفہؓ حضور ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نقل فرماتے ہیں:

> ''تم لوگ امّعہ (جس کی اپنی ذاتی کوئی رائے نہ ہو اور دوسروں کی اچھی بُری رائے کے ساتھ ہو) نہ بنو یہ کہنے لگو کہ لوگ اچھا سلوک کریں گے تو ہم بھی اچھا سلوک کریں گے اور اگر لوگ بُرا کریں گے تو ہم بھی ان کے ساتھ ظلم کریں گے۔ بلکہ اپنے آپ کو اس کا خوگر بناؤ کہ لوگ اچھا سلوک کریں تب بھی تم اچھا سلوک کرو اور لوگ بُرا سلوک کریں تو تم ان کے ساتھ ظلم نہ کرو''۔ (سنن الترمذی، 2138)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عقبہ بن عامرؓ کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

صِلْ مَنْ قَطَعَکَ ،وَأَعْطِ مَن حَرَمَکَ ،وَاعفُ عَمَّنْ ظَلَمَکَ. (مسند احمد،17452)

''جو تم سے کٹے تم اس سے جڑو، اور جو تمہیں محروم کرے تم اسے دو، جو تم پر ظلم کرے تم اس کو معاف کردو''۔

# 7- تعلیم اخلاق کی عملی تربیت

## 7.1 عملی نمونہ پیش کرنا

سکھانے کا سب سے عمدہ اور کارگر طریقہ یہ ہے کہ جن باتوں کی تعلیم دینا ہو، ان کو نہ صرف زبان سے ہی کہا جائے بلکہ ان کا عملی نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے کیونکہ انسان سننے کی بانسبت دیکھ کر زیادہ سیکھتا ہے۔ انسان کے بننے یا بگڑنے کا زیادہ تر انحصار ان باتوں پر ہوتا ہے جو وہ دیکھتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا یہی دستور تھا کہ آپ ﷺ لوگوں کو کسی بات کی ترغیب دینے سے پہلے اس پر خود عمل کر کے اپنا نمونہ پیش فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے اگر لوگوں کو ذکر اللہ تعالیٰ کی تلقین کی تو خود اس پر اس طرح عمل کیا کہ کبھی ایک لمحے کے لیے بھی یادِ خدا تعالیٰ سے غافل نہیں ہوئے لوگوں کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی تو خود کبھی مال جمع نہیں کیا بلکہ قرض لے کر بھی حاجت مندوں کی ضرورتیں پوری فرمائیں، آپ ﷺ مکارم اخلاق کا مکمل عملی نمونہ اور مثال تھے۔

## 7.2 سختی اور نرمی کا برمحل استعمال

آپ ﷺ کے تعلیمی طریق کار کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ ﷺ موقع محل کی مناسبت سے سختی اور نرمی کا استعمال فرماتے۔ آپ ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا لیکن جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑتا تو اس کو مقررہ سزا دی جاتی۔

ایک معزز خاندان کی عورت چوری کے جرم میں پکڑی گئی تو بڑی مؤثر سفارشوں کے باوجود آپ ﷺ نے اس پر شرعی حدود جاری فرما دی اور حدود میں سفارش کرنے پر اپنی ناراضگی کا اظہار فرمایا لیکن ایک دیہاتی نے اپنی کم علمی کی وجہ سے مسجد نبوی ﷺ میں پیشاب کر دیا تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو اس کے ساتھ سختی کرنے سے منع فرمایا، پھر اس دیہاتی کو پاس بلا کر نرمی سے سمجھایا کہ یہ اللہ کا گھر ہے جو نماز، ذکر اور قرآن پڑھنے کے لیے ہے نجاست کے لیے موزوں جگہ نہیں ہے۔ پھر لوگوں سے کہا: ''اس پر پانی بہا دو''۔ اس طرح آپ ﷺ نے سختی کے موقع پر سختی اور نرمی کے موقع پر نرمی سے اخلاق کی تعلیم دی۔

## 7.3 اخلاقِ حسنہ پر بیعت

آنحضرتﷺ نے مختلف اخلاقی باتوں پر لوگوں سے بیعت بھی لی ہے حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں

''آنحضرتﷺ نے ہم سے ان باتوں پر بیعت لی کہ ہم ہر حال میں آپﷺ کی اتباع کریں گے، عدل وانصاف قائم کریں گے اور دین کے معاملہ میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے۔''

قرآنِ حکیم میں آپﷺ سے کہا گیا ہے کہ:

''جو عورتیں ایمان لانا چاہیں وہ بیعت میں آپﷺ سے ان باتوں کا عہد کریں کہ چوری نہیں کریں گی، بدکاری نہیں کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، بہتان نہیں باندھیں گی اور آپﷺ کی نافرمانی نہیں کریں گی۔'' (الممتحنہ:12)

الغرض نبی اکرمﷺ کی تعلیم کا طریقہ حکمت پر مبنی تھا اور جس موقع پر جس انداز سے تعلیم زیادہ موثر ہوتی آپﷺ وہی انداز اختیار فرماتے۔ آپﷺ کے ان مختلف طریقوں میں معلمین اخلاق کے لیے نمونے موجود ہیں کہ اصلاحی کام کرنے والوں کو لوگوں کی نفسیات اور موقع ومحل کی مناسبت سے پورے طور پر آگاہی ہونی چاہیے۔

# 8- رسول اکرم ﷺ کی اخلاقی تعلیم کا عملی پہلو

آپ پڑھ چکے ہوں گے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد بتاتے ہوئے فرمایا کہ میں عمدہ اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں۔ یہ ظاہر ہے کہ کسی بھی کام کی تکمیل کے لیے خود اس میں کامل ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ کمال کے بغیر تکمیل کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ آنحضرت ﷺ کو یہ کمال کس درجہ حاصل تھا، اس کے لیے قرآن کی یہ شہادت کافی ہے: ﴿ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ﴾ (القلم:4) ''بلاشبہ آپ اخلاق کے بلند ترین مرتبے پر فائز ہیں۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

( کَانَ خُلقُهُ القرآن) ''آپ کے اخلاق تو قرآن ہی تھے۔''

گویا قرآن الفاظ و عبارت ہے اور جب اس کی تجسیم (Personification) کی جائے تو وہ رسولِ اکرم ﷺ کی ذات بنتی ہے۔ آپ ﷺ چلتا پھرتا قرآن تھے۔

## 8.1 جاہلی معاشرے میں اخلاقِ مجسّم

نبی اکرم ﷺ کے اخلاق کریمانہ کے تفصیلی ذکر سے پہلے مناسب ہوگا کہ آپ ایام جاہلیت کے عرب معاشرے کو اپنے ذہن میں دہرالیں جس کی کچھ تفصیل آپ یونٹ 2 میں پڑھ چکے ہوں گے کہ عربوں کی اخلاقی اور تہذیبی حالت انتہائی ابتر ہو چکی تھی۔ کوئی اخلاقی برائی ایسی نہ تھی جو ان میں پائی نہ جاتی ہو اور یہی نہیں بلکہ وہ قتل و غارت گری، چوری اور بدکاری، ظلم اور زیادتی، شراب نوشی اور قمار بازی اور اس نوع کی دوسری برائیوں پر فخر کرتے تھے۔ یہ حالات تھے کہ جن میں آپ ﷺ نے نہ صرف اخلاقی تعلیم دی بلکہ اپنے آپ کو ''خلق عظیم'' کے پیکر میں پیش کیا۔ آپ ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ کو دو (2) حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

1- شخصی اوصاف
2- معاشرتی اوصاف

## 8.2 خود آزمائی نمبر 3

مندرجہ ذیل سوالوں کا جواب تحریر کیجیے۔

-1 اخلاق کا مفہوم کیا ہے؟

-2 جوابی اخلاق اور اعلیٰ و برتر اخلاق میں کیا فرق ہے؟

-3 حصول علم کا مقصد بتایئے۔

-4 ترجمہ کیجئے۔

اِنَّمَا بُعِثۡتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الاَخۡلَاقِ

اَحۡسِن خُلُقَکَ لِلنَّاسِ

-5 معلّم اخلاق کا مفہوم کیا ہے؟

-6 اخلاق سے ایمانی کیفیت کیسے ناپی جا سکتی ہے؟

-7 معلّم اخلاق کے عملی تربیت کے 4 طریقہ کار بتایئے:

(i) ____________________

(ii) ____________________

(iii) ____________________

(iv) ____________________

-8 تعلیمی طریق کار میں سختی برتنا زیادہ بہتر ہے یا نرمی؟

-9 رسول اللہ ﷺ نے حضرت عقبہ بن عامرؓ کو کیا نصیحت فرمائی؟

-10 ترجمہ کیجیے: لَاتَکُوۡنُوۡا اِمَّعَةً

# 9-رسول اللہﷺ کے شخصی اوصاف

آپﷺ کے بے شمار اوصاف ہیں، ان میں سے چند ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں۔

## 9.1 عزم واستقلال

آپﷺ عزم اور استقلال کے پیکر تھے، قرآنِ حکیم نے آپﷺ کو اولوالعزم رسولوں میں شمار کیا ہے۔ آپﷺ کی حیاتِ طیبہ کا ایک ایک واقعہ آپﷺ کے بے پناہ عزم، ثابت قدمی اور استقلال کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ آپﷺ جب حق کی دعوت لے کر اُٹھے تو پورے عرب میں تن تنہا تھے۔ تھوڑے دنوں میں اندازہ ہو گیا کہ عرب کا ذرہ ذرہ آپﷺ کی مخالفت میں پہاڑ بن کر سامنے آ رہا ہے۔ لیکن کبھی کسی موقع پر آپﷺ کے پائے استقلال میں جنبش نہیں ہوئی اور نہ کبھی آپﷺ کو اپنی کامیابی کے بارے میں تذبذب ہوا۔

قریش مکہ جب ہر قسم کی تدبیریں کر کے تھک گئے تو انہوں نے آپﷺ کو توحید کی دعوت سے باز رکھنے کے لیے اقتدار، مال و دولت اور خوبصورت عورتوں کی پیشکش کی۔ ان میں سے ہر ایک چیز ایسی ہے جو بڑے بڑے بہادر آدمی کے قدم ڈگمگانے کے لیے کافی ہے لیکن آپﷺ نے ان کی پیشکش ٹھکرا دی۔ پھر انہوں نے ابو طالب کو قائل کیا کہ وہ بھتیجے کو دعوت حق سے باز رکھیں۔ قریش کا خیال تھا کہ ابو طالب آپﷺ کا واحد سہارا ہیں جن کی وجہ سے آپﷺ بے خوف وخطر اپنا پیغام لوگوں تک پہنچاتے ہیں اور لوگ آپ پر ہاتھ اٹھانے کا حوصلہ نہیں کرتے اگر یہ سہارا آپﷺ کا ساتھ چھوڑ جائے تو آپﷺ قریش کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے اور اپنی تبلیغ سے دستبردار ہو جائیں گے۔ آخر وہ وقت آ گیا کہ چچا ابو طالب نے آپﷺ سے کہا:

”بھتیجے! قریش کی مخالفت بڑھ گئی ہے، مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈال جو میں اُٹھا نہ سکوں۔“

گویا عزم واستقلال کا آخری ظاہری سہارا بھی ساتھ چھوڑ گیا۔ اس وقت آپﷺ نے چچا کو جو جواب دیا، وہ انسانی تاریخ میں عزم کا آخری طریقہ اظہار ہے، فرمایا:

”چچا جان! بخدا اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند لا کر رکھ دیں تب بھی میں اپنے کام سے باز نہیں آؤں گا۔ اللہ کی قسم! یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچے گا یا میں اسی کام میں جان قربان کر دوں گا۔“

## 9.2 عدل وانصاف

عرب میں جاہلی نظام تھا۔مختلف قبیلے ایک دوسرے کے جانی دُشمن تھے۔حضور اکرم ﷺ کو تمام قبائل سے معاملات پیش آتے تھے۔آپ ﷺ چونکہ پہلی بار اسلامی ریاست کے سربراہ بھی تھے اس لیے لوگوں کے مقدمات اور جھگڑے بھی آپ ﷺ کے سامنے پیش ہوتے جن کا آپ ﷺ کو فیصلہ فرمانا ہوتا۔ایسے حالات میں جب کہ سینکڑوں قبائل سے آپ کا سابقہ پڑتا جو آپس میں ایک دوسرے کے دُشمن تھے ایک کے موافق فیصلہ کیا جاتا تو دوسرا دُشمن بن جاتا۔ان حالات میں آپ اندازہ کریں کہ رسول اکرم ﷺ کے لیے عدل و انصاف کا قیام کتنا مشکل تھا لیکن ان تمام مشکلات کے باوجود آپ ﷺ نے عدل وانصاف کا اعلیٰ معیار قائم فرمایا۔

آپ ﷺ نے عدل و انصاف کا ایک ایسا معیار قائم فرمایا کہ اس میں اپنے اور بیگانے دوست اور دُشمن کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ایک مرتبہ قریش کے ایک معزز خاندان بنو مخزوم کی ایک عورت نے جس کا نام فاطمہ تھا، چوری کی۔خاندان کے لوگوں کو خیال ہوا کہ اگر اسے سزا ہوگئی تو بہت بے عزتی ہوگی۔حضرت اُسامہ بن زید ؓ رسول اکرم ﷺ کو بہت پیارے تھے لوگوں نے ان سے کہا کہ وہ سفارش کریں تا کہ فاطمہ سزا سے بچ جائے ۔ انہوں نے حضور ﷺ سے معافی کی درخواست کی تو حضور اکرم ﷺ کا چہرہ مبارک غصے سے سُرخ ہوگیا اور فرمایا:

> ”اسامہ ؓ!تم اللہ تعالیٰ کے قانون میں سفارش کرتے ہو، پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو بلایا اور خطبہ دیا اور فرمایا:تم سے پہلے لوگ اسی بناء پر تباہ ہوئے کہ جب ان میں کوئی عام آدمی جرم کرتا تو اسے سزا دیتے اور جب کوئی بڑا آدمی گناہ کرتا تو اس سے درگزر کردیتے۔اللہ کی قسم !اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔“

عدل وانصاف کے قیام میں آپ ﷺ مسلم اور غیر مسلم میں کوئی فرق روا نہ رکھتے تھے۔کئی بار آپ ﷺ نے مسلمان کے خلاف اور غیر مسلم کے حق میں فیصلہ دیا جب غیر مسلم حق پر تھا۔

آپ ﷺ کے عدل و انصاف کا اثر تھا کہ یہودی بھی اپنے مقدمے آپ ﷺ کے پاس لاتے تھے۔ یہود کے دو خاندانوں بنو نضیر اور بنو قریظہ کے درمیان برابری نہیں تھی۔بنو نضیر اپنے آپ کو برتر سمجھتے تھے، بنو قریظہ کا کوئی آدمی اگر بنو نضیر کے کسی آدمی کو قتل کردیتا تو اسے قصاص میں قتل کردیا جاتا اگر کوئی نضیری کسی قریظی کو ہلاک کردیتا تو اس کے خون کی قیمت ادا

کرتا۔ جو سو(100) اونٹوں کے برابر خونبہا مقرر تھی۔ آپ ﷺ نے اس ناانصافی کو ختم کر کے ان میں برابری قائم فرما دی۔

جہاں دوسروں کے ساتھ انصاف کا تعلق ہے یہ کام نسبتاً آسان ہے۔ زیادہ مشکل یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو بھی انصاف کے لیے پیش کر دے اور اگر فیصلہ اپنے خلاف ہو تو اسے خندہ پیشانی سے قبول کرے۔ رسول اکرم ﷺ خود ہمیشہ جواب دہی کے لیے تیار رہتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک شخص اپنا حصہ لینے کے لیے آپ ﷺ پر اتنا جھک گیا کہ آپ ﷺ کے ہاتھ میں نیزہ تھا اس سے اس کے چہرے پر خراش آ گئی۔ آپ ﷺ نے فوراً اسے بدلہ لینے کی پیشکش کی اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے معاف کر دیا۔

آپ ﷺ نے اپنی آخری بیماری میں عام مجمع میں اعلان فرمایا کہ

> ''اگر میرے ذمہ کسی کا قرض ہو، اگر میں نے کسی کی جان، مال و آبرو کو صدمہ پہنچایا ہو تو میری جان، مال اور آبرو حاضر ہے۔ وہ اپنا بدلہ لے لے۔ مجمع میں سناٹا تھا۔ صرف ایک شخص نے چند درہم کا دعویٰ کیا جو اسی وقت ادا کر دیئے گئے۔''

## 9.3 شجاعت و بہادری

شجاعت اور بہادری عربوں کا خصوصی وصف تھا۔ نبی اکرم ﷺ شجاعت کے جیتے جاگتے پیکر تھے۔ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے ایک ایک واقعے سے آپ ﷺ کی بہادری کا اظہار ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے خود بنفس نفیس کئی معرکوں میں حصہ لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جو خود شجاعت اور جوانمردی میں بے مثال تھے، فرماتے ہیں کہ

> ''ان معرکوں میں آپ ﷺ ہمیشہ سب سے آگے ہوتے اور جب گھمسان کا رن پڑتا تو ہمیں بھی آپ ﷺ کے پہلو میں پناہ لینا پڑتی۔''

غزوۂ بدر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بار بار آپ ﷺ کی آڑ لیتے مگر آپ ﷺ دشمن کے سب سے زیادہ قریب رہے۔

ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں افواہ پھیلی کہ دشمن نے اچانک حملہ کر دیا ہے۔ لوگوں میں سراسیمگی پھیل گئی۔ بعض لوگ تیار ہو کر اس طرف جا رہے تھے جدھر سے حملے کی اطلاع ملی تھی کہ انہوں نے دیکھا اتنے میں حضور اکرم ﷺ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار، گلے میں تلوار حمائل کیے واپس آ رہے ہیں فرمایا:

''ڈرو نہیں، کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

غزوۂ حنین میں جب ہوازن کے تیراندازوں نے اچانک حملہ کر دیا تو مسلمان فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے اور آپ ﷺ کے ساتھ گنتی کے چند افراد رہ گئے تھے دشمنوں نے اپنے تیروں کا رُخ آپ ﷺ کی طرف کر دیا لیکن آپ ﷺ کے پائے ثبات میں ذرا بھی لغزش نہیں آئی۔ آپ ﷺ اپنے خچر سے نیچے اُتر آئے اور فرمایا:

اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِب اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِب

میں اللہ تعالیٰ کا سچا نبی ہوں اور عبدالمطلب ایسے بہادر کا بیٹا ہوں

آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں بے شمار ایسے امتیازی واقعات ہیں جن سے آپ ﷺ کی بے مثال شجاعت اور بہادری کا اظہار ہوتا ہے۔

## 9.4 سخاوت و فیاضی

آپ ﷺ کی سخاوت اور فیاضی کے لیے صحابہ کرام ؓ نے جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ آپ ﷺ کی فیاضی کی صحیح عکاسی کرتے ہیں، اور وہ ہیں:

(اَجْوَدُ مِنَ الرِّیحِ المرسَلة) ''تیز چلنے والی ہوا سے بھی زیادہ سخی۔''

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے بعد آپ ﷺ کے پاس مال و دولت کی کمی نہیں رہی تھی لیکن اس میں سے آپ ﷺ نے کچھ بھی بچا کر نہیں رکھا بلکہ وہ سب حاجت مندوں پر خرچ کر دیا۔ اس کی گواہی خود حضرت خدیجہؓ ان الفاظ میں دیتی ہیں:

''اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو تنہا نہیں چھوڑے گا کیونکہ آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں، لوگوں کے بوجھ اُٹھاتے ہیں، بے سہاروں کی مدد کرتے ہیں، مہمانوں کی خاطر مدارت کرتے ہیں اور مصائب میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔''

آپ ﷺ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ اگر پاس کچھ نہ ہوتا تو قرض لے کر سائل کی حاجت پوری فرماتے۔ بعض اوقات جس مالک سے چیز خریدتے قیمت ادا کرنے کے بعد اسی کو ہبہ کر دیتے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سے اونٹ خریدا اور ان کے بیٹے عبد

اللہ ﷺ کو ہبہ کر دیا۔ ایک دوسرے موقع پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اونٹ خریدا اور قیمت ادا کرنے کے بعد اونٹ انہی کو لوٹا دیا۔ ایک موقع پر رئیس فدک نے کچھ سامان بھیجا وہ رات گئے تک تقسیم ہونے سے بچ رہا تو آپ ﷺ نے رات مسجد میں گزاری۔

## 9.5 تواضع

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو دینی اور دنیوی اعتبار سے جو مرتبہ عطا کیا تھا وہ کائنات میں کسی دوسرے فرد کو نہیں ملا۔ اس کے باوجود آپ ﷺ میں تواضع اور انکساری کی خصوصیات انتہائی درجے کی تھیں۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی بات پر فخر کا اظہار نہیں کیا۔ کبھی زبان سے ایسا کوئی کلمہ نہیں نکالا جس میں غرور و تکبر کا شائبہ بھی ہو۔

آپ ﷺ تمام انبیاء سے افضل ہیں اس کے باوجود آپ ﷺ نے اس بات کی اجازت نہیں دی کہ لوگ آپ ﷺ کو دیگر انبیاء پر فضیلت دیں۔ جب کبھی ایسی کوئی بات ہوتی تو آپ ﷺ نے دیگر انبیاء کو ترجیح دی۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فوقیت نہ دو''۔ ایک اور موقع پر فرمایا ''مجھے یونس بن متی علیہ السلام پر فضیلت نہ دو''۔ ایک بار کسی شخص نے آپ ﷺ کو (یَا خَیۡرَ الۡبَرِیَّۃِ) ''اے مخلوق میں سے بہترین فرد'' کہہ کر پکارا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ ابراہیم علیہ السلام تھے۔''

ایک بار ایک وفد آیا اور کہنے لگا: ''آپ ﷺ ہمارے سردار ہیں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارا حقیقی سردار تو اللہ تعالیٰ ہے۔''

وفد نے کہا: ''آپ ﷺ ہم سب میں سے زیادہ افضل ہیں اور عظمت کے مالک ہیں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''مطلب کی بات کرو، کہیں شیطان تمہیں بہکا نہ دے۔''

ایک مرتبہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں آیا اور آپ ﷺ کی وجاہت دیکھ کر مرعوب ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اس کا حوصلہ بڑھانے کے لیے فرمایا: ''میں بادشاہ نہیں، میں تو ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھاتی تھی۔''

آپ ﷺ نہ صرف زبانی عجز و انکساری کا اظہار فرماتے بلکہ خورد و نوش اور تمام معاملات میں تواضع اور انکسار کو پسند فرماتے۔ آپ ﷺ نے جب بھی کسی خصوصیت کا ذکر کیا جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا کی ہے تو ساتھ ہی اپنے انکسار کا اظہار بھی فرمایا مثلاً آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

(اَنَا سَیِّدُ وَلَدِ آدم وَلا فَخْرَ)"میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں ہے۔"

## 9.6 زہد وقناعت

دُنیا کا مال و دولت حاصل کرنے کے لیے اگر کوئی شخص محنت اور کوشش کرے اور اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے اور قناعت اختیار کرے تو یہ قناعت اضطراری کہلائے گی لیکن جس شخص کو دُنیا کا مال و اسباب حاصل ہو سکتا ہے وہ اس کی پرواہ نہ کرے اور قناعت کی زندگی کو اپنائے تو اس کے زہد و قناعت کو اختیاری زہد و قناعت کہیں گے۔ آنحضرت ﷺ کی زندگی کا ایک نمایاں پہلو اختیاری زہد و قناعت تھا، آپ ﷺ ہمیشہ یہ دُعا فرماتے کہ

"الٰہی میں چاہتا ہوں کہ ایک دن مجھے کھانے پینے کو ملے تا کہ سیر ہو کر تیرا شکر ادا کروں اور دوسرے دن بھوکا رہوں تا کہ صبر کروں اور تیرے سامنے عاجزی سے دُعا مانگوں۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کئی کئی مہینے گزر جاتے اور آپ ﷺ کے گھروں میں چولہا گرم نہیں ہوتا تھا صرف پانی اور کھجور پر گزارا ہوتا۔ جس زمانے میں فتوحات سے حاصل ہونے والے مال کے مسجدِ نبوی ﷺ میں ڈھیر لگ جاتے تھے اس وقت بھی آپ ﷺ کے زہد کی کیفیت یہ تھی کہ حضرت عبداللہ ﷛ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کھجور کی چٹائی پر آرام فرما رہے تھے اور جسم مبارک پر اس چٹائی کے نشانات پڑ گئے تھے میں نے عرض کیا: "اللہ کے رسول ﷺ! اجازت ہو تو کوئی نرم چیز آپ ﷺ کے لیے بچھا دوں۔"

فرمایا: "مجھے دُنیا سے کیا غرض؟ میری مثال اس مسافر کی ہے جو تپتی دوپہر میں ذرا سی دیر ستانے کے لیے کسی سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ جائے اور پھر آرام کر کے چل دے۔"

## 9.7 عفت و پاکدامنی

ضبطِ نفس، خواہشات کے کنٹرول اور اپنے آپ کو حرام سے بچانے کا نام عفت وعصمت ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی غیر محرم عورت کو نہیں چھوا۔ ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں: آپ ﷺ پردہ نشین کنواری عورت سے زیادہ شرم وحیا والے تھے۔ (بخاری، صحیح بخاری، حدیث نمبر 2320) حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں ایسے پاکیزہ نسب لوگوں سے پیدا ہوا ہوں جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر میرے والدین کریمین تک سب کے سب آپس میں شرعی اور قانونی رشتۂ ازدواج میں منسلک تھے۔ (امام طبرانی، المعجم الاوسط، حدیث نمبر 4728)

# 10-رسول اللہﷺ کے معاشرتی اوصاف

آپﷺ کے اخلاق کریمانہ کا دوسرا پہلو حسن معاشرت ہے۔ حسن معاشرت سے مراد یہ ہے کہ آنحضرتﷺ کا اپنے معاشرے کے افراد سے سلوک اتنا عمدہ اور مثالی تھا کہ انسانی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ انسان بالعموم چھوٹی چھوٹی حد بندیوں میں مقید ہوتا ہے۔ کوئی شخص صرف اپنی ذات سے مخلص ہوتا ہے، کوئی صرف اپنے خاندان اور کنبے کی حد تک، کسی کی سوچ وسعت اختیار کر کے اپنے ملک اور قوم کی بھلائی تک پھیلتی ہے لیکن انسانی تاریخ میں نبی اکرمﷺ کی ذات ہی کو امتیاز حاصل ہے کہ آپﷺ تمام بنی آدم کے لیے رحمت وشفقت ہیں۔

آنحضرتﷺ کی تبلیغی سرگرمیوں میں جس چیز نے لوگوں کو سب سے زیادہ متاثر کیا وہ آپﷺ کا حُسنِ خُلق اور حُسنِ معاشرت ہے۔ قرآن کریم نے بھی آپﷺ کی اسی صفت کو آپﷺ کی کامیابی اور دلعزیزی کا سبب قرار دیا ہے۔ رسولِ اکرمﷺ کی معاشرتی زندگی اور حسن معاشرت کے چند خصائص اور اوصاف یہاں ذکر کیے جاتے ہیں:

## 10.1 خیر خواہی

آپﷺ کے دل میں ہمیشہ دوسروں کی خیر خواہی کے جذبات موجزن رہے۔ آپﷺ اکثر فرمایا کرتے تھے:

> ''میرے سامنے دوسروں کی ایسی باتیں نہ کیا کرو جنہیں سن کر میرے دل میں ان کے متعلق کوئی کدورت پیدا ہو کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ میں سب سے صاف دل سے ملوں۔''

لوگوں کی خیر خواہی کا یہ عالم تھا کہ آپﷺ فرمایا کرتے تھے کہ

> ''میں نے اللہ تعالیٰ سے پختہ عہد لے رکھا ہے اگر بتقاضائے بشریت میری زبان سے کسی کے بارے میں بدُعا کا جملہ نکل جائے تو تو اُسے متعلقہ فرد کے لیے رحمت اور مغفرت کا باعث بنا دے۔''

آپﷺ یہ چاہتے تھے کہ اخوت، محبت، ہمدردی اور خیر خواہی کا یہ جذبہ پورے معاشرے میں رواں دواں ہو۔ آپﷺ کا ارشاد ہے کہ ''تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک دوسروں کے لیے بھی وہی پسند نہ کرنے لگو جو خود اپنے لیے پسند کرتے ہو۔'' آپﷺ نے ارشاد فرمایا: خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاسَ

''لوگوں میں سے بہترین انسان وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے''

## 10.2 حِلم و بردباری

آپ ﷺ کے حِلم اور بردباری کی گواہی دیتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"آپ ﷺ نے تمام زندگی اپنے اوپر کی گئی زیادتی کا بدلہ نہیں لیا، بجز اس کے کہ اللہ کی حرمت کو پامال کیا گیا ہو۔ پھر اس صورت میں آپ ﷺ سختی سے مواخذہ فرماتے تھے۔"

آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ

"طاقتور وہ نہیں جو کسی کو پچھاڑ دے، اصل طاقتور وہ ہے جو غصے کے وقت خود پر قابو رکھے۔"

## 10.3 عفوودرگزر

ایک مرتبہ ایک بدو آیا اور پیچھے سے آپ ﷺ کی چادر پکڑ کر اس زور سے جھٹکا دیا کہ گردن مبارک پر نشان پڑ گیا آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے نہایت درشتی سے کہا: "میرے ان اونٹوں پر کچھ مال لاد دے کیونکہ یہ مال نہ تیرا ہے اور نہ تیرے باپ کا۔" آپ ﷺ نے نہ صرف یہ کہ اس شخص کی بدتمیزی معاف کر دی بلکہ اس کے ایک اونٹ پر جو اور دوسرے پر کھجوریں لادنے کا حکم دیا۔

## 10.4 دوسروں کے متعلق حُسنِ ظن

آپ ﷺ ہمیشہ دوسروں کے متعلق حسن ظن (یعنی اچھی رائے اور گمان) رکھتے تھے، آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

"حسن ظن اچھی عبادت ہے۔" اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ کا فرمان تھا کہ ان مواقع سے بچو جن سے دوسروں کو بدگمانی کا موقع مل سکتا ہے۔ اس بناء پر آپ ﷺ عورت کو تنہا سفر کرنے یا کسی اجنبی مرد کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنے سے روکتے تھے۔ آپ ﷺ خود بھی ایسے مواقع سے بچتے تھے۔ ایک مرتبہ شام کے وقت آپ ﷺ اپنی زوجہ محترمہ سے محوِ گفتگو تھے کہ دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہاں سے تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے گزرے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "ٹھہر جاؤ، یہ میرے ساتھ میری بیوی صفیہ ہے۔"

انہوں نے کہا: "یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ کے متعلق بھی کسی کو بدگمانی ہو سکتی ہے۔"

فرمایا: "شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے کیا خبر وہ تمہیں میرے متعلق بدگمانی میں مبتلا کر دے"

## 10.5 عہد کی پابندی

آنحضرت ﷺ کو وعدے کا اس قدر پاس ہوتا کہ مشقت اور تکلیف برداشت کر کے بھی وعدہ پورا فرماتے۔ عبداللہ بن ابی الحمساء العامری ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے بعثت سے پہلے ایک بار نبی کریم ﷺ سے ایک معاملہ کیا۔ میرے ذمہ کچھ دینا باقی تھا میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ یہیں ٹھہریں میں ابھی لے کر آتا ہوں۔ اتفاق سے گھر جانے کے بعد اپنا وعدہ بھول گیا تین روز کے بعد یاد آیا۔ فوراً وعدے کی جگہ پر پہنچا۔ آپ ﷺ کو اسی مقام پر منتظر پایا۔ آپ ﷺ نے صرف اتنا فرمایا کہ تم نے مجھے تکلیف دی۔ میں تین روز سے اسی جگہ تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔

صلح حدیبیہ کا معاہدہ طے پا جانے کے بعد حضرت ابو جندل ؓ صحابی زنجیروں میں جکڑے ہوئے دردناک اور قابل رحم حالت میں اہل مکہ کی قید سے بھاگ کر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ معاہدے میں ایک شرط یہ تھی کہ جو مسلمان مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ جائے گا وہ اہل مکہ کے مطالبہ پر واپس کر دیا جائے گا۔

حضور ﷺ نے حضرت ابو جندل ؓ کو صبر کی تلقین کی اور انہیں واپس کر دیا اور فرمایا "ہم بدعہدی نہیں کریں گے۔"

قیصر روم نے اپنے دربار میں ابوسفیان سے یہ بھی سوال کیا تھا کہ "کیا کبھی محمد ﷺ نے بدعہدی کی ہے؟" ابوسفیان کو مجبوراً جواب دینا پڑا کہ "نہیں۔"

## 10.6 صدق

صدق یا سچائی کا معنی ہے قول اور عمل کا ایک دوسرے کے مطابق ہونا۔ سچائی انسان کے اعمال کی درستی اور اصلاح کے لیے بنیاد کا درجہ رکھتی ہے۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾ (الاحزاب:70-71)

"اور درست بات کہا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی اصلاح فرمائے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمائے گا۔"

آنحضرت ﷺ میں صدق کا وصف اس قدر نمایاں تھا کہ اختلاف و عداوت کے باوجود آپ ﷺ کے دشمن بھی آپ ﷺ کو صادق و امین کہہ کر پکارتے تھے۔ ابوجہل کہا کرتا تھا کہ

''اے محمد ﷺ! میں تم کو جھوٹا نہیں کہتا مگر جو کچھ تم کہتے ہو میں تسلیم نہیں کرتا۔''

قیصر روم کے دربار میں ابوسفیان نے اعتراف کیا کہ حضور ﷺ نے عمر بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

## 10.7 امانت و دیانت

آپس کے لین دین کے معاملات میں دیانت و امانت کی ضرورت ایک مسلمہ حقیقت ہے جس معاشرے سے امانت اور دیانت ختم ہو جائے اسے بدترین معاشرہ تصور کیا جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے امانت کو ایمان کے برابر کی چیز قرار دیا۔ حدیث شریف میں ہے:

(لَا اِیۡمَانَ لِمَنۡ لَّا اَمَانَۃَ لَہٗ) ''جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں۔''

ایک حدیث مبارک میں حضور ﷺ نے امانت میں خیانت کو نفاق کی علامت قرار دیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کو بعثت سے پہلے ہی اہل مکہ کی جانب سے ''امین'' کا خطاب مل چکا تھا کیونکہ آپ ﷺ اپنے کاروبار اور معاملات میں انتہائی دیانت دار تھے۔ لوگ آپ ﷺ کے پاس امانتیں رکھتے تو آپ ﷺ جوں کی توں لوٹا دیتے، ہجرت مدینہ منورہ کے موقع پر آپ ﷺ نے ان لوگوں کی امانتیں لوٹانے کا اہتمام فرمایا جو آپ ﷺ کے قتل کے درپے تھے۔

حسن معاشرت کا باب بہت وسیع ہے۔ مختلف طبقوں سے آپ ﷺ کا سلوک مثلاً اولاد سے محبت و شفقت، رشتہ داروں سے مروّت و احسان، دوست احباب سے سلوک، غرباء اور مساکین سے ہمدردی، بیواؤں اور یتیموں پر خصوصی شفقت، بیماروں کی تیمارداری، غلاموں سے حسن سلوک، مہمانوں کی خدمت، بچوں سے اُلفت و محبت، دشمنوں سے سلوک، حیوانات سے مہربانی وغیرہ۔ ان میں سے ہر عنوان پر آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ کی ایسی مثالیں موجود ہیں جن کی انسانی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔

(آپ ﷺ کے پاکیزہ اخلاق کے بیان کے لیے ضخیم کتابیں بھی ناکافی ہیں۔ اس یونٹ میں صرف مختصر بیان ہی ممکن تھا۔ آپ تفصیلی معلومات کے لیے ''سیرت النبی ﷺ'' جلد پنجم (از سید سلیمان ندوی) کا مطالعہ ضرور کریں)

# خود آزمائی نمبر 4

مندرجہ ذیل سوالوں کے جواب تحریر کریں:

1- ترجمہ کریں:

- اَنَا النَّبِیُّ لا کَذِب . اَنَا ابْنُ عَبْدِ المُطَّلِب
- اَجْوَدُ منَ الْرِیح المرسَلة
- لَاایْمانَ لِمنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ

2- حضرت اُسامہؓ نے جب ایک چوری کرنے والی عورت کی سفارش کی تو حضور ﷺ نے کیا جواب دیا؟

3- حضور ﷺ کی شجاعت کا کوئی واقعہ بیان کریں۔

4- عزم و استقلال سے کیا مراد ہے؟

5- غزوہ حنین میں مسلمانوں کو کتنا مالِ غنیمت ملا؟

6- حدیث کے الفاظ لکھیں: ''میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں ہے۔''

7- ''حسن ظن'' سے کیا مراد ہے؟

8- خیر البریة سے کیا مراد ہے؟

9- رسول اللہ ﷺ کے معاشرتی اوصاف سے کیا مراد ہے؟

10- ترجمہ کریں۔

وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ

خَیْرُالنَّاس مَنْ یَّنْفَعُ النَّاس

# 11- جوابات

## خود آزمائی نمبر 1

1۔ رؤف اور رحیم　　　2۔ رقت اور نرمی

3۔ عقیدہ توحید

4۔ عزت نفس یہ ہوتی ہے کہ انسان اللہ کے سوا کسی دوسرے کے سامنے جھکتا نہیں ہے اور تواضع اس طرح کہ اللہ کے سامنے عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتا ہے۔

5۔ رب کی وحدت اور باپ کی وحدت　　　6۔ تعارف اور پہچان کے لیے

7۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا　　　8۔ سب انسان اللہ کا کنبہ ہیں

9۔ وہ حدیث جس کا مضمون اللہ کی طرف سے ہو اور الفاظ آنحضرتﷺ کے اپنے ہوں۔

10۔ (i) رحمت　　　(ii) کنبہ

(iii) باپ　　　(iv) عورت

11۔ گناہ پر ندامت اور باز رہنے کے عزم کا نام توبہ ہے۔

12۔ ترک دنیا

13۔ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنۡبِ کَمَنۡ لَا ذَنۡبَ لَه

14۔ مسجد نبوی میں۔

15۔ مسلمانوں کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں۔

16۔ (اَلۡكَلِمَةُ الۡحِكۡمَةُ ضَالَّةُ الۡمُؤۡمِنِ فَحَيۡثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا)

17 ۔ فقر اور غربت انتہائی بُری چیز ہے جو آدمی کو کفر تک پہنچا دیتی ہے۔

18۔ (i) ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے۔

(ii) جو اعتدال سے خرچ کرتا ہے تنگ دست نہیں ہوتا۔

## خود آزمائی نمبر2

1۔ صحابہ کے لیے رحمت اور نرمی
2۔ کچھ نہیں بلکہ نرمی سے سمجھایا
3۔ دس
4۔ آنحضرت ﷺ کے
5۔ دس سال
6۔ عورتیں مردوں کے پہلو بہ پہلو حیثیت کی مالک ہیں۔
7۔ "خلع"
8۔ آنحضرت ﷺ کی وجہ سے کفار مکہ پر اس طرح کے عذاب نہیں آئے جیسے پہلی امتوں پر آتے رہے۔
9۔ سب کو معاف فرمادیا۔
10۔ دیکھئے نمبر5 بعنوان حیوانات پر رحم

## خود آزمائی نمبر3

1- "خلق (اخلاق) انسانی نفس کی ایسی استعداد اور صلاحیت ہے کہ جسے بھی یہ حاصل ہو جائے تو اس کے لئے اچھے کام کرنا آسان ہو جاتا ہے"۔

2- اچھائی کا بدلہ اچھائی اور برائی کا بدلہ برائی جوابی اخلاق کہلاتا ہے، اچھے اور بُرے رویہ کی پروا کیے بغیر ہر حال میں اچھا رویہ اپنانا اعلیٰ و برتر اخلاق کہلاتا ہے۔

3- علم کا اصل مقصد اخلاق حسنہ کی تکمیل ہے۔ اخلاق مطلوب ہیں اور علم ان کو حاصل کرنے کا ذریعہ۔

4- "میں صرف اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کروں۔"

"لوگوں کے ساتھ بہترین اخلاق سے پیش آؤ۔"

5- معلم اخلاق صرف اخلاق کی تعلیم ہی نہیں دیتا بلکہ خود اعلیٰ اور کامل ترین اخلاق کا نمونہ بن کر لوگوں کے اخلاق کی تشکیل و تعمیر بھی کرتا ہے۔

6- دیکھئے:6.3

-7 اپنے جواب کو سیکشن "7" میں دیئے گئے طریقۂ کار سے ملایئے۔

-8 سختی کے موقع پر سختی اور نرمی کے موقع پر نرمی برتنا زیادہ بہتر ہے۔

-9 "جو تم سے کٹے تم اس سے جڑو، اور جو تمہیں محروم کرے تم اسے دو، جو تم پر ظلم کرے تم اس کو معاف کردو"۔

-10 "تم لوگ امّعہ (جس کی اپنی ذاتی کوئی رائے نہ ہو اور دوسروں کی اچھی بُری رائے کے ساتھ ہو) نہ بنو۔

## خود آزمائی نمبر 4

-1 ○ میں اللہ تعالیٰ کا سچا نبی ہوں اور عبدالمطلب جیسے بہادر کا بیٹا ہوں

○ "چلنے والی ہوا سے بھی زیادہ سخی۔"

○ "جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں۔"

-2 دیکھیے: 9.2

-3 دیکھیے: 9.3

-4 "یعنی غور و فکر سے تدابیر اختیار کر کے اس پر ہمت، ثابت قدمی اور مستقل مزاجی سے عمل کرنا۔"

-5 24 ہزار اونٹ، 40 ہزار بکریاں، 4 ہزار اوقیہ چاندی۔

- 6 اَنَا سَیِّدُ وَلَدِ آدَمَ وَلا فَخرَ

- 7 دوسروں کے متعلق اچھا گمان اور اچھی رائے رکھنا۔

-8 مخلوق میں سب سے بہتر۔

-9 اس سے مراد حسن معاشرت ہے، آنحضرت ﷺ کا اپنے معاشرے کے افراد سے سلوک اور برتاؤ اتنا عمدہ اور مثالی تھا کہ انسانی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

-10 "اور درست بات کہا کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی اصلاح فرمائے گا۔"

"لوگوں میں سے بہترین انسان وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے"